مقالاتِ حافظ محمود شیرانی

جلد ہشتم

کتب نصاب، عروض اور مسکوکات سے متعلق مضامین

مرتبہ

مظہر محمود شیرانی

مجلس ترقیِ ادب - کلب روڈ - لاہور

مقالاتِ حافظ محمود شیرانی

جلد ہشتم

کتب نصاب، عروض اور مسکوکات سے متعلق مضامین

مرتبہ

مظہر محمود شیرانی

مجلسِ ترقیِ ادب
کلب روڈ، لاہور

طبع اوّل : دسمبر ۱۹۸۵ء

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : احمد ندیم قاسمی
ناظم مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور

طابع : رشید احمد چودھری

مطبع : مکتبۂ جدید پریس، نوائے وقت ہاؤس، لاہور

فہرست مضامین

عرضِ مرتّب

مقالاتِ حافظ محمود شیرانی کی آٹھویں جلد کو موضوعات کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے یعنی:

(ا) کتبِ نصاب (ب) علمِ عروض اور (ج) علمِ مسکوکات

کتبِ نصاب سے یہاں صرف وہ منظوم نصابی کتابیں مراد ہیں جو عربی یا فارسی زبان سکھانے اور اُن کا ذخیرۂ الفاظ یاد کرانے کی غرض سے لکھی جاتیں اور بالعموم بچّوں کو حفظ کرا دی جاتی تھیں۔ ابھی دو ایک پشت پہلے تک ان نصابوں کا چرچا باقی تھا۔ شیرانی صاحب کے کتب خانے میں ان نصابی کتابوں کا خاصا مجموعہ تھا۔ اسی مجموعے کی مدد سے انہوں نے ادارۂ معارفِ اسلامیہ کے سالانہ اجلاس ۱۹۳۳ء منعقدہ لاہور[1] کے لئے اپنا مضمون "بچّوں کے تعلیمی نصاب" لکھا تھا جس سے حصّہ 'ا' کا آغاز ہوتا ہے۔

کتب نصاب میں "خالق باری" بوجوہ ایک اہم مقام کی حامل رہی ہے۔ اسے حضرت امیر خسرو سے منسوب کیا جاتا تھا۔ شیرانی صاحب کو سب سے پہلے اس انتساب پر شک گزرا جس کا اظہار انہوں نے ۱۹۲۶ء میں اپنے مضمون "خالق باری" میں کیا۔ "آبِ حیات" پر تنقید کے دوران میں ان شبہات کا اعادہ کیا گیا۔ آخر یونیورسٹی کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد انہوں نے انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی کے لئے خالق باری کا متن مرتّب کیا اور حسبِ دستور اس کے لئے ایک دیباچہ لکھا۔ یہ "دیباچہ اوّل خالق باری" کے عنوان سے اس حصے کا تیسرا مضمون ہے۔ ابھی وہ دیباچے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ خالق باری کے ایک نو دریافت شدہ مخطوطے سے یہ انکشاف ہوا کہ واقعی اس تصنیف کا امیر خسرو سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ حافظ صاحب نے ایک اور دیباچہ، جو مقابلتہً مختصر ہے، اسپردِ قلم کیا اور اسے دیباچۂ دوم کا نام دیا۔ ان کی مرتبہ

---

[1] یہ مضمون حافظ صاحب نے ۱۶ر اپریل ۱۹۳۳ء کو شام کے ساڑھے سات بجے لاء کالج لاہور میں منعقد ہونے والے جلسے میں پڑھا تھا۔

"تحفۃ اللسان معروف بہ خالق باری" بسلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو ہند (نمبر ۲۱۳)، سنہ ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کے آغاز میں حافظ صاحب نے "عرض ضروری" کے طور پر کچھ سطور قلم بند کیں جن کا یہاں اندراج نامناسب نہ ہوگا:

"خالق باری کی یہ ایک قابل اعتماد اور منتقدانہ اشاعت ہے جو پہلی مرتبہ شائع ہوتی ہے۔ اشاعت ہذا صرف بعض قدیم اور معتبر نسخوں کی قرأت پر بنیاد پاتی ہے۔ اس کا متن اکثر و بیشتر انڈیا آفس کے ایک قدیم مخطوطے ۲۵۲ فہرست مخطوطات ہندوستانی کا مقلد ہے لیکن اصل مخطوطے کا رسم الخط میں نے زمانہ حال کے قاری کی سہولت کے واسطے ترک کر کے رائج الوقت املا میں بدل دیا ہے۔

اس مرتبے کے دو دیباچے ہیں۔ دیباچہ اوّل اس عالمگیر اعتقاد کی تردید ہے کہ 'خالق باری' حضرت امیر خسرو دہلوی کی تصنیف ہے۔ اس دیباچے میں راقم نے خالق باری کے متن پر کچھ اعتراض نیز بعض اہلِ قلم کے روایتی بیانات پر تنقید کی کوشش کی ہے۔ دیباچہ دوم انجمن ترقی اردو کے ایک مخطوطے نوشتہ سنہ ۱۱۸۷ھ کی سند پر ایک نہایت اہم انکشاف کا مظہر ہے کہ 'خالق باری' جس کا اصل نام 'حفظ اللسان' ہے۔ بابا اسحٰق قنادی (حلوائی) کی فرمائش پر کسی ضیاء الدین خسرو نے (بعہد جہانگیر) تصنیف کی ہے۔ سال تصنیف سنہ ۱۰۳۱ھ اس کے مادہ تاریخ 'نصیف آخر' سے برآمد ہوتا ہے۔ یہ اطلاع 'خالق باری' کے تعلق میں نہایت قیمتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بعد کے لوگوں کو غالباً بوجہ اشتراک اسمی یہ مغالطہ پیش آیا کہ وہ ضیاء الدین خسرو کو امیر خسرو دہلوی سمجھ بیٹھے چنانچہ بارھویں صدی ہجری میں یہ عقیدہ نہایت عام ہے۔ اس صدی کے مشاہیر فضلا میں سب سے مقدم خان آرزو ہیں جن کی تصنیف 'غرائب اللغات' میں اس غلطی کی سراغ رسانی کی جا سکتی ہے۔ الغرض بارھویں صدی ہجری سے اب تک یہ غیر موجہ بلکہ غلط عقیدہ عام طور پر ہمارے اذہان پر قبضہ پائے ہوتے ہے کہ 'خالق باری' کے مالک حضرت امیر خسرو دہلوی ہیں۔

آخر میں مجھے انجمن ترقی اردو کے قلمی نسخے کے واسطے ڈاکٹر مولانا عبد الحق، سیکرٹری انجمن اور نسخہ 'ؤ' کے واسطے جناب سید نجیب اشرف، پروفیسر اسمٰعیل کالج، اندھیری، بمبئی کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ ان دونوں نسخوں سے مقابلے کے کام میں مجھ کو بہت امداد ملی ہے۔

محمود شیرانی"

دیباچۂ اوّل اور دیباچۂ دوم کے بعد شیرانی صاحب کے مرتبہ خالق باری کے متن کو بھی زیرِ نظر جلد کے پہلے حصّے کے آخر میں جگہ دے دی گئی ہے۔

اس جلد کے دوسرے حصے میں عروض کے موضوع پر چار مضامین شامل ہیں۔ ان کو پڑھ کر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم کے یہ الفاظ یاد آجاتے ہیں کہ شیرانی صاحب کے "عروضی معلومات سے بھی میں بہت متاثر ہوا۔ وہ اس علم کے جزئیات سے پوری طرح واقفیت رکھتے تھے اور اس کے متعلق مجتہدانہ انداز سے گفتگو کر سکتے تھے۔ نئے نئے بحور کی تخلیق کا تصوّر ان کو تھا اور عروض خلیل سے باہر نکلنے کی سکت بھی ان میں معلوم ہوتی تھی"[1]

عروضی حصّے کا پہلا مضمون "رباعی کے اوزان یاد رکھنے کا ایک آسان طریقہ" دو قسطوں میں اورینٹل کالج میگزین میں چھپا تھا۔ دوسرے مضمون "عروض جدید" کا مسودہ حافظ صاحب کے کاغذات میں ملا۔ محبی پروفیسر محمد فضل الدین قریشی صاحب مرحوم نے اسے نقل کر کے اورینٹل کالج میگزین میں شائع کرا دیا۔ اس کے تعارف میں قریشی صاحب نے لکھا کہ:

"مضمون دراصل میرے سامنے اس وقت قلم بند ہوا تھا جب کہ مرحوم مجھے عروض پر درس دے رہے تھے"۔

میرے خیال میں قریشی صاحب کی یہ رائے کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیرانی صاحب علمِ عروض کے موضوع پر ایک جامع اور مجتہدانہ کتاب لکھنا چاہتے تھے۔ اس کام پر انہیں پروفیسر عبد الستار صدیقی مرحوم نے آمادہ کیا تھا جب وہ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ٹونک میں گوشہ نشین تھے۔ یہ مضمون دراصل اسی کتاب کا ایک خاکہ ہے جو مؤلف نے جون ۱۹۴۵ء میں صدیقی صاحب کو روانہ کیا تھا[2]۔ پھر دونوں کی اس موضوع پر خط و کتابت رہی۔ ۱۹۴۶ء کے اوائل تک یہ تیاری مکمل ہو چکی تھی لیکن فروری کے وسط میں حافظ صاحب وفات پا گئے اور یوں یہ منصوبہ تکمیل نہ پا سکا۔

اس حصّے کا تیسرا مضمون "زمیندار و معارف میں عروضی بحث" ایک مباحثے کے تناظر میں لکھا گیا تھا۔ فضل حق آزاد عظیم آبادی نے علامہ اقبال کی ایک غزل کے جواب میں غزل لکھی جو رسالہ "معارف" (بابت جولائی سنہ ۱۹۲۳ء)

---

[1] "مرحوم حافظ محمود خاں شیرانی" مطبوعہ "اورینٹل کالج میگزین" فروری ۱۹۴۷ء۔ [2] "مکاتیب حافظ محمود شیرانی" ص ۱۹۷، لاہور، ۱۹۸۱ء۔

میں شائع ہوئی۔ مولانا عبدالمجید سالک مرحوم نے اپنے کالم "افکار و حوادث" میں اس غزل کے مقطع کو عروضی اعتبار سے سقیم قرار دیا۔ اس پہ ایک ذکا ہیانہ بحث شروع ہوئی جس نے سنجیدہ صورت اس وقت اختیار کی جب مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے آزاد عظیم آبادی کی حمایت میں ایک مکتوب نما مضمون سپرد قلم کیا۔[1] سید صاحب کے مکتوب کے جواب میں شیرانی صاحب کا زیر نظر مضمون قلمی ہوا۔

شیرانی صاحب کے مضمون کے ساتھ ہی "زمیندار" میں اس بحث کا باب بند ہو گیا تاہم چند ماہ بعد سید معشوق حسین اطہر ہاپوڑی کا اسی سلسلے میں مضمون "معارف و زمیندار میں معارضۂ عروض" کے عنوان سے معارف کے "باب التقریظ والانتقاد" میں نمودار ہوا۔[2] اس کے تعارف میں سید سلیمان ندوی صاحب نے یہ الفاظ درج کئے:

"اگرچہ یہ بحث پرانی ہو گئی ہے تاہم یہ مضمون چونکہ نہایت پُر از معلومات ہے اس لئے ہم اس کا شائع کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔"

قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اطہر ہاپوڑی کے مضمون کے جواب میں شیرانی صاحب نے ایک مدلّل اور معلومات افزا مضمون لکھا جسے شائع کرانا انہوں نے بوجوہ مناسب نہ سمجھا۔ کچھ عرصے بعد جب اطہر صاحب نے پھر دعوت مبارزت دی تو اختر شیرانی مرحوم نے جوان دنوں لاہور سے رسالہ "انتخاب" نکالتے تھے، شیرانی صاحب کا جواب "ایک عروضی بحث" کے نام سے "باب الانتقاد والمناظرہ" کے ذیل میں چھاپ دیا۔[3] لیکن اس میں حافظ صاحب کی جگہ ان کے عزیز دوست پروفیسر سراج الدین آذر کا نام بطور مؤلف درج تھا۔ اس کی تعارفی سطور میں اختر صاحب نے لکھا:

"ذیل کا فاضلانہ مضمون ماہ مئی ۱۹۲۵ء میں پروفیسر سراج الدین صاحب آذر نے جناب اطہر ہاپوڑی کے مضمون ..... کے جواب میں تحریر فرمایا تھا لیکن چونکہ قبلہ والد ماجد نے اس بحث کا جاری رہنا مناسب نہ سمجھ کر انہیں اس کی اشاعت سے روک دیا تھا اس لئے یہ شاید کہیں نظر افروز نہ ہوتا مگر اب جب کہ ... جناب اطہر نے پھر اس بحث کو تازہ کرنے کی کوشش کی ہے اور جواب طلب فرمایا ہے اس لئے اس مضمون کو بغیر کسی تبدیلی کے بجنسہٖ شائع کیا جاتا ہے۔ اس میں ان کے تمام مطالب

---

[1] روزنامہ "زمیندار" بابت ۱۸ اکتوبر سنہ ۱۹۲۴ء۔ [2] "معارف" بابت اپریل سنہ ۱۹۲۵ء۔
[3] ماہنامہ "انتخاب" بابت جنوری سنہ ۱۹۲۶ء۔

کے جواب سے قطع نظر ضمناً بعض ایسے مفید عروضی و تاریخی نکات و مباحث بھی آگئے ہیں جن سے علم عروض و تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات بہت کچھ نئے معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ اختر مضمون کے اندازِ نگارش اور دلائل کی پیشکش سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ یہ حافظ صاحب کے قلم سے نکلا ہے البتہ اس میں جابجا جو تند و تیز زبان استعمال کی گئی ہے وہ یقیناً خود اختر صاحب کا اضافہ ہے اور غالباً یہی سبب ہے کہ اس پر بجائے حافظ صاحب کے پروفیسر آذر کا نام دیا گیا ہے۔

تیسرا حصہ جو علمِ مسکوکات سے تعلق رکھتا ہے چار عنوانات پر مشتمل ہے۔ اس کا پہلا مضمون "سکہ جات قدیمہ" اختر شیرانی کے زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ "خیالستان" سے حاصل ہوا ہے۔ یہ رواروی میں لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اختر صاحب کی منقولہ ذیل تعارفی سطور سے اس کا سبب بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"والد صاحب قبلہ کا یہ مضمون ہنوز تشنۂ تکمیل ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ ان کے مسودات سے 'چرایا' گیا ہے۔ 'چوری' کے جواز میں اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ ان کی غیر معمولی مصروفیتوں کے باعث کوئی نیا مضمون حاصل نہیں کیا جا سکا اور اس لئے جو کچھ ہاتھ لگا غنیمت سمجھا گیا۔ اختر"[1]

مضمون کے ذیلی عنوانات اختر صاحب کے مرہونِ منت معلوم ہوتے ہیں۔

دوسرے مضمون "پہلی صدی ہجری میں عرب عمال کے ایرانی مسکوکات" کے بارے میں خود حافظ صاحب کا بیان ہے کہ:

"سطور ذیل سے مقصد میرے مجموعہ مسکوکات سے ان سکوں کی فہرست ناظرین کی خدمت میں پیش کرنا ہے جو عمال عرب نے ایران میں جاری کئے۔"

مضمون سے بعض دلچسپ تاریخی معلومات حاصل ہوتی ہیں جو دراصل علم مسکوکات کا منتہائے مقصود ہے۔ تیسرا مضمون ادارۂ معارفِ اسلامیہ کے تحت منعقد ہونے والی مخطوطات و مسکوکات کی نمائش میں پیش کئے جانے والے سکوں کے تعارف پر مشتمل ہے۔ اس نمائش میں رکھے جانے والے پانچ ہزار مسکوکات میں سے بیشتر حافظ صاحب کے اپنے مجموعے سے تعلق رکھتے تھے۔ گو انہوں نے اپنی طبعی انکسار کے باعث اس حقیقت

---

[1] "خیالستان" بابت اپریل سنہ ۱۹۳۰ء۔

کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ مضمون میں مہیا کی جانے والی معلومات نہایت قیمتی ہیں۔ خصوصاً اس لئے کہ یہ موضوع اردو دان طبقے کے لئے اچھوتا تھا اور ہے۔

چوتھا اور آخری مضمون مشہور ماہر علم مسکوکات ایچ۔ نیلسن رائٹ کے نام انگریزی زبان میں ایک خط ہے۔ یہ دراصل سلاطینِ دہلی کے نظام وزن و پیمائش اور مسکوکات کے موضوع پر موصوف کی کتاب "کوائنز اینڈ میٹرولوجی آف دی سلطانز آف دہلی" پر ایک تبصرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ کتاب سنہ ۱۹۳۶ء میں انگلستان سے چھپوا کر حکومت ہند نے دہلی سے شائع کی تھی۔ حافظ صاحب کے اس خط کی ایک نقل جو نا تمام صورت میں انگریزی ٹائپ کے سات صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، مجھے ان کے کاغذات میں ملی۔ پورے خط کی نقل کے حصول میں کامیابی نہ ہو سکی۔ اس سلسلے میں برطانیہ کی رائل نیومزمیٹکس سوسائٹی سے بھی رابطہ قائم کیا گیا لیکن بے سود۔

نیلسن رائٹ اس خط سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنی بعض دوسری کتابیں برائے تبصرہ حافظ صاحب کو روانہ کیں۔ ان میں سے ایک کتاب جو سلاطینِ مالوہ کے مسکوکات کے موضوع پر ہے، میرے پاس اب بھی محفوظ ہے۔ اس پر مؤلف نے یہ الفاظ اپنے قلم سے لکھے ہیں:

"H. M. Shairani—with author's Compliments.

August 1936
H. Nelson Wright"

ملحوظ رہے کہ حافظ صاحب کے خط پر دس جولائی سنہ ۱۹۳۷ء کی تاریخ درج ہے۔ خط سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ اس وقت تک حافظ صاحب کو نیلسن رائٹ سے کوئی تعارف حاصل نہ تھا۔ اب یہ امر بعید از فہم ہے کہ زیر نظر خط جولائی ۱۹۳۷ء میں لکھا گیا اور مسٹر رائٹ نے اگست ۱۹۳۶ء میں اپنی تصنیفات انہیں پیش کر دی ہوں۔ اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ٹائپ کی غلطی سے خط کے آغاز میں سال تحریر ۱۹۳۶ء کے بجائے ۱۹۳۷ء درج ہو گیا ہو گا۔

حصّہ اول

کُتبِ نصاب

بچّوں کے تعلیمی نصاب

(از روئداد ادارۂ معارف اسلامیہ، اجلاس اوّل منعقدہ لاہور ، اپریل سنہ ۱۹۳۳ء)

بچّوں کی تعلیم ہر زمانے میں ایک عقدہ رہا ہے اور مشرق و مغرب نے اس کے مختلف حل تلاش کئے ہیں۔ موجودہ یورپ کی کوشش زیادہ تر اس پہلو پر ہے کہ بچّوں کی توجہ تعلیم کی طرف جلب کی جائے۔ اس غرض سے تصاویر سے کام لینے کے علاوہ ایسے علمی کھیل بھی ایجاد کئے ہیں، جو ان کی توجہ کے ساتھ ان کے تخیّل کو بھی بیدار کرتے ہیں۔ ہمارے اسلاف نے اس مقصد کے لئے اور راستہ اختیار کیا تھا۔ وہ اس راز سے واقف تھے کہ بچّوں کا حافظہ نہایت تیز ہوتا ہے اور وہ نثر کے مقابلے میں نظم سے زیادہ انس رکھتے ہیں، جو آسانی سے یاد بھی ہو جاتی ہے۔ اس لئے انہوں نے ان کی قوّتِ حافظہ سے کام لینے کے لئے نظم سے زیادہ امداد لی اور منظوم نصاب تیار کرنے شروع کر دیئے۔ ابو نصر فراہی، جو فارسی منظوم نصابوں کے ابو البشر مانے جا سکتے ہیں، کہتے ہیں:

"خوش آمدن شعر مر طبعہائی موزون را عزیزی است" (دیباچۂ نصاب الصبیان)

یہی خیال ایک اور بزرگ مولانا صدر الدین بن بدر الدین اپنی تالیف "قنیۃ الفتیان" میں ظاہر کرتے ہیں:

زانکہ آسانست حفظ شعر بر دلہا کہ ہست

طبع خاص و عام را رغبت باو در ہر مکان

اس کا ایک اثر تو یہ ہوا کہ بچے اپنا سبق ذوق و شوق کے ساتھ سیکھنے لگے۔ دوسرے شروع ہی سے ان میں شعر کا شوق پیدا ہو گیا۔ ان ایام میں مطابع موجود نہیں تھے، کتابیں ضرورت سے بہت کم ملتی

تھیں، کاغذ مہنگا تھا، کاتب اُجرت زیادہ لیتے تھے۔ ہر شخص اتنا دولت مند نہ تھا کہ یہ تمام اخراجات برداشت کرسکے۔ بچے کتابیں پھاڑنے اور ان کا ستیاناس کرنے میں مشہور ہیں۔ اس صورتِ حالات میں یہی مناسب تھا کہ بچوں کے حافظے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ نہ ان ایام میں وقت کی پابندی اور کلاس چڑھائے جانے کا غم تھا، نہ ملازمت کے لئے عمر کی قید تھی۔ ان کو صرف پروا تھی تو یہ تھی کہ جو کام ہو اچھا ہو اور کتاب، جو پڑھی جائے، ازبر ہو۔ ٹھوس قابلیت بڑھے اور رسمی تعلیم نہ ہو۔

قصہ مختصر اس ضرورت کی بنا پر اب سے صدہا سال پیشتر بچوں کے نصاب کا ایک طریقہ معلوم کرلیا گیا اور نصاب کی کتابیں لکھی جانے لگیں۔ نصابی طرز کا لٹریچر عربی سے شروع ہوتا ہے اور فارسی نے تقلیداً اس سے کام لینا شروع کیا ہے۔ عربی کتب نصاب سے ہم یہاں کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتے۔ فارسی نصاب کو البتہ ضرورتاً تاریخی دلچسپی کے خیال سے اس مضمون میں شامل کرلیا گیا ہے، کیونکہ اوّل تو ہندوستان میں ان نصابوں کا بےحد رواج رہا ہے، دوسرے فارسی نصاب ہی دراصل ہماری ملکی زبانوں کے نصاب کی ترویج کے محرک ہیں۔ ہمارا مقصد دراصل ہماری اپنی زبان یعنی اردو کی کتب نصاب کا استقصا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً نصابوں کی تحریک ہندوستان میں زبانوں کے لحاظ سے مقامی ہے اور ہر صوبے میں یہ نصاب صوبے کی زبان میں تیار ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً پنجاب میں بزبان پنجابی تیار کئے گئے، گجرات میں بزبان گوجری، بھاشا میں بھی تیار ہوئے، دکن میں بزبان دکنی لکھے گئے، پشتو اور کشمیری زبانوں میں بھی موجود ہیں اور تلنگی میں بھی ان کا سراغ چلتا ہے۔ ہندوستان میں غزنویوں کے زمانہ سے لے کر مغلوں کے آخر عہد تک فارسی زبان کا دور دورہ رہا ہے۔ غزنویوں اور غلاموں کے دور کو خارج کرکے کہا جاسکتا ہے کہ فارسی ہر زمانے میں اس ملک کی اکتسابی زبان رہی ہے۔ ہمیں تحقیقاً معلوم نہیں ہے کہ مغلوں کے عہد سے پیشتر فارسی کی تحصیل کے لئے اس ملک میں کوئی مقامی زبان استعمال میں لائی جاتی ہے یا نہیں، البتہ کتب لغات سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ ان ایام کے فرہنگ نگار اپنی تالیفات میں بعض بعض الفاظ کی تشریح میں ایک ہندی زبان کے الفاظ دیتے ہیں۔ اور چونکہ ان الفاظ کا اکثر ذخیرہ آج اردو زبان میں شامل ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے

کہ یہ الفاظ پرانی اردو سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن ان فرہنگوں کی تشریحی زبان، جس طرح کہ ان شروح کی جو ہندوستان میں تالیف ہوتی ہیں، فارسی زبان ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک میں فارسی کو فارسی ہی کے ذریعہ سے سیکھا جاتا تھا۔ مگر ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ایک زمانہ وہ بھی ہوتا ہے جب بچہ فارسی مطلق نہیں جانتا اور معلم کے لئے ضروری ہے کہ بچے کو اسی زبان میں تعلیم دے جو اس نے اپنی ماں کی گود میں سیکھی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے دیسی زبان کا ابتدا ہی سے ذریعۂ تعلیم بن جانا بہت ممکن ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قدیم نصابی کتابیں سب کی سب فارسی میں ہیں۔ کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ جس طرح کلام مجید تبرکاً بچوں کو معنے سمجھانے کی کوشش کئے بغیر ناظرہ پڑھا دیا جاتا ہے، اسی طرح فارسی بھی ابتدا سے شروع کرا دی جاتی تھی۔ نہیں یہ صورتِ حالات نہ تھی۔ ہندی زبان سے ضرور امداد لی جاتی رہی ہے اور بچوں کو فارسی سمجھانے کا اسے ذریعہ بنایا گیا ہے۔ اگرچہ اس کے تحریری نمونے موجود نہیں ہیں اور نہ ایسا ذولسانی ادب ملتا ہے۔ اس سے یہی قیاس لگایا جا سکتا ہے کہ ان ایام میں ایسا لٹریچر تیار کرنے کا دستور نہیں تھا۔ اور یہ امر تو صاف واضح ہے کہ ترقی یافتہ طلبا کے واسطے خود فارسی ذریعۂ تعلیم رہی ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عہد ماقبل مغل میں ہمارے ملک میں ایسی تالیفات وجود میں آئی ہیں۔ جن کا تعلق مذہب و ادبیات۔ لغات و تاریخ۔ تصوف و نجوم۔ طب و موسیقی اور دوسرے فنون سے ہے اور یہ سب کی سب فارسی زبان میں ہیں۔ نصاب کی کتب سے اصل مقصد بچوں کو لغات عربی کی تعلیم تھی۔ پرانے نصاب سب کے سب فارسی میں ہیں، خواہ وہ ہندوستان کی تالیف ہیں یا بیرونِ ہند کی۔ ہندوستان میں جب تک عربی کی تحصیل مطمح نظر رہی، یہ نصاب درس میں جاری رہے۔ لیکن مغلوں کے عہد میں عربی کی بجائے فارسی کی تحصیل اصل مقصد قرار پائی۔ آخر وہ زمانہ آیا کہ اس جدید انقلاب کے مدِنظر نئے نصاب دیسی زبانوں میں تیار ہونے لگے۔ اور یہی وہ زمانہ ہے۔ جب اس سلسلے میں معلمین و متعلمین کی توجہ دیسی زبانوں کی طرف منعطف ہونے لگی ہے۔ یہ تبدیلی جس قدر اہم اور انقلاب خیز ہے اسی قدر ہم اس کی سرگذشت اور تاریخ سے ناواقف ہیں۔ ہمیں یہ صحیح معلوم نہیں کہ تعلیمات میں دیسی زبانوں کا داخلہ کس عہد سے شروع ہوتا ہے اور وہ کیا وجوہ تھے، جن کے زیرِ اثر یہ تحریک پروان چڑھی۔ سطور ذیل میں ان

نصابی کتابوں کے مطالعہ سے ہمارا مقصد یہی ہے۔ کہ اس عہد کا پتہ لگایا جائے، جب یہ انقلاب رونما ہوتا ہے۔ اسی لئے میں نے اس فہرست میں اردو کے علاوہ پنجابی زبان کے نصاب کو بھی شامل کر لیا ہے تاکہ ہمیں اس خاص زمانے کا پتہ لگانے میں سہولت رہے، جب سے یہ سلسلۂ نصاب دیسی زبانوں میں جاری ہونے لگا۔

میرا یہ خیال غالباً بے بنیاد نہیں ہے کہ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں نصاب مرتب کئے جانے کی تحریک بیک وقت جاری ہوئی ہے۔ چالیس پچاس سال کا تقدم و تاخر چنداں قابل لحاظ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ یہ تحریک اولاً کسی ایک زبان میں شروع ہوئی ہے اور تقلیداً دوسری زبانوں نے بھی اسے اختیار کر لیا ہے۔

نویں صدی ہجری فارسی کے لئے ہندوستان میں ایک نامبارک زمانہ ہے۔ اس صدی میں ہمیں کوئی بڑا شاعر نظر نہیں آتا۔ دہلی میں قاضی ظہیر کے بعد، جو محمود تغلق کا مداح ہے، ہمیں کسی اور شاعر کا نام معلوم نہیں۔ اس صدی میں ہمارے ملک میں دیسی زبانوں میں شعر و موسیقی کی تحریک شروع ہوتی ہے ہندی گو شاعر پیدا ہونے لگتے ہیں۔ کبیر اسی صدی کی پیداوار ہے۔ آئندہ صدی میں بیسیوں ہندی گو شعرا کے نام ملتے ہیں اور دیسی زبانوں کی طرف عام رجحان پایا جاتا ہے۔ اس یعنی دسویں صدی ہجری کے منتصف دوم میں فارسی کا دور احیا آتا ہے۔ اکبر کی تعلیمی اسکیم سے فارسی کو فروغ ملتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی صدی ہے جس میں ہندی زبانوں کے نصاب بغرض تحصیل فارسی تیار ہونے لگتے ہیں۔

ہندوستان میں نصاب کا رواج توران و ایران سے آیا ہے، جہاں وہ عربی زبان کی تحصیل کی غرض سے تیار کئے جاتے تھے۔ یہ امر یقینی ہے کہ ابتدا میں وہ نثر میں تھے، لیکن ان نثری نمونوں کا آج پتہ لگانا بہت دشوار ہے، تاہم اگر تلاش کی جائے تو ایسی تالیفات کا دستیاب ہونا کوئی بعید نہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پیشتر میں ایک قدیم رسالے کا ذکر کرتا ہوں جس کا نام "منطق" ہے۔ یہاں 'منطق' سے مراد بول چال ہے۔ رسالہ ہذا در حقیقت عربی بول چال کی تعلیم کی غرض سے جلال الدین شمس المعالی سلطان شاہ ابوالقاسم محمود بن ایل ارسلان بن اتسز خوارزم شاہ کے واسطے لکھا گیا ہے۔ سلطان شاہ سنہ ۵۶۸ھ میں تخت نشین

ہوتا ہے اور یہ رسالہ یقیناً اُس سال سے پیشتر سلطان شاہ کی شہزادگی کے زمانے میں لکھا گیا ہوگا۔ اس کے کل پانچ باب ہیں، بہ تفصیل ذیل :

باب اول در امر و نہی، باب دوم در خبر پرسیدن و جواب دادن، باب سوم در پرسیدن حال، باب چہارم در پرسیدن زمان و حال، باب پنجم در دعوات و احادیث و حکم و مواعظ و امثال آن دیگر سخنہا۔

یہ رسالہ مبتدیوں کو عربی بول چال سکھانے کی غرض سے لکھا گیا ہے۔ آسان اور چھوٹے چھوٹے جملے درج ہیں اور اس لحاظ سے اس کا شمار کامیاب رسالوں میں ہو سکتا ہے۔ بدقسمتی سے ہم مصنف کے نام سے واقف نہیں حمد و نعت کے بعد دیباچے میں مرقوم ہے :

"این کتابیست کہ آنرا منطق خوانند، ساختہ شد و پرداختہ آمد بر سبیل ایجاز و اختصار از جہت بندگان و خدمتگاران مجلس خداوندزادۂ مکرم و معظم عالم و عادل مؤید مظفر منصور جلال الدنیا والدین "تاج الاسلام والمسلمین علاء الملوک والسلاطین قطب الدولہ و مجد الملہ بہاء الامتہ عمدۃ الخلافتہ ناصر الملک سید ملوک الشرق والمغرب شمس المعالی سلطان شاہ ابوالقاسم محمود بن خوارزم شاہ ایل ارسلان بن خوارزم شاہ اتسز اعز اللہ انصارہ و ضاعف اقتدارہ و امید با الطاف کرم و اصناف نعم ایزد عزّ و علا آنست کہ این کتاب در محل قبول افتد و از قبال نظر مبارک بہرہ یابد و این کتاب بر پنج باب نہادہ شد۔"

اسی طرح ایک اور رسالہ "کتاب اسامی" ہے، جس کی تاریخ تالیف و نام مؤلف کا ہمیں علم نہیں لیکن اس کی قدامت میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے ابواب مضامین کے لحاظ سے مرتب ہیں، جیسا کہ ہمارے ہاں کتب فقہ و حدیث کا دستور تھا۔ ہر باب کے ذیل میں اس کے مناسب مضمون الفاظ بغیر کسی قسم کی ابجدی یا ابتثی ترتیب کے درج ہیں۔ کل تیرہ باب ہیں جو کئی کئی فصلوں پر منقسم ہیں۔ سرخیوں کی زبان حسب دستور قدیم عربی ہے مثلاً باب اول فی اسماء اللہ تعالیٰ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ۔ (اس میں چھوٹی چھوٹی بارہ فصلیں ہیں)۔

الباب الثانی فی ذکر الآلات وغیرہا فی الصناعات والادوات (چودہ فصلوں میں)

الباب الثالث فی ذکر الاشیاء (دو فصلوں میں)

الباب الرابع فی ذکر القرابتہ (پانچ فصلوں میں)۔

الباب الخامس فی ذکر الاطعمہ وغیرھا (تین فصلوں میں)۔

الباب السادس فی ذکر الامتعہ۔

الباب السابع فی ذکر الادوات الداء والالم۔

الباب الثامن فی ذکر الفیل (تین فصلوں میں)۔

الباب التاسع فی ذکر البھائم (چار فصلوں میں)۔

الباب العاشر فی ذکر السباع (چھ فصلوں میں)۔

الباب الحادی العشر فی ذکر الاوزان والاعداد (تین فصلوں میں)۔

الباب الاثنا عشر فی ذکر الھواء والریاح (نو فصلوں میں)۔

الباب الثالث عشر فی ذکر النبات (تیرہ فصلوں میں)۔

رسالے کے کل چالیس صفحات اور فی صفحہ چودہ سطور چھوٹی تقطیع پر ہیں۔ مضامین کی ترتیب اور زبان کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ یہ رسالہ مذکورہ بالا رسالہ سے کم قدیم نہیں، بلکہ کوئی تعجب نہیں اگر اس سے بھی زیادہ قدیم ہو۔ مثلاً مسجد کا فارسی ترجمہ مزگیت، مقدم الجیش کا پیش آہنگ، طلیعہ کا دیدبان، الثغرہ کا دربند میان کفر و اسلام کیا ہے۔ منجنیق و عرّادہ کے معنی نہیں دیئے ہیں، معروف کہہ کر چھوڑ دیا ہے۔ خبّاز کا نانوا، اکّار کا برزگر، فصّاد کا رگ زن، سجّان کا زندان بان، فلاخن کا کلاسنگ، کنّاس کا خلاروب اور برید کا پیک ترجمہ دیا ہے۔ آثم کا فارسی مترادف بزہ کار، المفادہ کا دوغوا (دوغبا)، رد امیر کا ریچار ہا (آچار ہا) ہے۔

ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوگا اگر یہ رسالہ چھٹی صدی میں یا اس سے قبل تالیف ہوا ہو۔ اسامی نام کے ایک سے زیادہ رسالے ہیں۔ ان میں زیادہ مشہور "تاج الاسامی" ہے۔ اس کا ذکر "شرف نامۂ احمد منیری" تالیف سنہ ۸۷۷ھ میں آتا ہے۔ "تاج الاسامی" اس وقت بھی موجود ہے اور ہمارے رسالے "کتاب اسامی" سے بالکل مختلف ہے۔ "فرہنگ بحر الفضائل" تالیف سنہ ۸۳۸ھ میں ایک تالیف "اسامی فی الاسامی"

کا ذکر ہے۔ فرہنگ "دُر دری" میں "شرح اسامی فی الاسامی" ایک اور تالیف کا ذکر ہے۔ لیکن ان تالیفات کا ہمارے رسالے سے کوئی تعلق نہیں۔

ان دو نصابوں سے ظاہر ہے کہ اولاً یہ نصاب منثور ہوتے تھے، بعد میں منظوم لکھے جانے لگے۔ منثور نصابوں میں ایک نصاب ایسا بھی معلوم ہے، جو ہندوستان میں تالیف ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ نصابی حجم سے بڑا ہے لیکن بغرض نصاب تیار کیا گیا ہے۔ اس تالیف کا نام "وضوح النصابین" ہے۔ اور شیخ نجم بن مولانا کلاں کی یادگار ہے اور چار نصابوں پر، جن کے اسماء سے ہم ناواقف ہیں، مبنی ہے چونکہ اس کی ترتیب ابتثی ہے، اس سے خیال گذرتا ہے کہ وہ آٹھویں یا نویں صدی ہجری کی تالیف ہے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان نصابوں کے متعلق اپنے تبصرہ کو زبان وار علیحدہ علیحدہ سرخیوں میں پیش کریں۔

فارسی نصاب

اس عنوان کے تحت میں تمام فارسی نصاب، جن تک میری رسائی ہوئی ہے، داخل کر دیئے گئے ہیں منظوم تالیفات میں قدیم وہی ہیں جو قطعات کی ترتیب میں منقسم ہیں۔ ان میں "نصاب الصبیان" کا نمبر سب سے پہلا ہے، جو سنہ ۶۱۷ھ میں تالیف ہوئی ہے۔ "نصاب الصبیان" کو فارسی نصابوں سے وہی تعلق ہے، جو حضرت آدمؑ کو بنی نوع انسان سے ہے۔ یہ کتاب اپنے زمانۂ تصنیف سے لے کر چند سال قبل تک درس میں داخل رہی ہے اور ایسی مبارک ساعت میں تصنیف ہوئی ہے، کہ گذشتہ سات صدیوں میں ہر نو آموز کو اس سے سابقہ رہا ہے اور شیخ سعدی کی طرح اس کے مصنف ابو الفراہی کا نام ہر مدرسہ اور مکتب میں گونجتا رہا ہے۔ مقبولیت کے لحاظ سے اس کتاب کا نام "گلستان سعدی" کے ساتھ لیا جا سکتا ہے بلکہ تقدم کے لحاظ سے "گلستان" سے بھی اوّل ہے اور یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے کہ "گلستان" زیادہ مقبول رہی ہے یا "نصاب الصبیان"۔ ایک امر بالکل واضح ہے کہ اس کے شارحین اور حواشی نگاروں کی تعداد "گلستان" کے شارحین سے بہت زیادہ ہے۔ توران، ایران، افغانستان، روم اور ہندوستان میں ہر زمانے میں داخل

درس رہی ہے۔ طلبہ اس کو زبانی حفظ کیا کرتے تھے۔ عہدِ عالمگیر کے مشہور ادیب و مترال نعمت خان عالی نے اپنی تالیف "وقائع حیدر آباد" کے اوراق میں اس کے اشعار اور مصرعوں کی تضمین سے "نصاب الصبیان" کی شہرت میں اور بھی چار چاند لگا دیئے ہیں۔ مصنف کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض ابو نصر محمد بدرالدین بیان کرتے ہیں، بعض ابونصر فراہی مسعود بن حسن بن حسین الادبی بتاتے ہیں۔ (بودلی نمبر ۱۶۲۳، ک ۹۹) بعض نسخوں میں ابونصر مسعود بن ابی بکر بن حسین بن جعفر الفراہی درج ہے۔ مثلاً حاجی خلیفہ ششم، صفحہ ۳۴۶، نمبر ۱۳۸۰۱) دوم اور فلیوگل اول، صفحہ ۱۱۲ کے ہاں۔ اور یہی نام زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اکثر نسخوں میں یہی نام ملتا ہے۔ مثلاً ریو (۲، صفحہ ۵۰۴)۔ بلاخمین اور فلیشر وغیرہ کے ہاں۔ اختصار کے لئے ابونصر فراہی کہا جاتا ہے اور یہی نام خود مصنّف نے اپنے نصاب میں استعمال کیا ہے۔

ع ہمی گوید ابونصر فراہی

جب سے ہمارا مشرقی نظام تعلیم درہم برہم ہوا ہے اور درس نظامیہ میں زوال آیا ہے، نصاب الصبیان کی شہرت کا چاند گہنانے لگا ہے۔ لیکن عروضی اوزان کے لحاظ سے مختلف بحروں میں اس کے قطعات، الفاظ و دیگر معلومات عامہ کا انتخاب، زبان کی سکی و روانی اور نظم کی چستی و صفائی، اس کے ایسے صاف و صریح اوصاف ہیں، جن کی بنا پر یہ تالیف ہر عہد میں محبوب رہی ہے۔ اس کی تقلید میں سینکڑوں نصاب تیار کئے گئے، متعدد شرحیں لکھی گئیں، جن میں سے بعض کے نام ذیل میں درج ہیں:۔

(۱) شرح نصاب الصبیان از نظام بن کمال بن جمال بن حسام هروی معروف به ابن حسام سنہ ۷۹۰ھ۔

(۲) شرح نصاب الصبیان از علی بن عمر بن علی النجّار۔

(۳) ایضاً از محمد بن جلال بن سلیمان قہستانی۔

(۴) ایضاً از محمد بن نصیح بن محمد عرف کریم دشت بیاضی قہستانی جو اکبر کے عہد کا مؤلف ہے۔

(۵) شرح نصاب از محمد سعد۔ (پرش، فہرست برلن، صفحہ ۲۱۶، نمبر ۱)۔

(۶) شرح نصاب الصبیان از یوسف بن مانی (بلاخمین۔ لغات) ان کے سوا دو اور شرحیں ہیں،

جن کے مصنّفین کے نام دریافت نہ ہوسکے۔ (دیکھو فہرست بودلی) یہ فہرست ابھی ناتمام ہے۔ مزید تلاش سے اور شرمیں منظرِ عام پر آئیں گی۔ نصاب کی وجہ تسمیہ میں کہا جاسکتا ہے کہ شرعی اعتبار سے دوسو درہم وہ رقم ہے جس پر زکواۃ لازم آتی ہے اور اس رقم کا مالک صاحب نصاب کہلاتا ہے۔ چونکہ "نصاب الصبیان" کے اشعار کی تعداد بھی دوسو اشعار ہے، اس لئے مصنف نے اس کا نام "نصاب الصبیان" رکھ دیا۔

نصاب کے علاوہ ابونصر فراہی نے شیبانی کی "جامع الصغیر" کو نظم کا جامہ پہنایا ہے۔ بہرحال "نصاب الصبیان" کا بعد کے نصابی ادب پر بے حد اثر ہے۔ اس کو ام النصاب کہنا بے جا نہ ہوگا۔ نہ صرف فارسی نصاب اس کے ممنون احسان ہیں، بلکہ دوسری زبانون کے نصابوں پر بھی اس کا پرتو نمایاں ہے۔ میں صرف ناموں کی ہم آہنگی کو لیتا ہوں مثلاً قنیۃ الصبیان، منطق الصبیان، ذوق الصبیان، مطبوع الصبیان، زینۃ الصبیان، نصاب الاخوان، نسب صبیان، فرح صبیان۔

"نصاب الصبیان" کے بعد بلحاظ زمانہ امیر خسرو کے "بدیع النصاب" کا ذکر آنا چاہئے۔ کم از کم ہندوستان میں اس کا بہت چرچا رہا ہے اور متعدد بار چھپ بھی چکا ہے۔ نصاب "نصیب اخوان" از مطہر سنہ ۷۰۶ھ کی تالیف ہے۔ اس کے بعد نصاب "عقود الجواھر" کا نمبر ہے جو روم میں مرزا الغ بیگ چلپی بن سلطان محمد (سنہ ۸۰۵ و ۸۲۴ھ) کے واسطے لکھا جاتا ہے اور اکاون قطعات پر شامل ہے۔ اس کی ایک دوسری اشاعت بھی ہے جس میں ستاون قطعات ہیں اور سلطان مراد (سنہ ۸۲۴ و ۸۵۵ھ) کے نام پر معنون ہے۔ "عقود الجواھر" کا جو نسخہ میرے پاس ہے، اس میں ایک مختصر دیباچہ فارسی نثر میں ہے۔ اس میں محمد منیف مصنف رسالہ کہتے ہیں کہ یہ مختصر تالیف، جو استاد رشید الدین وطواط کی طرف منسوب ہے نثر میں تھی۔ میں نے اس کو نظم کا جامہ پہنا دیا ہے اور اکاون قطعات میں تقسیم کر دیا ہے۔

"قنیۃ الفتیان" مولٰنا صدر الدین بدر الدین کی تصنیف ہے۔ اگرچہ ہم اس کے عہدِ تالیف سے واقف نہیں، لیکن قدیم معلوم ہوتی ہے اور کوئی تعجب نہیں اگر ہندوستان میں لکھی گئی ہو۔ "وضوح النصابین" ایک منثور تالیف ہے، ہندوستان میں لکھی جاتی ہے۔ جس میں چار نصابوں

کے الفاظ جمع کر دیے گئے ہیں۔ غالباً آٹھویں یا نویں صدی سے علاقہ رکھتی ہے۔

اب "نصاب بدیعی" اور "تجنیس اللغات" مولینا جامی کی باری آتی ہے۔ نصاب بدیعی کے مصنف اور زمانہ سے ہم بالکل بے خبر ہیں، لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ نصاب بدیعی کو عام طور پر، ہمارے ہاں، امیر خسرو کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، جس کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک مولینا بدیعی اس کے مصنف ہیں، جیسا کہ رسالہ کے آخری شعر سے، جس میں بدیعی تخلص درج ہے، ثابت ہے۔ متاخرین میں ایک نصاب انشاء اللہ خاں انشا سے بھی تعلق رکھتا ہے۔

یہ نصاب اس کثرت سے لکھے گئے ہیں کہ ان سے کوئی صدی خالی نظر نہیں آتی۔ وہ کسی خاص ملک کی پیداوار نہیں بلکہ مختلف ممالک میں لکھے گئے ہیں یعنی توران، ایران، روم، ہندوستان اور افغانستان۔ یہ امر درحقیقت ان ایام میں فارسی زبان کی ہردلعزیزی اور مسلمان اقوام میں اس کی مقبولیت نیز فارسی داں ممالک میں زندہ تعلقات و روابط کا افسانہ خواں ہے کہ ایک نصاب ایک ملک میں تیار ہوتا ہے اور دوسرے ملک میں رواج پا جاتا ہے، مثلاً "عقود الجواہر" لکھا روم میں جاتا ہے مگر ہندوستان کے مکتبوں میں بھی بچے اس کو پڑھتے ہیں۔

فارسی نصاب سے ابتدائی مقصد یہ تھا کہ بچوں کو عربی الفاظ سے اس قدر آشنائی پیدا کرا دی جائے کہ فوقانی تعلیم میں اس سے امداد مل سکے۔ لیکن یہ مقصد اپنی منازل ارتقاء میں زمانہ گذرنے پر بہت وسیع ہوتا گیا اور ایسے ایسے نصاب تیار کئے گئے ہیں جو منتہی طلبا کے واسطے زیادہ مفید ہیں۔ ہماری طبائع صنائع و بدائع کی قدرتاً نہایت دلدادہ ہیں۔ الفاظ کی مرصّع کاری ہمارے اسلاف کا خوش ترین مشغلہ تھا، خصوصاً صنعت قلب و تجنیس پر ہر شاعر و ناثر کی نگاہ رہی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے متعدد نصاب، جو مثلث کی ذیل میں شمار ہوتے ہیں، بنائے گئے ہیں مثلاً نصاب "قنیۃ الفتیان" جس میں الفاظ مقلوب و متجانس جمع کئے گئے ہیں۔ "تجنیس اللغات" یا "نصاب ضیائی" از جامی "تجنیس اللغات" جو جامی کی تصنیف سے علیحدہ ہے، "نصاب مقلوب" از انشا، مشتے نمونۂ خروارے کا حکم رکھتے ہیں۔ "نصاب بدیعی" اور مثلث برای محمد ختلانی میں ہم شکل سہ حرفی الفاظ جمع ہیں، جن کا پہلا حرف بہر سہ حرکات آتا ہے۔

مثلاً شَرب۔ شِرب۔ شُرب، حَب۔ حِب۔ حُب وغیرہ ۔"بدیع النصاب" میں خسرو نے ایسے الفاظ کو لیا ہے، جو اکثر اقسام تجنیس پر حاوی ہیں۔ بعض نصاب ایسے ہیں جن میں الفاظ مترادف کا لحاظ رکھا گیا ہے، مثلاً "نصف النصاب" "نصاب میراب"۔ "نصاب کمال الدین" میں مترادف واضداد اور "نصاب ایازالدین" میں فارسی مرادفات درج ہیں۔ "نصاب حسنیٰ" میں صنعت اشتقاق و تجنیس پر زور دیا گیا ہے۔ "منطق الصبیان" کا موضوع عربی افعال وامر ونہی ہیں۔ "شاہ نظم" ایک نہایت مفید رسالہ ہے۔ جو شاہ عالم اوّل کے عہد میں لکھا جاتا ہے۔ اس میں ان اغلاط مشہورہ کو لیا گیا ہے، جو اہل علم لغات کے سلسلے میں کرتے ہیں۔ نصابی مؤلفات میں سب سے ضخیم حافظ احسن اللہ لاہوری کی تصنیف "مفتاح الافواہ" ہے جو سنہ ۱۱۹۶ھ میں لکھی جاتی ہے۔ اس میں سترہ ہزار کے قریب اشعار ہیں۔

ہمیں حیرت ہوا کرتی تھی کہ نثر نگاری کے میدان میں وصاف و مہدی علی خان جیسے مقفیٰ و متجانس نگار کیونکر پیدا ہو گئے۔ لیکن جب ہم اس ذخیرۂ ادب پر نگاہ ڈالتے ہیں، جو نصاب کے نام سے ہماری درس گاہوں میں جاری تھا اور اس کے طریق کار کو پیشِ نظر رکھتے ہیں، تو یہ تمام تعجب رفع ہو جاتا ہے اور سمجھ میں آجاتا ہے کہ اس ذخیرہ کی موجودگی میں' وصاف اور مہدی علی خان کیا، ایسے اور درجنوں زبان دان اور اہل قلم پیدا ہو سکتے ہیں۔

اردو نصاب

اردو میں نصابوں کی افراط اس قدر نہیں ہے، جتنی فارسی میں نظر آتی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو فارسی کی بین الاقوامی حیثیت ہے، جس کی بنا پر وہ ایران و ترکستان و روم و ہندوستان میں تحصیل کی جاتی تھی۔ دوسرے ہمیں وقت کو بھی لحاظ میں لانا ہو گا۔ فارسی میں نصابی سلسلہ تقریباً سات آٹھ سو سال سے جاری ہے، بحالیکہ اردو میں اس کو رواج عام میں آئے تین ساڑھے تین سو سال گذرے ہیں۔ بالفاظ دیگر اردو میں نصاب کا سلسلہ غالباً دسویں صدی ہجری سے شروع ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر حکیم یوسفی کے "قصیدہ در لغات ہندی" کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یوسفی دسویں صدی ہجری

کے منتصف اوّل کے بزرگ ہیں۔ ہرات کے رہنے والے اور ہندوستان میں تازہ وارد ہیں۔ ان کا اکثر زمانۂ عمر تصنیف و تالیف میں بسر ہوا ہے۔ ان کے والد محمد بن یوسف مشہور طبی فرہنگ "بحر الجواہر" کے مصنف ہیں۔ حکیم صاحب نے بھی آبائی پیشے کو اپنا خاص میدان بنایا۔ ان کی تالیفات میں "ریاض الادویہ" (سنہ ۹۴۶ھ) بہت مشہور ہے اور متعدد مرتبہ چھپ چکی ہے۔ "رسالۂ ماکول و مشروب" سنہ ۹۰۶ھ میں "فوائد الاخیار" سنہ ۹۱۳ھ میں "جامع الفوائد" سنہ ۹۱۷ھ میں "دلائل نبض و رسالہ قارورۃ" سنہ ۹۴۲ھ میں اور "ستہ ضروریہ" سنہ ۹۴۴ھ میں تالیف ہوئے۔ فن انشا میں ان کی "انشائے یوسفی" معروف ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ابھی حکیم صاحب کی فہرست مولفات ناتمام ہے تلاش سے اور چیزیں معلوم ہوں گی۔

معلوم ہوتا ہے، حکیم صاحب نے ہماری ملکی زبان، اردو میں، خاص طور پر، دلچسپی لی ہے اور کوشش کرکے اس کو سیکھا ہے۔ اگرچہ مخصوص ہندی اصوات پر وہ کبھی قادر نہ ہو سکے، تاہم اردو پر ان کو ماہرانہ عبور ہے۔ اس کا ثبوت ان کی طبی تالیف "ریاض الادویہ" سے ملتا ہے۔ جس میں ہر حیوان اور دوا کا ہندی مرادف اردو میں دیتے ہیں۔

"قصیدہ در لغات ہندی" ایک دل چسپ نظم ہے اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے، اس میں فارسی الفاظ کے ہندی مرادفات دیئے گئے ہیں۔ اشعار کی تعداد چوالیس ہے۔ اس قصیدے پر اگرچہ نصاب کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ عملاً اس پر نصاب کی تعریف صادق آتی ہے اور نظم میں شاید یہی قدیم نمونہ ہے، جو ہندی الفاظ سے بحث کرتا ہے اور جس کے مصنف اور زمانہ سے ہم واقف ہیں۔ میں اس کی ابتدا سے کچھ شعر نقل کرتا ہوں:

قصیدہ در لغات ہندی

نام ہر چیزے بہندی بشنو از من اے پسر
خاصہ نام ہر دوائے، نفع برداری مگر
بُل تکلم باشد و بُل کر بگو یعنی سخن
شکر فرماید ترا آنکس کہ گوید شکر کر

جیبب کن آمد زبان و گوش دھاری ریش داں
موچہ را مینخواں بروت و انہ کورو بجر کر
آنکہ چشم و ناک بینی ، بون ابرو ہونٹہ لب
دند دنداں ، کارہ گردن ، گوتہ زانو ، مونڈ سر
کھال پوست و پژ مغز و استخواں گویند ہاد
انگلی انگشت باشد ، انگوٹہ انگشت نر
ہست پیشانی منہ و سینہ چھاتی وست ہتہ
موہ رو و چل رواں شو ، بتیمہ بنشیں ، دیکہ نگر
جیو جان ، چوچی است پستاں ، ریت آب منی است
موی مژگان را برونی خواں ، کلیجہ داں جگر
(ایک شعر کے بعد)
پنڈری ساقست ، پھپھر شش ، تلی آمد سپرز
رودہ را آتری ہمیداں ، اجرہ اشکنبہ شمر
گوسپند آمد بہیر ، بز بکری دا ونہ اشتر است
بلد گاؤ و فیل ہاتھی ، گورہ اسپ و گدہ خر
ہیرہ لحم و روتی پانی است نان و آب ہست
حلبہ میتھی ، منگ ماش و سوک خشک و گِلّہ تر
لہدرہ کال و کلونجی (ہم) سیہ دانہ بود
بادیاں سونف و کرفس اجود ہم گاجر گزر
تمر ہندی انبلی والسی بود تخم کتاں
مندہ نوعے زارزن دان و گندہ نیشکر

چاول (و) پینہ برنج وارزن، انڈہ تخم مرغ

تل بود کنجد، جواری زرت اے فرخندہ فر

ریشم است ابریشم و کالہ سیہ، اجلا سپید

سرمہ کاجل، مرچ فلفل، سعد موتہ، عود اگر

مانک و موتی بود یاقوت و مروارید لیک

کہربا باشد کپور و روپہ نقرہ، سونہ زر

تھورہ اندک می شمر، بسیار را می گو بہت

بد بُرہ میدان و چنگہ نیک اے نقد بشر

نوتہ را میگوئی طوطی، فنسد کی را فاختہ

نول داں را سوئہ ز دانش آمدی گر بہر در

یہ قصیدہ اگرچہ دل چسپ ہے لیکن میں بخوف طوالت اس کی نقل سے احتراز کرتا ہوں اور خاتمہ کے بعض شعروں پر قناعت کرتا ہوں:

دیو رو ز دِرات شب، سنجا است شام و بجات صبح

تارہ استارہ است، چند و سور باشد ماہ و خور

میہ بود باراں، اکس باشد (کذا) بجلی ست برق

یادگیر ایں جملہ را اے رای روشن چوں قمر

یوسفی بہرت دریں ابیات کردست آنچہ ذکر

گر کنی از بر، ترا ہر دم رسد نفعے دگر

از ضرر دارد مدامت در پناہ خویشتن

آنکہ در عالم بتقدیرش بود نفع و ضرر

اگر روایت پر اعتبار کیا جائے تو ہمیں ہندی نصابوں کے زمانہ کو آٹھویں بلکہ ساتویں صدی

ہجری میں تسلیم کرنا پڑتا ہے، جو تمام حالات پر نظر ڈالتے ہوئے خلافِ قیاس معلوم ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ نصاب مشہور "خالق باری" کو جس کا زمانۂ تالیف بالکل نامعلوم ہے، روایت نے امیر خسرو کی طرف منسوب کر کے ہمیں الجھن اور پریشانی میں ڈال دیا ہے۔ دیسی زبانوں میں تعلیم کا رواج ایسے قدیم زمانے سے نہایت بعید معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کہا جا سکتا ہے کہ بہت جلد بعد دیسی زبانیں ہماری تعلیمات میں ہاتھ بٹانے لگتیں اور ادب و لٹریچر ان میں بہت پہلے سے جاری ہو جاتے۔

خالق باری کے متعلق میں "پنجاب میں اردو" میں کسی قدر تفصیلی بحث کر چکا ہوں۔ یہاں ایسے پہلو بیان کرتا ہوں، جو اس وقت میرے علم میں نہیں تھے۔ اس سلسلے میں یہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خان آرزو پہلے شخص ہیں جو "خالق باری" کا ذکر کرتے ہیں۔ "غرائب اللغات" میر عبدالواسع ہانسوی کی تصنیف ہے۔ خان آرزو بعد ترمیم و اضافہ اس کی ایک جدید اشاعت تیار کرتے ہیں۔ اس اشاعت میں خان موصوف کئی موقعوں پر "رسالۂ منظومۂ امیر خسرو" کا جس سے ان کی مراد "خالق باری" ہے، ذکر کرتے ہیں۔ ایک موقعہ پر لفظ 'انون' کی تشریح کے وقت میر عبدالواسع پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انون۔ در رسالہ بخارے کہ در ایام زمستان بر روئے ہوا پیدا شود۔ میغ۔ مولف گوید کہ این غلط است چراکہ 'انون' در ہندی ابر بلند شدہ را گویند۔ لہٰذا در وقتے کہ ابر شود ہندیاں گویند 'بادل او بھٹے' یعنی ابرہا پیدا شد و سبب غلط این است کہ امیر خسرو علیہ الرحمتہ در رسالہ منظومۂ خود 'انون میغ' گفتہ و در اکثر لغت فرس میغ بمعنی بخار مذکور آوردہ و حال آنکہ میغ بمعنی ابر نیز آمدہ چنانکہ در سروری است و ہندی صحیح بخار مذکور 'کہر' است و در فارسی مشہور در کتب لغت 'نرم' بکسر نون و سکون رای معجمہ و میم۔"

اس موقع پر خان آرزو کی مراد خالق باری کے اس شعر سے ہے:

خنجر و شمشیر و صمصام است تیغ
ہندوی کھانڈا کہادے آن من میغ

مطبوعہ نسخوں میں یہ شعر اسی طرح ملتا ہے، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ خالق باری کے

قلمی و قدیم نسخوں میں 'آن من' کی جگہ 'انون' یا 'اونون' یا 'انو' ملتا ہے۔

چھرے کی تشریح میں خان تحریر کرتے ہیں :

"چھرا در رسالہ کارد بزرگ و بتازی ساطور خوانند۔ ہمین است در کشف اللغات و در منتخب اللغات کارد و خنجر و در قاموس مطلق چیزے کہ بِبُرّد و در رسالۂ منظومۂ امیر خسرو چھرہ بمعنی استرہ است و مشہور در قصبات ہندوستان نیز ہمین است۔"

یہاں خان موصوف خالق باری کے شعر ذیل کی طرف اشارہ کرتے ہیں :

جاروب سوہنی کہ سبد است ٹوکرا

مقراض کترنی کہ بود استرا چھرا

ایک اور لفظ 'ماڈھی' کے بیان میں کہتے ہیں 'ماڈھی'۔ "در رسالہ عمارتے کہ بر قبر آتش پرستان دیہوداں سازند۔ ستودان۔ بسین مہملہ و فوقانی بواو رسیدہ۔ لیکن بمعنی بام است چنانچہ از رسالۂ منظومۂ امیر خسرو علیہ الرحمۃ معلوم می شود۔ اما تحقیق آن است کہ 'ماڈھی' مطلق عمارت است و بمعنی کہ مصنف آوردہ 'مڈھی' بحذف الف" الخ۔

خالق باری کا یہ شعر خان کے ذہن میں ہے :

قصر کوشک حصن در تازی حصار

حجرہ کوٹھا بام ماڑھی (ماڈھی) دردوار

'چکواچکوی' کے ذکر میں کہتے ہیں :

"واینکہ در شعر امیر خسرو لفظ 'چکاوک' بمعنی 'چکواچکوی' واقع شدہ توجیہہ آن در سراج اللغۃ نوشتہ ام۔"

خالق باری میں مجھے کوئی ایسا شعر نہیں ملا، جس میں یہ لفظ آتا ہو۔ بہر حال ان تلمیحوں سے ظاہر ہے کہ خان آرزو خالق باری سے بخوبی واقف ہیں۔

خان آرزو کے پیش روؤں میں بقول پروفیسر مسعود حسن رضوی "اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ آج

سے تین سو برس پہلے بھی یہ کتاب 'خالق باری' ہی کے نام سے مشہور تھی۔" پروفیسر موصوف لکھتے ہیں کہ "اللہ خدائی" کے مصنف تجلّی نے اپنی تالیف کی مختصر منظوم تمہید میں یہ شعر بھی لکھا ہے :

شاید از لطف و رحمت باری

روح خسرو نمایدم یاری

اس شعر میں امیر خسرو کی روح سے مدد مانگی ہے اور اس کے پہلے مصرعے کے آخری لفظ سے خالق باری کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ خود اپنی تصنیف کا نام 'اللہ خدائی' رکھا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی امیر خسرو کا ہندی و فارسی منظوم لغت موجود تھا اور اس کا نام بھی خالق باری ہی تھا۔"

("ہندوستانی" صفحہ ۴۴، جنوری سنہ ۱۹۳۱ء)

سید صاحب کی جدت طرازی قابلِ آفرین ہے۔ خسرو کے ذکر سے' بالخصوص ایک ایسی کتاب میں' جو "خالق باری" کی طرز میں لکھی جا رہی ہے' ہر شخص اسی قیاس پر پہنچے گا' جو سید صاحب نے نکالا ہے۔ لیکن شعر بالا میں لفظ 'باری' سے پروفیسر صاحب کا یہ قیاس، کہ شاعر "خالق باری" کی طرف تلمیح کرتا ہے، اضافت بادنیٰ ملابست کا حکم رکھتا ہے۔ بہر حال سید صاحب کا استدلال، اگرچہ حجت قاطع کا حکم نہیں رکھتا، ایک بعید قیاس ضرور پیدا کرتا ہے' کہ ممکن ہے تجلّی "خالقِ باری" سے واقف ہو۔ لیکن اگر اسی مناسبت کوئی دلیل ہو سکتی ہے' تو میں سمجھتا ہوں کہ پنجاب اس مسئلہ پر شاید بہتر ثبوت پیش کر سکتا ہے۔ پنجابی زبانوں کے نصابوں میں سب سے مقدم "واحد باری" ہے، جو میری نظر سے گزری ہے۔ "واحد باری" کا ذکر وارث شاہ علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور عشقیہ نظم "ہیر درانجھا" میں کیا ہے۔ اب "واحد باری" کی تصنیف کا سال ایک قلمی نسخے میں سمت ۱۶۸۳ اور متعدد قلمی و مطبوعہ نسخوں میں سمت ۱۶۷۹ دیا گیا ہے۔ جو سال ہجری سنہ ۱۰۳۲ یا ۱۰۲۸ھ کے مطابق ہے۔ جب "واحد باری" کے نام پر غور کی جاتی ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اسے "خالق باری" کے نام کے ساتھ خاندانی مناسبت ہے جس طرح "خالق باری" کی ابتدا الفاظ "خالق باری" سے ہوتی ہے، بعینہٖ "واحد باری" کے شروع میں الفاظ

واحد باری آتنے ہیں، یعنی:

واحد باری ایکو سائیں

ایکو نام سہنسن نائیں

اور خاتمہ یہ ہے :

واحد باری جگ رہے

پڑھے جو فارسی ماں سبھ رہے

سولاسے اناسی سمت

واحد باری کردم تمت

ناموں میں اس قدر مشابہت اتفاقیہ نہیں ہو سکتی۔ میرا یہ خیال کہ "خالق باری" "واحد باری" پر مقدم ہے، محض اس بنا پر ہے کہ اول تو خالق باری صوبۂ پنجاب میں قدیم سے داخلِ نصاب ہے؛ دوسرے مصنف "واحد باری" نے "خالق باری" کے بعض اشعار اپنی تصنیف میں سہواً داخل کر لئے ہیں۔ میں ایک دو مثالیں دیتا ہوں :

خالق باری : آتش آگ آب ہے پانی

خاک دھول جو باد اڑانی

واحد باری : عمہ پھوپی نتوعہ نانی

آتش آگ آب ہے پانی

خالق باری : دیگ ہانڈی کفچہ ڈوئی بے خطا

تابہ کزگان است کڑاہی د توا

واحد باری : دیگ ہانڈی کفچہ ڈوئی بے خطا

تابہ و کزغان ہے کڑاہی جو توا

خالق باری: چالنی غربال چاکی آسیا
دیگداں چولھا وکندو کوٹھیا

واحد باری: چھاننی غربال چکی آسیا
چینی سرپوش چلھا دیگیا

بدقسمتی سے "خالق باری" کے عہد تالیف پر کوئی روشنی نہیں ڈالی جاسکتی، لیکن گمان غالب ہے کہ "واحد باری" کی تالیف کے وقت وہ موجود اور داخل درس تھی۔

ایک بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے، کہ ایسی تالیف بغیر کتب لغات کی امداد کے مشکل سے تیار ہوسکتی ہے۔ یہاں بطور جملۂ معترضہ چند الفاظ کتب لغات کے متعلق کہنے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ ہندوستان ہی صرف ایسا ملک ہے، جہاں فارسی لغات کے سلسلہ میں بڑی تندہی و سرگرمی کے ساتھ باقاعدہ کام کیا گیا ہے۔ چونکہ اس ملک میں فارسی کی حیثیت ہمیشہ سے اکتسابی رہی ہے، اس لئے فارسی لغت کے متعلق ہر زمانے میں دلچسپی لی گئی ہے اور فرہنگیں کثرت کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ عہدِ مغلیہ میں جو لغات لکھے گئے ہیں، مثلاً "فرہنگ جہانگیری" "سروری" "رشیدی" وغیرہ ان سے "خالق باری" کو کوئی سروکار نہیں ہے۔ عہد ماقبل مغلیہ میں پھر ایک دراز سلسلہ فرہنگوں کا ملتا ہے، جو ہندوستان کے مختلف صوبوں میں تالیف ہوا ہے۔ ان میں سب سے مقدم "فرہنگ نامۂ قواس" ہے، جو بعہد علاء الدین خلجی (سنہ ۶۹۶ و ۷۱۵ھ) تالیف ہوتا ہے۔ "فرہنگ نامہ" کے بعد بیسیوں تالیفات وجود میں آئی ہیں۔ اس سلسلے کی آخری کڑی "مؤید الفضلا" ہے، جو کہا جاتا ہے سنہ ۹۲۵ھ میں لکھی جاتی ہے۔ اب "خالق باری" اس سلسلے کی فرہنگوں پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔ یہ دعویٰ کرنا کہ "خالق باری" کا ماخذ فلاں فلاں کتب لغت ہیں، ایک دراز مطالعے کے بعد ممکن ہے۔ تاہم یہاں بعض ایسے امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، جو براہِ راست اس تصنیف کا علاقہ، عہد ماسبق مغلیہ کی فرہنگوں کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں۔ ایک امر تو یہ ہے کہ "خالق باری" میں بعض وہی غلطیاں نظر آتی ہیں، جو خود ان فرہنگوں میں موجود ہیں۔ مثلاً "مؤید الفضلا" میں فارسی لفظ 'نیا' کے معنے 'ماموں' بھی دیئے ہیں، جو عہد مغلیہ کی لغات میں نہیں ملتے۔ اب "خالق باری" میں بھی یہی معنی دیئے گئے ہیں ع :

نیا خالِ ہندوی ماموں جان

"خالق باری" میں 'تذرو' کو 'کبک' کا مرادف کہا گیا ہے ع :

فارسی سیمرغ عنقا ہے تذرو و کبک ہنس

حالانکہ دونوں مختلف پرندے ہیں۔ لیکن "مؤید الفضلا" میں دونوں پرندوں کو ایک مانا گیا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے، کہ "مؤید الفضلا" سے قبل کی فرہنگوں میں 'فلفل' کا لفظ ملتا ہے، لیکن ان فرہنگوں میں اس کی تقسیم بہ اعتبار سیاہ و سرخ نہیں ملتی۔ مثلاً شرف نامۂ احمد منیری (تالیف سنہ ۸۷۷ھ) میں یہ تشریح ملتی ہے :

"فلفل بضم یکم و سوئم پلپل و بکسر ہماں پلپل"

لیکن "مؤید الفضلا" (تالیف سنہ ۹۲۵ھ) میں تشریح یہ دی گئی ہے :

"یکے پلپل گرد کہ آنرا بہندوی مرچ گویند و دوم پلپل دراز و آنرا بہندوی پیپل گویند، و آں ہر دو برائے تداوی بکار آید و آں را فلفل نیز گویند۔"

اور پھر اسی تالیف میں 'فلفل' کی ذیل میں کہا گیا ہے :

"بضم یکم و سویم پلپل و بکسر ہماں پلپل و آں دو نوع است۔ یکے دراز و دوم گرد۔"

اب "خالق باری" میں بھی یہی تقسیم بعینہٖ انہی الفاظ میں دی گئی ہے، یعنے :

ہندوی پیپل بود فلفل دراز

مرچ فلفل گرد را گویند باز

جس سے یہ گمان کرنے کی کافی وجہ نکل آتی ہے کہ "خالق باری" کا ماخذ "مؤید الفضلا" ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ان ایام میں مرچ کی یہ قسمیں یعنی سیاہ و سرخ، ہمارے عہد کی طرح سے، عام طور پر خانگی استعمال میں نہیں تھیں بلکہ جیسا کہ صاحب مؤید کہہ رہے ہیں، دواؤں میں مستعمل تھیں، خصوصاً سرخ مرچ۔ آزاد بلگرامی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے میں سرخ مرچ کا رواج ہندوستان میں مرہٹوں کی آمد سے تعلق رکھتا ہے۔ "خزانۂ عامرہ" میں یہ عبارت ملتی ہے :

" دریں دہ بست سال کہ قدم اینہا بسرزمین ہندوستان رسیدہ برخی مردم ہندوستان ہم استعمال مرچ سرخ آموختند۔ بیشتر رواج این مرچ بیت المال در ہندوستان بنود۔" صفحہ ۴۸

لال مرچ کا نام آزاد بلگرامی فلفل خراسانی بتاتے ہیں، چنانچہ:

" مرچ سرخ را در فارسی فلفل خراسانی خوانند۔ رفیع الدین قزوینی مصنف 'عقائد رفیعہ' بعبارت عربی گوید، ترجمہ اش اینست کہ فلفل خراسانی غلافی است مثل غلاف تخم ترب، وقت پختہ شدن سرخ میشود۔ در شدت حدت و حرافت، مثل فلفل سیاہ است۔" (صفحہ ۴۸) خزانۂ عامرہ)

" مویدؔ" کے علاوہ" خالق باری" کے اور بھی مآخذ ہیں، جن کی نشان دہی بالفعل مشکل ہے۔ مثلاً اس تصنیف میں جوار کے لئے جرت کا لفظ آیا ہے۔ ع:

جرت جواری عدس مسوری برگ ہے پان

اس شکل میں یہ لفظ نہیں ملتا۔ اہل لغات اس کو زرّت بالتشدید لکھ رہے ہیں۔ لیکن اہل نصاب بہ تخفیف تشدید لا رہے ہیں۔ اسی طرح مصرع:

چرخہ رہٹ غلہ را پاگلہ داں

میں 'پاگلہ' ایسا لفظ ہے، جس سے اہل لغات ناواقف ہیں۔ اور مصرع

سیر اکھانا کور کانا بھید راز

میں 'کور' کا ترجمہ 'کانا' بظاہر صحیح نہیں۔ علیٰ ہذا مصرع:

تابہ کڑگان است کڑاہی و توا

میں کڑگان فرہنگوں میں نظر نہیں آتا۔ مصرع:

شب چرا رخش ونگا و رخنگ توسن ہے ترنگ

میں 'شب چرا' کو 'خنگ' و 'توسن' کا مرادف قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ شب چرا وہ حیوان ہے جو رات کو چرائی کرے یعنی چرندۂ شب۔ ایک اور مصرع ہے ع:

شب چراغ یاقوت رتن ہیـــرا ہے الماس

یہاں شب چراغ کو 'یاقوت' اور رتن کے ہم معنے سمجھنا درست نہیں معلوم ہوتا۔ شب چراغ کو اہل لغت کسی گاؤ دریائی کا گوہر بتاتے ہیں، جس کی روشنی میں وہ رات کو چرتی ہے اور 'یاقوت' جواہر کانی میں سے ہے، جیسا کہ جواہر ناموں میں مذکور ہے۔ مگر مصنف "خالق باری" "شب چراغ اور 'یاقوت' کو اس لئے ایک مانتے ہیں' کہ ان کے ماخذ "مؤید الفضلا" میں 'لعل' کے ذکر میں لکھا ہے کہ:

"گاؤ از ظلمات می آرد و بہ روشنائی آن علف می خورد" اور "شرف نامہ" میں "عجائب البلدان" کے حوالے سے مرقوم ہے:

"لعل گوہری است قیمتی و درخشان، بدیں حدود نیفتد مگر بہ سراندیپ و آن را گاؤ می آرد از ظلمات در دہن گیرد و بصحرا نہد، در روشنائی آن علف خورد، مردم کمین کنند گل تر بر سرش زنند۔ گاؤ بانگ وزاری کنان باز بہ دریا شود۔ مردم آن را بردارند۔"

اب یہ بیان درحقیقت شب چراغ کا ہے، نہ لعل و یاقوت کا۔

اس مختصر تبصرے سے یہ امر روشنی میں آجاتا ہے کہ بعض اغلاط مغلیہ عہد سے قبل کی فرہنگوں اور "خالق باری" میں مشترک ہیں۔ اس لئے ہم اس قیاس میں حق بجانب ہیں کہ "خالق باری" "مؤید الفضلا" کی تالیف کے بعد وجود میں آئی ہے اور کوئی تعجب نہیں اگر دسویں صدی ہجری میں کسی وقت لکھی گئی ہو۔

خالق باری کی عالمگیر مقبولیت کچھ اس کے داخلی محاسن پر نہیں ہے، جس قدر اس عقیدے کی بنا پر کہ وہ حضرت امیر خسرو دہلوی کی یادگار ہے۔ اس کی تائید میں خاتمے کا یہ شعر، جو قدیم و جدید نسخوں میں مختلف ہے، موجود ہے۔ جدید نسخوں میں اس کی شکل یوں ہے:

مولوی صاحب سرن پناہ گدا بھکاری خسرو شاہ

قدیم مخطوطات میں، جو بارھویں صدی ہجری کے ربع دوم سے تعلق رکھتے ہیں، اس طرح مرقوم ہے:

خالق باری بھئی تمام
ڈول جگت رہا خسرو کا نام

انڈیا آفس کے نسخے میں، جو سنہ ۴ جلوس محمد شاہی کا مخطوطہ ہے، ذیل کی صورت میں ملتا ہے:

خالق باری بھئی تمام

چل خسرو گھر آپنے (بھئی) شام

ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ وہی شعر، جو امیر کے نام کی مہر کا حامل ہے، قدیم و جدید نسخوں میں اس قدر اختلاف کے ساتھ ملتا ہے۔ یہاں اس صورت حال کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دیگر مقبول و مشہور تالیفات کی طرح "خالق باری" کے قدیم نسخے دستیاب نہیں ہوتے۔ حتیٰ کہ گیارھویں صدی ہجری کا بھی کوئی با تاریخ نسخہ معلوم نہیں، چہ جائیکہ دسویں صدی یا اس سے قبل کا نسخہ ملے۔ اس سے یہی قیاس مرتب ہو سکتا ہے کہ خالق باری کے لئے قدامت کا یہ مفروضہ دعویٰ کسی مضبوط اساس پر قائم نہیں ہے۔ میرے علم میں ایک اور قدیم اور با تاریخ نسخہ وہ ہے جو سنہ ۴ جلوس محمد شاہی (مطابق سنہ ۱۱۳۴ھ) بلدہ اکبر آباد میں نقل ہوا ہے اور کتب خانہ انڈیا آفس کی ملک ہے۔ اس نسخے کا نمبر (۱۰۸۴) ہے۔ میرے پاس جو مخطوطہ ہے، وہ سنہ ۱۱۲۵ھ کا نوشتہ ہے۔ اس کا خاتمہ ہے:

"تمت تمام (شد) نصاب ہندوی زبان تصنیف امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ بتاریخ بیست و پنجم جمادی الثانی سنہ ۱۱۲۵ھ"

اس نسخے میں ایک سو پچپن ابیات ہیں۔ بائیس شعر حاشیے پر بعد میں اضافہ کئے گئے ہیں۔ کتاب پر ایک مہر ہے، جس پر سنہ ۱۱۳۹ھ اور یہ سجع درج ہے۔ ع

"از محمد مرتضےٰ بو الفتح شد"

اس نسخے سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس عہد میں نسخہ ہٰذا امیر خسرو کی طرف بالعموم منسوب ہے۔

لیکن مذکورہ بالا نسخوں سے اہم انڈیا آفس کا ایک اور مخطوطہ ہے۔ جس کا نمبر (۱۰۸۳) ہے۔ یہ نسخہ اگرچہ بلا تاریخ ہے لیکن معلومہ نسخوں میں میری رائے میں بڑی اہمیت کا مالک ہے۔ اس کا نام "مطبوع الصبیان" ہے اور ذیل کے مختصر دیباچے سے مزین ہے:

"الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ بدان اسعدک اللہ تعالیٰ فی الدارین این چند کلمۂ عربی و فارسی ھریک با ترجمۂ ھندی برائے تعلیم صبیان برطریق ریختہ منظومہ ساختہ آمد تا خاطر ایشاں رغبت نماید و یاد گیرند و لغات ھریک دریابند و نام این کتاب 'مطبوع الصبیان' نہادہ شد و بر پنجاہ و شش (ھشت صحیح) فصل مرتب گردانیدہ آمد۔"

اس دیباچے سے کئی امور پر روشنی پڑتی ہے۔ اول یہ کہ کتاب بچوں کے نصاب کی حیثیت سے لکھی گئی ہے اور نہ ان ترکوں اور ایرانیوں کے لئے جو امیر خسرو کے عہد میں چنگیزیوں کی دست برد سے بھاگ کر ہندوستان میں پناہ گزیں ہو رہے تھے، جیسا کہ آج کل بعض اہل قلم کا عقیدہ ہے۔

دوسرے یہ کہ "خالق باری" کا قدیم نام "مطبوع الصبیان" تھا اور وہ اٹھاون فصلوں میں منقسم تھی۔ لیکن مطبوعہ نسخوں میں اس کا دیباچہ نام اور فصول ترک کر دی گئی ہیں اور قدیم ترتیب کو مسخ کر دیا گیا ہے۔ بقول مولانا ادریس احمد "مطبوعہ نسخوں میں تعداد اشعار ایک سو اکانوے اور کلکتہ کے قلمی نسخے میں دو سو پندرہ ہے"۔ مگر اس نسخے میں یہ تعداد دو سو بتیس ہے۔ اس لئے یہ نسخہ معلومہ نسخوں میں سب سے مکمل اور مفصل ہے۔ خاتمے کا شعر ہے:

خالق باری بہی تمام
دو بہوں جگ رہیا خسرو کا نام

تیسرے یہ کہ اس نسخے کی زبان مطبوعہ نسخوں و دیگر مخطوطات کے مقابلے میں قدیم مانی جا سکتی ہے مگر نہ ایسی قدیم کہ اس کو امیر خسرو کے عہد کی زبان کہا جا سکے۔ میں چند فقرے یہاں دیتا ہوں:

اسکوں لیکھ (ایں را بنویس)، آپیں اوڑ گیا (خود پریدہ رفت)، کل رات جو گئی، آج رات جو ہئی، میں تجھ کہیا (ترا بگفتم)، توں کت رہیا (کجا بماندی)، آ ورے بھائی (بیا برادر)، بیس ری مائی (بنشیں مادر)، آہے (ہے)، جوی کا بھائی (سالہ) جوی کا باپ جن جائی (سسرا) سنیچر (سنیچر)، کہونگی گا ہوں (خواہم گفت)، کہے گا توں، کروں گا ہوں، کرے گا توں، ہوں آؤنگا، توں آویگا، ہوں ماروں گا، توں ماریگا، توں سرجن میرا (دوست منی)، توں جیو را میرا، توں میری پانکھ

(بازو)، سوا سکا ہے (ازان او دست)، سو تیرا ہے، چھنیں لیا تھا (چھین لیا تھا)، پا چھا دیا (واپس دیا)، آپیں لیا (خود لیا)، شعر:

دو ستگانی وہ پیالہ دور اپنیں کا جو دیہ
منتر اپنے کاج بھریا نیہ دھر لوں جان لیہ

بہرا بھیا (بہرا ہوا)، سپکلی (چھپکلی)، ہوں اچنجا (در شگفتم) وغیرہ۔

اس کے الفاظ بھی قدیم حالت میں پائے جاتے ہیں۔ یعنی: میٹھ (دوست)، دوکال (کال)، کیا (تن)، گھیو (گھی)، سنّا (سونا)، روپ (روپہ۔ روپیہ)، کوپ (کپّا)، راتی۔ کلی (بستہ)، بھال (بھالا)، ہاڑ (ہاڈ۔ ہڈّی)، لاڑ (لاڈو)، بیچھو (بچھو)، کوتا (کتّا)، جاڑی تاپ (جوڑی تاپ)، کہاڑا (کلہاڑا)، کاگل (کاغذ)، لادن (لدّو)، بھیٹیہ (بھیڑیا)، نالیر (ناریل)، اوکھ (ایکھ)، گونٹھن (گھٹنا)، پاپن (پلک)، پانکھ (بازو)، پریور (عنقا)، پونگڑا (طفل)، بچونگڑا (چوزہ)، کپال (پیشانی)، کاکھ (بغل)، گال (گالی)، ساکھیا (گواہ)، بگل (بگلا)، دونٹی (ناف)، رترا (سرخ)، کھنڈڑی (گدڑی)، جھونرا (جھمکا)، ہانس (طوق)، دمڑا (عہد اکبری میں تانبے کا ایک سکہ جو دام کا آٹھواں حصہ ہوتا تھا۔ اس پر لفظ دمڑا نقش ہوتا ہے۔ گویا ہمارے عہد کی دمڑی اس کی مونث ہے)، چمار (کلال)، ناٹہ (بکرا)، گوڈ (گودا)۔

اگرچہ اس نسخے کو بارھویں صدی سے زیادہ قدیم نہیں مانا جا سکتا، تاہم موجودہ نسخوں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے اور کسی اچھے نسخے پر مبنی ہے۔ یہ امر نہایت افسوسناک ہے کہ "خالق باری" کا کوئی اچھا نسخہ اب تک دریافت نہیں ہوا۔ مروّجہ نسخوں کے متعلق یہ کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ بالکل ناقابلِ اعتبار ہیں۔ "خالق باری" اگر امیر خسرو کی یادگار ہے تو ہم نے خسرو کی اس یادگار کو بڑی بے خبری کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔

یہاں چند الفاظ "خالق باری" کے مقبول عام ہونے کے متعلق بھی کہنے ضروری ہیں "نصاب الصبیان" کی طرح "خالقِ باری" کا اثر بعد کے نصابی ادبیات پر بے حد ہے۔ نہ صرف اردو نصاب اس کے شرمندۂ

احسان میں بلکہ پنجابی، پشتو، گوجری، دکنی، برج و تلنگی زبانوں پر بھی اس کا اثر کار فرما ہے۔ گذشتہ دو صدیوں میں یہ کتاب ہندوستان کے اکثر صوبوں میں داخل درس رہی ہے۔ ہندوستان، پنجاب، گجرات اور دکن کی سرکاری و غیر سرکاری درس گاہوں میں شامل نصاب رہی ہے اور اس قدر مقبول رہی ہے کہ پنجاب و دکن نے اس پر مقامی رنگ چڑھا دیا ہے۔ دکن و پنجاب کی خالق باریاں تغیر لہجہ و دیگر مقامی خصوصیات کی بنا پر اختلاف کثیر کی حامل ہیں، حتیٰ کہ اس اختلاف نے اصل متن پر بعید اثر ڈالا ہے۔ جہاں اہل قلم نے اس کی تقلید میں نئے نصاب تیار کئے ہیں، بعض نے اس کی قبولیت کو دیکھ کر اور اپنے نصابوں کو مقابلے میں سرسبز نہ ہوتا دیکھ کر خود "خالق باری" کی ترمیم و اصلاح شروع کر دی ہے (دیکھئے ترمیم شدہ "خالق باری" از منشی محمد بلاقی)۔ بعض نے اس کی ترتیب وزن عروضی کے اعتبار سے کی ہے (دیکھئے "مطبوع صبیان" از صفی) بعض نے اپنی تصنیف کے لئے یہی نام اختیار کیا ہے۔ مثلاً "خالق باری" از اکرم، "خالق باری" از سید غلام علی شاہ امروہوی۔ ادھر اردو کے میدان میں ذیل کی کتابوں کے نام بہ تقلید خالق باری رکھے گئے ہیں:

(۱) "حمد باری" از عبدالواسع ہانسوی۔

(۲) "اللہ باری" از احسن (سنہ ۱۲۰۷ھ)

(۳) "رازق باری" از والہ (۴) "ایزد باری"

(۵) "قادر باری" از فیاض عسکری (سنہ ۱۲۱۰ھ)۔

(۶) "حمد باری" از عبدالسمیع رامپوری۔

(۷) "فیض باری" از میر شمس الدین محمد۔

پنجابی زبان میں یہ نام "خالق باری" کے ساتھ اپنا خاندانی شجرہ ملاتے ہیں:

(۱) "واحد باری" (سنہ ۱۰۲۸ھ) (۲) "رازق باری" از اسمٰعیل (سنہ ۱۰۷۱ھ)

(۳) "ایزد باری" از کھرل پسر سائیں داس سنامی (سنہ ۱۱۰۵ھ) (۴) "صنعت باری" از گنیش داس بدہیرہ قانون گوئی (سنہ ۱۲۲۰ھ) (۵) "واسع باری" از یکدل (سنہ ۱۲۳۱ھ) (۶) "اللہ باری"

(۷) "ناصر باری" (۸) "اعظم باری" (۹) "صادق باری"۔

اردو کی نشر و اشاعت میں اس تالیف نے بہر حال ایک قابل قدر خدمت کی ہے۔ اور گذشتہ صدی میں بمبئی، حیدر آباد، لکھنؤ، کانپور، دہلی، آگرہ و لاہور کے مطبعوں میں سینکڑوں بار چھپ چکی ہے۔

خالق باری کے بعد دوسرا نمبر "اللہ خدائی" کا ہے۔ اس کے مصنف تجلّی ہیں، جو سنہ ۱۰۶۶ھ میں اور پروفیسر مسعود حسن رضوی کے قول کے مطابق سنہ ۱۰۶۰ھ میں بعہد شاہجہاں تالیف ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ایک ایسے خطے میں لکھی گئی ہے، جو گوالیاری بالفاظ دیگر برج بھاشا کے زیر اثر ہے۔ اس میں ثانی حرف علت بکثرت ملتا ہے۔ مثلاً ڈانڈ (ڈنڈ۔ جرمانہ)، گھانٹ (گھنٹی)، باتی (بتی)، باچھا (بچہ)، نیوچھاور (نچھاور۔ نثار)، موہٹی (مٹھی)، ساہی (سہی)، پات جھڑ (پت جھڑ) پاٹ (پٹ۔ ریشم) وغیرہ۔

اردو کی 'ڑے' 'ڈال ہندی' کے ساتھ بدلتی ہے۔ مثلاً 'گڑیا' کو 'گڈیا' لکھا ہے۔ گوالیاری میں اردو کی 'لام' 'رے' کے ساتھ بدل جاتی ہے۔ مثلاً 'سیال' کو 'سیار' 'ڈال' کو 'ڈار' (شاخ) اور 'کھلیان' کو 'کھریان' لکھا ہے۔

'ممانی' کے قیاس پر 'چچی' کو 'چچانی' لکھا گیا ہے۔ ادھر 'بنیتی' کو 'بنیاین' بنا دیا ہے۔ اکثر ایسے لفظ ملتے ہیں، جو اردو میں فی زمانا کم مستعمل ہیں، یعنی سنیہ (دوستی)، اتیت (درویش)، پوکھر (تالاب)، رستی (رسّی)، مسری (لاشہ)، سوہا (سرخ)، کونٹ (مسخرہ)، سینہڈ (زقوم تھوہر)، پانت (مجلس)، بروتی (پلک)، ٹانڈا (قافلہ)، نوہلو (بہار)، رہلا (نخود۔ چنا)، گبڑوڑ (گبریلا)، لابھا (نفع)، پچھوری (چادر)، سار (فولاد)، تانی اور بھرنی (تانا بانا) ترنی (جوان عورت)، ہیلا (خاکروب)، جوجھہ (لڑائی)، ربانا (دف) وغیرہ۔

تجلّی 'گنگا' کا 'جیحون' اور 'جمنا' کا 'سیحون' ترجمہ کر رہا ہے۔

گوالیاری کا دستور ہے کہ اس میں بعض الفاظ کی 'واؤ' 'میم' کے ساتھ بدل جاتی ہے۔ مثلاً

عربی لفظ 'والدہ' کو جیسا کہ گریرسن نے لکھا ہے، 'نالدہ' بنا لیا گیا ہے۔ اس قسم کی ایک مثال "اللہ خدائی" میں بھی موجود ہے۔ یعنی 'بھاگوانی' کو 'بھاگمانی' کر لیا گیا ہے۔ "اللہ خدائی" کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔

تجلی کے بعد میر عبدالواسع ہانسوی کی باری آتی ہے۔ ان کا زمانہ عہدِ عالمگیری ہے "غرائب اللغات" کے علاوہ، جو اردو کی ایک فرہنگ بہ لہجہ ہریانی ہے، میر عبدالواسع کی یادگار ایک نصاب موسوم بہ "نصاب سہ زبان" یا "حمد باری" ہے، جو بعض وقت "جان پہچان" کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ "خالق باری" کے بعد یہ نصاب بہت مقبول رہا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ پنجاب میں بھی اس کو قبولیت حاصل تھی اور کئی بار چھپ چکا ہے۔

"نصاب مصطفٰے" بعہد فرخ سیر سنہ ۱۱۲۶ھ میں لکھا جاتا ہے اور نصابی سلسلے میں کسی قدر اہمیت رکھتا ہے۔ اردو کے نصابوں میں یہی چند زیادہ قدیم ہیں۔ بارھویں صدی میں اور نصاب بھی تیار ہوئے ہیں لیکن ان تک میری رسائی نہیں ہوئی ہے۔ بہر حال بارھویں صدی میں کم لیکن تیرھویں صدی میں اردو کے نصاب بہ تعداد کثیر لکھے جاتے ہیں۔ ان میں ایک نصاب میرزا غالب دہلوی کی بھی یادگار ہے۔

پنجابی نصاب

پنجابی نصابوں کی تعداد اردو سے کم ہے۔ ان میں اولیت کا فخر غالباً "واحد باری" کو حاصل ہے جو سنہ ۱۰۲۲ یا ۱۰۳۶ھ میں لکھی جاتی ہے۔ اس کے بعد "رازق باری" کا نمبر ہے، جو سنہ ۱۰۷۱ھ کی تصنیف ہے۔ "ایزد باری" سنہ ۱۱۰۵ھ میں، "اللہ باری" سنہ ۱۱۹۶ھ میں اور "صنعت باری" سنہ ۱۲۳۰ھ میں لکھی جاتی ہیں۔ "واسع باری" (سنہ ۱۲۳۱ھ) مشہور مولوی یکدل، مصنف "تحقیقات چشتی" کا کارنامہ ہے۔ "فارسی نامہ" کے عبدالرحمٰن قصوری مالک ہیں لیکن ہم اس کی تاریخ تصنیف سے ناواقف ہیں۔ پنجابی زبان کے نصابی لٹریچر کا جائزہ لیتے وقت ہم ایک نہایت غیر متوقع صورت حال سے دوشناس

ہوتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جہاں بچوں کے لئے پنجابی زبان ذریعہ تعلیم ہے، وہاں اردو بھی یہی حیثیت رکھتی ہے۔ ہم یہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد کے بعد کے زمانے کا ذکر نہیں کر رہے ہیں، بلکہ سکھاشاہی اور مغلیہ دور کا۔ یہ امر موجودہ نسل کے لئے باعثِ حیرت ہو، مگر میں اس صداقت کے اظہار میں تامل نہیں کروں گا کہ اور صوبوں سے قطع نظر اردو زبان پنجاب میں قدیم سے ملکی زبان مان لی گئی ہے۔ ہمارے اسلاف کا رویہ اس مسئلے کے متعلق بالکل واضح اور قطعی تھا۔ انہوں نے پنجاب میں پنجابی کے ساتھ اردو کو فراموش نہیں کیا تھا۔ گویا پنجاب میں دو زبانیں ذریعۂ تعلیم بنی رہیں۔ اس نقطۂ نظر سے انہوں نے شروع ہی سے بچوں کو دو زبانوں سے واقف کرنا ضروری سمجھا تھا اور ان کی تعلیم میں دونوں قسم کے نصاب شامل کر لئے تھے۔ چنانچہ پنجابی زبان کے مشہور نصاب "واحد باری" اور "رازق باری" کے ساتھ ساتھ "خالق باری" اور "صمد باری" اردو کے نصاب پڑھائے جاتے تھے۔ "خالق باری" پنجاب میں بیحد مقبول رہی ہے اور مکتبوں میں کثرت کے ساتھ پڑھائی گئی ہے۔ چنانچہ وارث شاہ بھی اپنی تالیف "ہیر رانجھا" میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ "خالق باری" کے متعدد نسخے نوشتۂ پنجاب میری نظر سے گزرے ہیں۔ اس صوبے میں "خالق باری" کی ہر دلعزیزی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اکثر پنجابی نصابوں کے نام "خالق باری" کی طرز پر رکھے گئے ہیں، جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے۔

میر عبدالواسع ہانسوی کا "نصاب سہ زبان" یا "صمد باری" پنجاب میں کثرت کے ساتھ استعمال میں آتا رہا ہے۔ "صمد باری" کے متعدد نسخے نوشتۂ پنجاب میری نظر سے گزرے ہیں۔ اس کے علاوہ پنجابی زبان کے ایک مجموعۂ نصاب یعنی "فارسی نامہ" "واحد باری" و "اللہ باری" کے ساتھ کئی مرتبہ لاہور کے مطبعوں میں چھپ چکی ہے۔

ان سے قطع نظر خود اہل پنجاب نے اردو نصاب تیار کئے ہیں۔ سب سے قدیم مولوی اسحٰق لاہوری کا ایک نصاب ہے، جو بعہد شاہجہان سنہ ۱۰۵۰ھ کے قریب تالیف ہوتا ہے۔ مولوی محمد اسحٰق نے دو نصاب لکھے ہیں اور دونوں "فرح الصبیان" کے نام سے موسوم ہیں۔ ان رسالوں میں اگرچہ پنجابی زبان کا چھینٹا بعض موقعوں پر نظر آتا ہے لیکن اردو الفاظ کی کثرت ہے۔ تشریحی زبان فارسی ہے۔ میں

بعض مثالیں دیتا ہوں:

ذفراست گندہ بغل وضحک است خندہ ہانسی
خمیازہ فازہ باشد درھندوی اباسی
انجیر تین باشد، ماورد داں گلاب
چوں کیلہ موز باشد، عجلت بداں شتاب
طماخ داں طمانچہ، دشنہ بداں کٹارا
حفرہ مغاک گڈھا، سکاچہ بداں گھوہارا
قم خیز کمک چٹکی چوں نیفلوشس کرچھی
غربال شعر چھلنی طباخ داں بورچھی
ابریق دلو چھاگل، اسفل نشیب نیچہ
محلوقہ سرستردہ داں گدگدی غلیچہ
صابون بداں ریگ سجّی بود شنجار
بعرہ چو پشک میگن تبہ و ذلیل دخوار
ریسیدن است کاتن نکلا شناس دوک
پیچک است بوک پونی بشناس ثعدروک (؟)

ذیل میں بعض الفاظ درج ہوتے ہیں، جن سے ناظرین اس تالیف کی زبان اور اردو پنجابی الفاظ کا تناسب معلوم کر سکیں گے۔

(۱) اٹی (۲) ایٹرن (۳) چوری (چوری)، (۴) مجیٹھ (۵) میہڈا (مینڈھا) (۶) اٹکل (۷) ناد (ناقوس) (۸) گولا (۹) کولا (کوئلہ) (۱۰) انگیٹھی (۱۱) بجلی (۱۲) سونڈ (۱۳) منگنا (مانگنا) (۱۴) چھجا (۱۵) پکھا (پنکھا) (۱۶) کانجی (۱۷) پھٹکری (۱۸) ہولاں (ہولے) (۱۹) ستّو (۲۰) دھوپ (۲۱) مچان (۲۲) چھکّا (چھینکا) (۲۳) ٹیکا (۲۴) ادگالی (جگالی)

(۲۵) کنوار (۲۶) کال کنگنی (۲۷) کوٹھی (۲۸) السی (۲۹) میتھی (۳۰) سرسوں (۳۱) ڈوڈی (۳۲) ہنگ (ہینگ)، (۳۳) سنگ (سینگ) (۳۴) جوار (۳۵) مسر (مسور) (۳۶) باڑی (۳۷) املی (۳۸) نالیر (ناریل)، (۳۹) پنڈ (خرمائی تر) (۴۰) سپاری (۴۱) اکھروٹ (اخروٹ) (۴۲) ہدکی (ہچکی) (۴۳) ڈیکار (ڈکار)، (۴۴) ککری (۴۵) کھیرا (۴۶) پھٹ (خیار برشگالی۔ پھوٹ) (۴۷) بیگن (۴۸) توری (ترئی)، (۴۹) توہر (تھوّر) (۵۰) پھلسا (۵۱) کسنبہ (۵۲) جواہا (جواسا) (۵۳) گھٹلی (گٹھلی) (۵۴) سکہ (۵۵) پیتل (۵۶) لوہا (۵۷) کھان (۵۸) کھوٹا (۵۹) دیور (۶۰) منس (۶۱) بانجھہ (۶۲) سالہ (۶۳) پھوپھی (۶۴) جوڑا (توام)، (۶۵) ہانسی (۶۶) پالک (لے پالک) (۶۷) سانڈھو (ساڑھو) (۶۸) سسر (۶۹) ماکھی (مکھی)، (۷۰) جالی (جال) (۷۱) سوکن (۷۲) ماموں (۷۳) چاچا (چچا) (۷۴) کاچا (کچا) (۷۵) سمدھن (۷۶) گنگا (گونگا) (۷۷) دہی (۷۸) مسکہ (۷۹) مکھن (۸۰) رائی (۸۱) ملائی (۸۲) چھاچھ (۸۳) مدھانی (رئی) (۸۴) سرمدانی (سرمہ دانی) (۸۵) تیل (۸۶) پلی (۸۷) کولھو (۸۸) کھل۔ (۸۹) آٹا (۹۰) گالا (۹۱) گاڈی (۹۲) بھڈیا (بھیڑیا) (۹۳) چیتیا (۹۴) سہا (خرگوش) (۹۵) مینا (۹۶) سندلیہ (۹۷) گوہ (۹۸) کویل (۹۹) تیترا (تیتر) (۱۰۰) جوک (جونک) (۱۰۱) گھڑا (۱۰۲) نیول (نیولا) (۱۰۳) بچھو (۱۰۴) گرگٹ (۱۰۵) کچھو (کچھوا) (۱۰۶) چھپکلی (۱۰۷) ڈھکلی (منجنیق)۔

یہ کل ایک سو سات الفاظ ہیں جن میں الفاظ ذیل بہ تفاوت لہجہ پنجابی مانے جاسکتے ہیں۔

(۱) بھیڈا (مینڈھا) (۲) کولا (کوئلہ) (۳) منگنا (مانگنا) (۴) پکھا (پنکھا) (۵) ہولاں (ہولے) (۶) چھکا (چھینکا) (۷) ہنگ (ہینگ) (۸) سنگ (سینگ) (۹) مسر (مسور) (۱۰) اوگالی (جگالی) (۱۱) ہدکی (ہچکی) (۱۲) پھُٹ (پھوٹ) (۱۳) توری (ترئی) (۱۴) جواہا (جواسا) (۱۵) سانڈھو (ساڑھو) (۱۶) گنگا (گونگا) (۱۷) کچھو (کچھوا)۔

ان سترہ لفظوں میں اکثر ایسے ہیں جن کو صرف لہجے کے فرق نے پنجابی بنا دیا ہے مثلاً ہینگ سینگ، پھوٹ اور گونگا وغیرہ اور میں سمجھتا ہوں کہ مصنف کے مقابلے میں کاتب اس ترمیم کا زیادہ ذمہ دار ہے۔

اب میں ملا حافظ احسن اللہ لاہوری، احسن تخلص کے نصاب "ذوق الصبیان" یا "اللہ باری" کا ذکر کرتا ہوں۔ ملا صاحب کا پیشہ معلّمی ہے، اس کے ساتھ کتابت اور مہر کنی کو بھی ضم کر لیا ہے۔ نہایت زود نویس معلوم ہوتے ہیں اور کتابیں کثرت کے ساتھ نقل کی ہیں۔ ایک معلم سب سے زیادہ بچوں کی ضروریات کا احساس رکھتا ہے۔ جب لاہور میں بیٹھ کر ملا صاحب اردو کا نصاب تیار کرتے ہیں تو ہم سمجھ سکتے ہیں، کہ صوبۂ پنجاب میں ان کی از حد ضرورت ہوگی۔ ملّا صاحب کہتے ہیں کہ اس سے قبل میں نے اسی مضمون پر ایک ضخیم تالیف بڑی محنت کے ساتھ تیار کی ہے لیکن وہ بچوں کے لئے دقیق ہے، لہذا نصاب ہذا کو آسان ہندی بولی میں تیار کیا ہے۔ سنہ ۱۲۰۷ھ سال تصنیف ہے۔ اردو کے متعلق ملا صاحب فرماتے ہیں۔ یہ ہندی زبان بہت آسان ہے۔ بچے بڑی خوشی سے اسے پڑھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں۔ اب میں زبان کا نمونہ دکھانے کے لئے "ذوق الصبیان" کے دیباچے سے ایک اقتباس دیتا ہوں:

احسن نام اک عاجز بندہ
ملّاں کاتب مہر کنندہ
احسن اللہ کی ہے یہ رعایت
اوس کی ہدایت اوس کی عنایت
اوس کا وطن لاہور نگر ہے
کمتر کہتر اور احقر ہے
اوس کی دادا خطا کو بخشے
اوس کے نانا پتا کو بخشے
کہیاں ہیں یہ کیتیاں بیتاں
فارسی عربی ہندی باتاں
لڑکے میرے پاس ہیں پھرتے
لوگ ہیں مجھ کو ملّاں کہتے

آگے ایک کتاب لکھی ہے
اوس پر محنت بہت کی ہے
پر وہ بہت دراز و کلاں ہے
لڑکوں کی ابھی کند زباں ہے
یہ آساں اور ہندی بولی
لڑکوں کو اک کھیل ہے کھولی
خوشی خوشی وہ پڑھتے ہیں اوسکو
چشم و سر اوپر دھرتے ہیں اوسکو
"ذوق الصبیان" نام رکھا ہے
سال اُوس "دُرباغ" کہا ہے
جو کوئی اوس کو پڑھے پڑھاوے
عیب سوارے اور بناوے
دے اصلاح جو ہووے بھلائی
مجھ کو دے دعا وہ بھائی
بحر فروع تقارب میزاں
فعلن فعلن فعلن فعلاں

ذیل کا اقتباس اصل نصاب سے ہے :

دل و جگر ہے ہیا کلیجہ
کلاّ سر ہے مغز ہے بھیجا
امہ کنیز ہے لونڈی باندی
جیتل نقرہ فضہ چاندی

رپا سونا سیم و زر ہے
ڈپا کپا، ڈھال سپر ہے

عاشق متزا، بندہ چیرا
خیمہ تنبو منزل ڈیرا

حلقہ دورہ گردہ گھیرا
گشت وگذار گذر ہے پھیرا

بھار بوجھ، انبار ہے تودہ
بھیٹڑ انبوہی، آنتر رودہ

لوہو خون، سیاہی سودا
طحال سپرزتلی، مخ گودا

پتہ زہرہ، تلخہ صفرا
دشت و بر بیاباں صحرا

گھیا کدو، گونگلو شلغم
لیس لعاب کف و جھگ بلغم

بیچ ہے اندر، بیروں باہر
باگھ غضنفر شیر ہے ناہر

ملّا صاحب کی زبان نہایت صاف ہے۔ خال خال موقعوں پر اردو کے بجائے پنجابی لہجہ نظر آتا ہے۔ میں چند شعر ایک اور مقام سے دیتا ہوں:

سجن دوست ہے یار خلیل
تھوڑا اندک کم و قلیل

بہتا بیش بس و بسیار
افزوں زیادہ وافر دار
فیل اور پیل اور ہکنا ہاتھی
ہمدم ہمرہ بیلی ساتھی
سنگ و سنگت قافلہ کارواں
سوداگر تاجر بازرگاں
پتھر سنگ رتن ہے جوہر
مروارید موتی درّ و گوہر
مربع چورس، گرد ہے گول
نرخ بہا اور قیمت مول
اجر و اجرت مزد و مزدوری
روغن گھیو، ملیدہ چوری
مرجاں بسّد کل اور مونگا
صم و بکم ہے ڈورا گونگا
غریب مسافر، ماندہ تھکا
پرندہ پکھی، بادکش پنکھا
سگ ہے کتا، گربہ بلی
جہاں آباد شہر ہے دلّی
باگھ بگھیلہ، شیر اسد ہے
سباع خورندہ دام و دد ہے

ماہی مچھلی، سنسار نہنگ

ہندی چیتا یوز پلنگ

"آہو ہرن ، سہا خرگوش

کھال رات جو گزری دوش"

دی و پری جو گزرا کھل پرسوں

کنجد تل ، سرشف ہے سرسوں

کھل پرسوں آیندہ جو آوے

فردا اور پس فردا بھاوے

ملا صاحب کی مساعی لائق ستائش ہیں۔ وہ ہر لفظ کے لئے اردو مرادف دیتے ہیں اور جب نہیں ملتا ہے، پنجابی الفاظ پر قناعت کرتے ہیں۔ اس طرح تالیف ہذا میں بعض پنجابی لفظ داخل ہو گئے ہیں۔ اوپر کے اقتباسوں میں آنتر (آنت)، جھگ (جھاگ)، کھل (کل)، گونگلو (شلغم)، گھیو (گھی) چوری (ملیدہ)، کلی (مونگا)، ڈورا (بہرا) وغیرہ پنجابی زبان کے ذخیرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آنت، جھاگ اور کل وغیرہ میں تو محض لہجے کا فرق ہے۔ گھیو تو خود اہلِ اردو بولتے رہے ہیں۔ ملیدہ کے لیے چوری میری نظر سے نہیں گزرا لیکن مالیدہ کا صحیح ترجمہ یہی ہو سکتا ہے۔ گونگلو اگرچہ اب اردو میں غیر مستعمل ہے لیکن مغلیہ عہد سے قبل کے اہل لغات اس لفظ سے واقف ہیں اور قدیم تلفظ وہی ہے جو آج پنجاب میں رائج ہے۔ "ادات الفضلا" نوشتۂ سنہ ۸۲۲ھ میں 'گونگلو' ملتا ہے۔ شرف نامۂ احمد منیری (سنہ ۸۷۷ھ) میں 'گانگلو' اور "مؤید الفضلا" (سنہ ۹۲۵ھ) میں گنگلو لکھا ہے۔ فی زمانہ یہ لفظ اردو میں متروک ہے۔

خاتمہ: ختم مرتب پورا سارا

آخر اوڑک عجب نیارا

تنکا خس ہے پیچھے پس ہے

پورا سارا قانع بس ہے

تو بھی بس اب بس کر احسن

پھڑ درود اور حمد ذوالمن

مانگ خدا سے یہی مدامی

بخشے رب گناہ تمامی

بندہ منگتا کرے دعائیں

مولیٰ صاحب داتا سائیں

کتاب کے عنوان کی پشت پر بالائی گوشے میں جانب چپ محرابی مربع میں شعر ذیل اس تالیف کے دو نام دے رہا ہے۔

اللہ باری ذوق الصبیاں

فارسی عربی ہندی باتاں

"درباغ" اس تالیف کا مادۂ تاریخ ہے، جس سے ۱۲۰۷ھ برآمد ہوتے ہیں۔ اسی سال تیمور شاہ درانی کا انتقال ہوتا ہے اور شاہ زمان تخت نشین ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ پنجاب میں اردو نصابوں کا رواج نیز اردو نصابوں کی اس صوبے میں تالیف ہمیں اس نظریے کے تسلیم کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ پنجابی زبانوں کی طرح اردو زبان بھی اس صوبے میں قدیم سے ذریعہ تعلیم رہی ہے۔ اردو اس میں شک نہیں، پنجاب میں یہ عہد مغل بولی اور سمجھی جاتی رہی ہے، لیکن ہم کو یہ علم نہیں تھا کہ بچوں کی تعلیم میں بھی اس سے کام لیا جا رہا ہے۔ "خالق باری" کے بعد اردو کا سب سے قدیم نصاب "فرح الصبیان" پنجاب میں لکھا جاتا ہے۔ یہ امر شاید ان بزرگوں کی آنکھیں کھولے جو آج پنجاب میں اردو کے استحقاق کو نظر انداز کرتے ہیں اور پنجابی کے لئے اصرار کرتے ہیں۔ ہم پنجاب کے ساتھ اردو کے قدیم تعلقات کی داستان سے بالکل بے خبر ہیں لیکن اس سلسلے میں جو بعض واقعات گذشتہ چند سال میں روشنی میں آئے ہیں، ان سے اس قدر اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے کہ اردو کے روابط اس صوبے کے ساتھ نہایت قدیم اور گہرے ہیں۔ اردو اور پنجابی کی صرف و نحو ان زبانوں کے اتحاد اور قرابت کی طرف دلالت کرتی ہے۔ اردو کا سب سے قدیم فقرہ، جو ہمیں معلوم

ہے، پنجاب ہی کے ایک شیخ حضرت فریدالدین گنج شکر کی یادگار ہے۔ مسلمانوں میں سب سے اول جس شاعر نے ہندی دیوان لکھا، وہ لاہور کے مشہور شاعر خواجہ مسعود سعد سلمان ہیں۔ سب سے پہلے جس شخص نے دوہرہ لکھا، وہ یہی شیخ فریدالدین مذکورہ بالا ہیں۔ گجرات و دکن میں اگرچہ اردو تالیفات دسویں صدی ہجری سے شروع ہو جاتی ہیں لیکن شمالی ہندوستان میں دو صدی بعد تک ان کا پتہ نہیں چلتا۔ دہلی میں ابھی اردو دبستان قائم بھی نہیں ہو چکتا ہے کہ پنجاب میں لوگ اردو زبان میں مثنویاں وغیرہ لکھنی شروع کر دیتے ہیں۔ میرپور کے شیخ غلام محی الدین تصوف کی مثنوی گلزار فقر سنہ ۱۱۳۱ھ میں ختم کرتے ہیں۔ بٹالہ کے مشہور شیخ غلام قادر سنہ ۱۱۰۱ھ سے قبل مثنوی "رمز العشق" لکھتے ہیں۔ اسی بٹالہ کے ایک اور مصنف، عاجز تخلص "سیف الملوک و بدیع الجمال" کا قصہ فارسی سے اردو میں نظم کرتے ہیں۔ ایک اور بزرگ تحسین ہیں، جو ایک نظم موسوم "بہ واردات" کے مالک ہیں، جس میں مصنف اپنے ایک شاگرد کی دعوت پر جو دیوان زادوں میں سے ہے، اپنے میرپور کے سفر، راہ کی مشقت و صعوبت، میزبان کی بے رخی، وہاں سے واپسی اور گھوڑے کی مذمت وغیرہ کا ذکر سنہ ۱۲۳۶ھ میں لکھتا ہے۔ یہ تالیفات، جو اندکے از بسیارے و مشتے نمونۂ خروارے کا حکم رکھتی ہیں، خالص پنجاب کی پیداوار ہیں، جن پر ہندوستان کا کچھ اثر نہیں ہے۔ یہ بزرگ نہ ہندوستان گئے اور نہ اردو دانوں سے تعلق میں آئے، لیکن اردو میں اپنی تالیفات لکھ رہے ہیں۔ ہمیں ستائش کرنی چاہئے ان بزرگوں کی جو دلی درکنار خود پنجاب کے دارالسلطنت لاہور سے بھی فاصلے پر رہ کر، ان دور افتادہ مقامات میں، جہاں اردو بولنے والا مہینوں کیا بلکہ برسوں بھی ان سے تعلق میں نہیں آ سکتا ہو گا، اردو زبان کی تحریک کو زندہ رکھتے ہیں۔ اب تا وقتیکہ ان تالیفات کے پڑھنے والے پنجاب میں نہ ہوں، ان کا منصۂ شہود پر آنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اس لٹریچر کی روشنی میں ہمیں اس نتیجہ پر پہنچنا چاہئے کہ پنجاب میں کم و بیش ہر عہد میں، اردو کے لئے سرگرمی رہی ہے۔

فہرست کتب نصاب فارسی

(۱) منطق: عربی بول چال کا ایک قدیم رسالہ ہے۔ چھوٹی تقطیع، اٹھاون صفحات، فی صفحہ ۱۴ سطر

سلطان شاہ ابو القاسم محمود بن ایل ارسلان بن اتسز خوارزمشاہ کے لئے سنہ ۵۶۸ھ سے قبل تالیف ہوا ہے۔ گزشتہ سطور میں اس رسالے کا ذکر ہو چکا ہے۔

ابتدا: "الحمد للہ رب العالمین الذی خلق عبادہ المکرمین و ارسل الیہم القرآن العظیم المبین و جعل العاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ علی النبی العربی الامین و آلہ الطیبین الطاھرین و احبابہ الذاکرین الشاکرین و سلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔"

(۲) **کتاب اسامی:** چالیس صفحات، فی صفحہ ۱۴ سطور۔ اس کا بھی اوپر ذکر آچکا ہے۔

ابتدا: "الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین۔ الصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد و آلہ اجمعین وسلم تسلیما۔ آغاز کتاب اسامی۔"

(۳) **نصاب الصبیان از ابو نصر فراہی:** یہ کتاب متفرق اور مختلف اوزان کے قطعات پر شامل ہے۔ مصنف نے یہ التزام کیا ہے کہ قطعہ کے شروع میں ہر قطعہ کی بحر اور وزن بتا دیا ہے۔ اشعار کی تعداد دو سو ہے۔ سبب تالیف میں مصنف نے لکھا ہے:

"کہ چون صبیان را پیش از تعلیم لغت عرب رغبت می افتد باشعار فارسی و چون خوش آمدن شعر مر طبعہا می موزون را عزیزی است و تعلم لغت کلید ہمہ علمہا ست، قدری از و نظم کردم تا بی تکلف یاد گیرند و چند بیتی کہ ضابطہ بود، مرہر چیزی را از علوم بمیان این قطعہا در آوردم تا بنوشتن و خواندن این نسخہ ہر کسی را رغبت افتد و چون این مجموع دویست بیت آمد آنرا نصاب الصبیان نام کردم۔"

کتاب کا اکثر حصہ عربی الفاظ سے بحث کرتا ہے۔ ایک قطعہ میں عربی صرف سے تعلق رکھنے والے الفاظ مثلاً ضمائر، اسمائے اشارہ، حروف جارہ بیان ہوئے ہیں۔ بعد میں عام معلومات کے مفید امور ذکر ہوئے ہیں۔ مثلاً عربی، فارسی، رومی و ترکی مہینوں کے نام، ہفتہ کے نام، سبعہ سیارہ، بروج، فصول، ازواج النبی، اولاد النبی، آئمہ معصوم، مدنی سورتیں، مفتیان نبی، موالی نبی، قاری، قبائل نبی، گنتی، بیماریاں، مدت بودن آفتاب در ہر برج، حساب جمل، مختلف دھاتوں کے اوزان وغیرہ وغیرہ۔

ابتدا: "الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ اجمعین ع

چنیں گوید ابونصر فراہی

حسد حاقدہ وحقد حاسدہ الخ

(۴) بدیع النصاب از امیر خسرو

ابتدا :-

"مصر شہر و شہر ماہ و ماء آب و خوف سہم

سہم تیر و اجنحہ چہ بال باشد بال جان"

مختلف قطعات پر شامل ہے اور ہر قطعہ میں خاص خاص صنعتوں کا التزام رکھا گیا ہے، جن میں اکثر صنعت تجنیس اور اس کی شاخوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً تجنیس تام و ناقص وخط و قلب و زاید و مطرف وغیرہ۔ کل قطعات تیئیس ہیں۔

(۵) نصاب نصیب اخوان از مطہر

افتتاحیہ :

"نامہ بر نام کردگار جہاں

کوست اللہ و راحم و رحمٰن"

دیباچے میں مذکور ہے۔ چونکہ کلام پاک بزبان عربی ہے اس لئے لغات عرب کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ اس سے پیشتر استاد نے کسی قدر اس مضمون پر لکھا تھا، جو مختلف اوزان کے قطعات میں تھا۔ میں نے ایک ہی وزن و قافیہ میں جمع کر دیا ہے۔ اس کا نام "نصاب صبیان" تھا۔ اس کا نام "نصیب اخوان" ہے :

نام او گر نصاب صبیان بود

نام ایں را نصیب اخوان داں

۲۳ صفحے اور نو سطریں فی صفحہ کتاب خاصہ قدیم ہے سنہ ۷۷۶ھ سال تصنیف ہے۔

سال شش بود و ہفصد و ہفتاد
کز مظہر شد این نوشتہ عیان
یارب این نامہ را قبولی دہ
تا [شود شستہ نامۂ] عصیان

لیکن شعر آئندہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۸۷۷ھ کی تالیف ہے :

سال "برعوث" بود کین نامہ
از مظہر چو ماہ گشت عیان

(۶) **نصاب عقود الجواہر** : ابتدا میں فارسی نثر میں ایک دیباچہ ہے، جس میں محمد حنیف صاحب کہتے ہیں کہ یہ مختصر تالیف استاد رشید الدین وطواط کی طرف منسوب ہے اور ارباب بلاغت کی اصطلاحات پر شامل ہے مگر نثر کے یہ منتشر موتی نظم کی لڑیوں میں پروئے بغیر خوب صورت نہیں لگتے، اس لئے میں نے یہ خواہش کی کہ ان کو نظم کا لباس پہنا دوں۔ چنانچہ میں نے ایسے لغت چن لیے، جو اوزان شعر میں صحیح المعیار اترے اور اکا دن قطعات میں ختم کر دیا، چونکہ یہ تالیف "عقود الجواہر" کے نام سے موسوم ہے اس لئے بہ رسم تحفہ سلطان زادۂ جہاں امیر کبیر جلال دولت و دین میرزا چلپی ابن سلطان الاعظم و خاقان المکرم ملک الروم والعجم غیاث الدولۃ والدین سلطان محمد بن بایزید بن مراد خان بن اورخان بن عثمان کے خزانے میں سپرد کر دی گئی۔ اس مختصر دیباچے کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے، جو مختلف وزن کے قطعات پر شامل ہے۔ اس نصاب میں زیادہ تر الفاظ مترادف جمع کئے گئے ہیں۔ تعداد اشعار ۵۷۸۔

ابتدا :

ابتدا و افتتاح و فاتحہ آغاز کار
استمالت دل خوشی دادن موافق سازگار

سلطان محمد نے سنہ ۸۰۵ سے ۸۲۴ھ تک سلطنت کی ہے۔ "عقود الجواہر" کی ایک ٹری اشاعت

بھی ہے، جو ۷۵ قطعات اور ۶۵۰ اشعار پر شامل ہے۔ حاجی خلیفہ کے ہاں (صفحہ ۲۳۹، جلد۴) سلطان مراد (سنہ ۸۲۴ و ۸۵۵ھ) کے نام پر معنون اور رشید وطواط کی طرف منسوب ہے۔

(۷) **نصیب الفضلا**: سب سے پہلے ایک عربی دیباچہ۔ اس کے بعد فارسی نظم شروع ہوتی ہے۔ قطعات کی بجائے قصائد میں تقسیم کی گئی ہے۔

ابتدا: القصیدۃ الاولیٰ

"مجیب نام خدا مجتبےٰ است پیغمبر
دو جانشین رسولش عتیق دان وعمر"

کتاب مختلف وزن کے قصیدوں میں منقسم ہے۔ موجودہ نسخے میں ۸۸ صفحات اور فی صفحہ ۹ سطریں ہیں لیکن ابھی ناتمام ہے۔ سال تالیف و نام مصنف معلوم نہیں لیکن کتاب قدیم معلوم ہوتی ہے۔

(۸) **اسمای حروف**: نام نامعلوم۔ کل بائیس شعر ہیں۔ حروف تہجی کے معنے بیان ہوئے ہیں۔

ابتدا:

"بعد بسم اللہ و یاد مصطفےٰ
بازِ یادِ آل و یاران صفا
آنکہ این اسمائے احرف و بیان
ہر یکی را معنی است گویم بدان"

سنہ ۸۱۸ھ کی تالیف ہے۔

خاتمہ:

"سال 'ضنح' در مہ ذی القعدہ بود
کین لغت را نظم کردن رو نمود
نظم کردم در مزار شیخ جام
شد تمام الحمد للہ والسلام"

(۹) **نصاب حسنیٰ** : ایک ہی بحر و قافیہ میں ہے۔ تقریباً دو سو بیس اشعار ہیں سنہ ۸۹۶ یا ۹۹۹ھ سال تالیف ہے۔ اس رسالے میں صنعت اشتقاق و تجنیس و جمع کی رعایت کے الفاظ دیئے ہیں۔

ابتدا :

"نحمد اللہ الا لہٗ وال خدائے بندگان

راحم و رحمٰن بشیک چوں رحیم است مہربان"

خاتمہ : "وصص، سپری کردن ہنگام جلوہ از عروس

وقت ختم ایں کتابست گر شماری رقم آن"

گویا لفظ 'وصص' مادۂ تاریخ ہے۔ جس سے سنہ ۸۹۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد ہی یہ شعر آتا ہے:

شامل تسعین و تسع اسمائے حسنیٰ بنود

ایں نصاب است نام حسنیٰ نیک مے زاں دستوراں

یعنی اسماء حسنے (۹۹) پر جب (۹) شامل کئے تو سنہ ۹۹۹ھ برآمد ہوتا ہے۔ تمام کتاب اسی وزن اور قافیے میں ہے۔

(۱۰) نصاب کمال

آغاز : "اکلیل صحیفہ راز بر جبہہ

حمد احد است و مدح احمد

دیباچے میں مولٰینا کمال کہتے ہیں کہ میں نے الفاظ مترادف و اضداد عربی و فارسی میں یہ کتاب لکھی ہے۔ اگر کہیں غلطی یا سہو نظر آئے تو معاف کریں اور میرے لئے دعائے خیر کریں۔ کمال حضرت شمشیر کے معتقد ہیں۔ اصل کتاب یوں شروع ہوتی ہے :

"حق اللہ و ایزد و یزدان و گن گر گر بود

تنگری و کردگار و شید ردلر لر بود"

موجودہ نسخے میں ۷۵ صفحات اور فی صفحہ دس سطریں ہیں۔

خاتمہ :

" بندۂ بارگہ حضرت شمشیر گمال
دارد از قاری این فاتحہ استمداد "

یہ کتاب گذشتہ صدی میں کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔

(۱۱) قنیۃ الفتیان از شیخ صدر الدین بن بدر الدین :

آغاز : " حمد ایزد را کہ داد او بندہ را طبع روان
تاکہ در سلک بیان آورد نظمی چوں جمان "

مصنف نے اپنے ہمشیرزادے کے لئے تصنیف کی ہے۔ اور مقلوب و متجانس الفاظ پر خاص توجہ دی ہے۔ تعداد ابیات دو سو پندرہ۔ کتاب کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ خاصا قدیم ہے۔

خاتمہ : کرد انشا صدر بدر ایں قنیۃ الفتیان کہ ہست
در لغت نزدیک اہل فضل گنج شائگان

کئی بار چھپ چکی ہے۔

(۱۲) نصاب ضیائی یا تجنیس اللغات از جامی : مولانا جامی نے یہ نصاب اپنے فرزند ضیاالدین یوسف کے واسطے لکھا ہے۔

افتتاحیہ : " بعد توحید و صفات خالق شام و سحر
وز پس نعت و ثنائی خواجۂ خیر البشر
کردم ایں مجموعہ را در صنع تجنیس اللغات
تا ضیائی را لغت دانی بیاد آید مگر "

خاتمہ :

" تا چند سخن طویل گوئی چندان
خاموشی پیش گیر عبد الرحمٰن

بس کن کہ ھسیں رسالہ کافیست ترا

زین بیش مدہ درد سر خود بکسان "

یہ رسالہ کئی مرتبہ چھپا ہے۔

(۱۳) نظم مثلث یا نصاب الاخوان یا نصاب بدیعی از بدیعی

آغاز : " از پس حمد خداوند زمین و آسمان

کردہ ام نظم مثلث چون لآلی عمان

در خط است یک لفظ خود ہر سہ لغت حاصل شود

رو تو فا را فتح و کسر و ضم بدین ترتیب دان "

اس میں ایسے سہ حرفی ہم شکل الفاظ ہیں۔ جن کا پہلا حرف بہ ہر سہ حرکات آتا ہے۔ پہلا مفتوح، دوسرا مکسور اور تیسرا مضموم ہے اور یہی ترتیب تمام کتاب میں ملحوظ رکھی گئی ہے۔

خاتمہ : " این چنین شعر بدیعی را بدیعی نظم کرد

تا بود در روزگار از وی ھمی نام و نشان "

خاتمے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ رسالہ بدیعی کی تالیف ہے، لیکن چونکہ یہ نصاب امیر خسرو کے نصاب کے ساتھ درس میں داخل رہا ہے اور ساتھ ساتھ پڑھایا گیا ہے، اس لئے متاخرین میں یہ عقیدہ راسخ ہو گیا ہے کہ یہ نصاب بھی امیر خسرو کی ملک ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ مولوی محمد بدیع کی تالیف ہے، جیسا کہ مولانا رشید احمد صاحب نے "جواہر خسروی" میں "نصاب بدیعی" کے دیباچے میں ذکر کیا ہے۔ چھپ چکا ہے اور کثرت کے ساتھ پڑھایا گیا ہے۔

(۱۴) منطق الصبیان از غنی :

ابتدا : " بعد توحید خالق بیچون

کز عدم کرد خلق کن فیکون "

اشعار کی تعداد دو سو ہے۔ زیادہ تر عربی افعال و امر و نہی معہ ترجمہ درج ہیں۔ رسالہ مختلف اوزان کے

قطعات پر شامل ہے ۔شعر ذیل میں کتاب کا نام ملتا ہے :

" از حدیث عرب چو شد شیان ؟
کردمش نام منطق الصبیان "

خاتمہ : "بدان کہ طرفہ تر این یادگار از غنی است
خجستہ باد بعالم چہ بر صغار و کبار"

(۱۵) **تجنیس اللغات** : جامی کی مذکورہ بالا تالیف سے مختلف ہے ۔

ابتدا : " بخل باشد ممسکی و بخل را گو بیند بیخ
نخل را گر باز پرسی معنیش خرما شمر "

رسالۂ ہذا میں عربی و فارسی الفاظ، جن میں تجنیس کا بھی لحاظ دیکھا جاتا ہے ، بیان کئے گئے ہیں ۔ بحروں میں مختلف قطعات ہیں ۔

(۱۶) **نسب صبیان ، از شیخ اسحٰق لاہوری** : مصنف نے اپنے فرزند عبدالرزاق کے لئے سنہ ۱۰۵۰ھ میں بعہد شاہ جہاں پادشاہ تالیف کی ہے ۔سال تصنیف لفظ 'نغز' ہے ۔ مصنف اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں :

" عادل شجاع شاہجہاں آنکہ ابر وار
در بحر و بر نمودہ زر و گہر نثار
در عہد دین پرور شاہنشہی چنین
تاریخ سال ہجری در یک نغز بہ بین
مسکین ضعیف بندۂ اسحٰق خوش بیان
در معدن فضیلت لاہور پر امان
از نکتہای موزون شیرین عجب کلام
نامید نسب صبیان در نفع خاص و عام

از بہر نور دیدہ عبد الرزاق نیز
از فیض بہرہ یابد گردد بحق عزیز"

آغاز: "بسم اللہ است تسمیہ لیجہ لغت زبان
اکبر بزرگ رحمٰن تنسگر ا حدیگان"

شیخ اسحٰق اس رسالے کے سواد و اور نصابوں کے مالک ہیں اور دونوں کا نام "فرح صبیان" پندرہ صفحات فی صفحہ ۱۳ سطور۔

(۱۷) **وضوح النصابین از شیخم بن مولینا کلان بن مخدوم الصبیان شیخ احمد**: یہ رسالہ نثر میں ہے۔ اور چار نصابوں کے لغات پر مبنی ہے۔ ابتثی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اگرچہ مصنف کے زمانے کا علم نہیں لیکن زبان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غالباً آٹھویں یا نویں صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے اور ہندوستان میں لکھا گیا ہے۔ تشریح کے وقت، جیسا کہ مغلیہ عہد سے ماسبق فرہنگ نگاروں کا دستور ہے، بعض جگہ ہندی الفاظ دئے ہیں۔ مثلاً:

ازمیل، نشکرہ راگوینہ ہندوی مرچنا۔ تتری ہندوی طوری۔ حلبہ' شملیت یعنی میتھی۔ ضاغوط، آنچہ مردم را در خواب فرو گیرد، ہندوی اتہارہ فیمن، سداب' نام گیاہی است' ہندوی وساء۔ قملہ، سپش، ہندوی جوں۔

ایک مقام پر "نصاب الصبیان" کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ فہرست ببلیوتنیک نیشنل (جلد دوم، صفحہ ۱۹۱، نمبر ۹۷۰) میں اس رسالے کا نام "وضوح الناصبین" دیا گیا ہے۔ تعداد صفحات تیس، فی صفحہ تیرہ و چودہ سطریں۔

(۱۸) **نصاب الاوان یا نصف النصاب**: شروع رسالہ: نحمدہٗ علیٰ نوالہ و نصلی محمد وآلہ اجمعین۔ القطعۃ الاولیٰ:

اوان وحیین واوقات است ہنگام
فلق صبح وعشی است وعشا شام

کل پندرہ قطعات ہیں۔ تعداد صفحات دس، سطریں ۱۲-۱۳، زیادہ تر الفاظ مترادف جمع ہیں۔

(۱۹) نصاب ؟

آغاز : " ھست اللہ و خدا ھم رب بود پروردگار
مہربان رحمٰن رحیم و کارساز کردگار "

آخر سے ناقص ہے۔ نام معلوم نہ ہو سکا۔ موجودہ نسخے میں کل آٹھ صفحے ہیں اور عربی و فارسی مرادفات دیئے گئے ہیں۔

(۲۰) شاہ نظم یا دافع الاغلاط از امان اللہ:

ابتدائیہ : " بعد حمد و نعت چندیں [....کر] دہ بیان
ذرّۂ کہتر امان اللہ بہر طالبان "

کتاب چونکہ دیمک کی کھائی ہوئی ہے، اس لئے دیباچے کا پورا بیان نہیں دیا جا سکتا۔ بہرحال شاہ عالم اول کا زمانہ ہے۔ جب یہ کتاب لکھی جاتی ہے۔ اس میں مصنف نے تمام اغلاط مشہورہ جو اہلِ علم بسلسلہ لغات کرتے ہیں بے نقاب کر دی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصنیف خود شاہ عالم پادشاہ کے لئے لکھی گئی ہے۔ مؤلف بعض اشعار میں اس کو خطاب کرتا ہے :

شاہ نظم این نسخہ را نامیدہ ام ای شہریار
در لغت تالیف کردم تا بماند یادگار
ظلمت اغلاط زائل شد ازین نظمِ منیر
زان شدہ تاریخ آن خورشید ای روشن ضمیر
ھفت صد بیت است در این نسخہ از روی شمار
چار صد ھفتاد می خوانی لغت را یاد دار

اور تاریخ کے لئے لکھا ہے :

"سال ہجری اندریں ہنگام از روی شمار
یک ہزار و یک صد و بست است در دل یاددار
دافع الاغلاط ہست این نسخۂ منظوم من
عرف آن شد دافع الاغلاط زاں اندر زمن"

یہ نسخہ دافع الاغلاط کے نام سے چھپ چکا ہے لیکن دیباچہ کے شعر ترک کر دیئے گئے ہیں۔

(۲۱) مثلث، برای محمد ختلانی

افتتاحیہ: "چوں بتوفیق لطف ربانی
کردم آغاز حمد سبحانی"

سبب تالیف میں مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے یہ مثلث اپنے دوست محمد ختلانی کی فرمائش پر لکھا ہے:

"سبب نظم این مثلث را
وقت اشغال و گاہ حیرانی
بود یاری ز خلص احباب
او محمد بنام ختلانی
مولدش بود جہار سو (کذا) بے شک
محمد انہا خراسانی (کذا)
التماسش ز من نصابی بود
زان گفتہا چو در عمانی"

محمد کا مولد اگر جہاڑسو ہے تو مصنف یقیناً ہندوستانی ہے۔ رسالے کی وہی خصوصیت ہے، جو نصاب بدیعی کی ہے، یعنی ایسے ہم شکل سہ حرفی جن کا حرف اوّل بہر سہ حرکات آتا ہے، بالترتیب اوّل مفتوح، پھر مکسور اور پھر مضموم دیئے ہیں:

"اولش فتح و آخرش ضم است
تا توبی شبہ راست برخوانی"

کل نو دس قطعات کا رسالہ ہے۔

(۲۲) نزهت الصبیان از عبدالمجید

کہتے ہیں: "تاریخ اتمامش کہ یازدہ صد و ہشت سال از ہجرت نبوی است علیہ السلام بدین گونہ در سلک نظم کشید":

للہ الحمد کہ این نظم لطافت آگین
یافت اتمام در ایام سعادت آمود
سال تاریخ چو جستم ز نہان خانۂ دل
ناگہان پیر خرد نظم نو آئین فرمود"

رسالۂ ہذا کا بیان میں فہرست ببلیوتک نیشنل (جلد دوم، صفحہ ۱۸۶، نمبر ۹۵۹) سے نقل کر رہا ہوں۔ میرا یہ خیال ہے کہ یہ ایک ہندوستانی تالیف ہے۔ کاتب شیخ محی الدین سنہ ۱۱۷۹ھ مطابق سنہ ۱۷۶۵ء۔

(۲۳) نصاب میراب

شروع کتاب:

"میرآب دهم کدیور نخل بند و باغبان
آنکہ باشد آبیاری خیابان را ضمان"

یہ رسالہ مترادف و ہم معنی الفاظ پر حاوی ہے۔ کل اسی اشعار ہیں۔

خاتمہ:

نہجی د قسمی د آئینی کہ مقدورت بود
جد و جہدی کن کہ این اشعار از بر می شود

(۲۴) نصاب کمال الدین مسمی بہ نصاب

آغاز کتاب : از پس حمد و سپاس ذوالجلال

کو بود موصوف از اوصاف کمال

حمد و نعت و منقبت صحابۂ کرام کے بعد گویا ہے کہ میں نے بعض دوستوں کی خاطر، جو لغات و نظم سے الفت رکھتے ہیں، جن میں بازالدین (کذا) قابلِ ذکر ہیں، یہ رسالہ تالیف کیا ہے۔ رسالے کا نام "نصاب" اور اشعار کی تعداد تین سو ہے۔ حضرت سید محمد شاہ میر، مصنف کے مرشد روشن ضمیر ہیں۔

خاتمہ: "بس کمال الدین مگو زین بیشتر

دلپذیر آمد کلام مختصر"

رسالۂ ہذا سنہ ۱۱۷۴ھ میں ختم ہوتا ہے۔

(۲۵) نصاب از ایاز الدین : صرف فارسی مرادفات کا نصاب ہے۔

پہلا شعر: "زند و داراب دادور دادر

خود کرو کرحند لو اد کر کر"

خاتمہ: "مایۂ کودکان ایاز الدین

ہست نامش بخوان زبرا زبر

یک صد و یک ہزار و [نود] نہ

بود کین نام شد بساز و بسر"

چھتیس صفحات۔ تیرہ سطر فی صفحہ۔

(۲۶) نصاب مقلوب از انشا

افتتاحیہ: "بعد حمد ایزد دانای راز انس و جان

ساختم این نظم مقلوب از تامل بیکران"

اس نصاب میں، جیسا کہ انشا کی چلبلی طبیعت سے امید ہو سکتی ہے، لفظ اوّل و ثانی ایک دوسرے کے

مقلوب ہیں۔ جیسے رب اور بر، ملح اور حلم وغیرہ۔ نو سطریں فی صفحہ کل آٹھ صفحات کا رسالہ ہے۔

خاتمہ: کرد انشا این نصاب مقلوب با الفاظ در

مرلفت (؟) اندر رعونت (؟)، چون لآلی عمان

ہر کہ آرد در نظر از انس وجان این نظم او

یاد دارد از دعای خیر او را در جہان"

(۲۷) **مفتاح الافواہ از حافظ احسن اللہ لاہوری:** سال تالیف لفظ 'منظور' سے، جو سنہ ۱۱۹۶ھ کے برابر ہے، برآمد ہوتا ہے۔ نصابی تالیفات میں یہ کتاب شاید سب سے ضخیم ہے۔ صفحوں کی تعداد (۹۰۳) اور فی صفحہ ۱۹ سطور ہیں۔ اس حساب سے اشعار کی تعداد سترہ ہزار کے قریب ہوگی۔

ابتدائیہ: "صاحب است آقا خداوند ای جوان

ہمچو آغا ہم برادر دان کلان

ابتدا آغاز و انجام انتہا

ہر دو این با کسر الف و کسرتا"

ایک دلچسپ امر اس تالیف کے متعلق یہ ہے کہ نسخۂ زیرِ نظر خود مصنف کا دستی ہے اور سنہ ۱۲۲۶ھ میں نقل ہوا ہے۔ اس سے قبل جناب مصنف اس کتاب کے چار اور نسخے اپنے ہاتھ سے نقل کر چکے ہیں اور یہ پانچویں نقل ہے، جو میاں نظام الدین ابن خواجہ نورالدین گنائی کے واسطے تیار ہوئی ہے چنانچہ اس نسخے پر میاں نظام الدین کی مہر بھی موجود ہے۔ یہ اطلاع میں نے جس نسخے سے لی ہے وہ میرے محترم جناب خواجہ سلیم صاحب ایم۔اے۔ کی ملک ہے۔ "مفتاح الافواہ" کے علاوہ حافظ احسن اللہ نے ایک اردو نصاب بھی موسوم بہ "ذوق الصبیان" لکھا ہے، جس کا ذکر گذشتہ سطور میں آچکا ہے۔ اس تالیف کے مآخذ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) نصاب الصبیان و شرح آن (۲) شش نصاب دیگر معہ حواشی آن (۳) شرح گلستان (۴) فرہنگ مثنوی معنوی (۵) عجوبہ لغات، کہ کتابی بغایت عجیب و غریب در ملتان بنظر آمدہ (۶) خالق باری (۷)

رازق باری -

کتاب بترتیب ابتثیٰ ہے، جس میں حرف اول کو بنا قرار دیا گیا ہے اور حرف آخر بترتیب ابتثیٰ باب مانا گیا ہے۔ مثلاً بنائے الف و باب الالف میں ایسے الفاظ مذکور ہیں، جو 'الف' سے شروع ہوتے ہیں اور 'الف' پر ختم ہوتے ہیں مثلاً 'ابتدا'، 'انتہا' وغیرہ۔ بنای الف و باب الباء میں ایسے الفاظ ہیں جو 'الف' سے شروع ہوتے ہیں اور 'بے' پر ختم ہوتے ہیں۔ مثلاً اصطرلاب، انتساب، اجتناب، اعصاب وغیرہ درمیانی حرف کیلئے کوئی التزام نہیں ہے۔ باقی بنا و ابواب کا اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ تمام ابواب کی سرخیاں مصرعوں میں دی گئی ہیں۔ مثلاً ع "باب الف اندر بنای الف خواں" یا مصرع: "در بنای الف باب البا بخواں" تشریحی زبان فارسی ہے اور تمام توجہ عربی الفاظ پر دی گئی ہے اور اعراب بالالتزام بیان کئے گئے ہیں اور اردو الفاظ تو بہت کمی کے ساتھ مذکور ہوئے ہیں اور پنجابی خال خال موقعوں پر ضرورتاً آئے ہیں۔ سال تصنیف اس طرح بیان ہوا ہے:

"رباعی در تاریخ سال این قیل و قال کہ در سنہ یک ہزار و یک صد و نود و شش منظوم و مرقوم شدہ:

کردم سخنی بجام کاری مذکور
ماند بگر این بیادگاری مشہور
این گفتۂ من اگر تو منظور کنی
تاریخ بگیر ہم ز لفظ "منظور"

ابتدا میں پانچ صفحوں کا نثر میں دیباچہ ہے باقی حصہ نظم میں ہے۔ یہ کتاب ایک دل پسند اور شگفتہ طرز میں لکھی گئی ہے۔

فہرست اردو نصاب

اس فہرست کی سرتاج "خالق باری" ہے۔ اہل ذوق نے اس عقیدے کے ماتحت کہ وہ امیر خسرو کی تالیف ہے، طرح طرح سے اس کی تزئین و تہذیب کی ہے۔ کسی نے اس کے اشعار میں اوزان کے لحاظ سے بے ترتیبی دیکھ کر ہم وزن اشعار کو ایک عنوان اور ترتیب کے تحت میں لانے کی کوشش کی ہے۔

کسی نے اس کے متفرق قطعات کو علیحدہ منظوم عنوانوں سے سجایا ہے۔ کسی نے اس کی قدیم زبان میں اصلاح دے کر مروجہ زبان میں تبدیل کر دیا ہے۔ بعض نے اس کی قبولیت سے فائدہ اٹھانے کی خاطر اپنی تالیف کا نام "خالق باری" رکھ دیا ہے۔ میں سب سے پیشتر خالق باری اور اس کے خوشہ چینوں کا ذکر کرتا ہوں۔

(۲۸) **مطبوع الصبیان:** گویا یہ خالق باری کی قدیم اور مکمل اشاعت ہے جس میں چھپن فصلیں اور دو سو پینتیس ابیات ہیں۔ مروجہ "خالق باری" اس کا ایک اختصار ہے۔ میں اس کی بعض خصوصیات کا گذشتہ اوراق میں ذکر کر چکا ہوں۔

(۲۹) **مطبوع صبیان از صفی:** دراصل یہ "خالق باری" ہے، جس کے اشعار کو بہ تطابق اوزان عروضی مرتب کیا گیا ہے۔ یعنی ہم وزن ابیات کو علیحدہ علیحدہ جمع کر دیا گیا ہے اور جدت یہ کی ہے کہ بہ تقلید "نصاب الصبیان" بحر و وزن شعروں میں بیان کر دیئے ہیں۔ صفی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ "خالق باری" کے دراصل ایک سو ستر اشعار تھے۔ صفی نے ان میں ایک سو بیس اپنی طرف سے اسی مضمون پر اور اضافہ کیے۔ حمد و نعت و دیگر تمہیدی اشعار ملا کر کل میزان تین سو چھپن شعر ہو گئے۔

ابتدا: "بحمد اللہ کہ از فضل و عنایت
ھدایت را رساند او نہایت"

حمد و نعت کے بعد صفی کہتے ہیں:

زتلمیذان یکی احباب مسرور
کہ گوبند رام بود از نام مشہور
برغبت گفت تا تنظیم و تردیف
امیر خسرو دھلی بہ تصنیف
بگفتا نام خالق باری او را
ولی ابیات از افتاد بیجا

گر از فن عروضی و قوافی
شناور آشنای بحر صافی
بهر بحری که باشد کن تو یکجا
که ابیات پراگنده است بیجا
برای خاطر آن دوستداری
قبول از چشم و سر کردیم کاری
بصد محنت چو بنمودیم تالیف
بسعی تام این ابیات تصنیف
لغات چند را در نظم کردیم
به تهجی ملحقات آن را شمردیم
شمار یک صد و هفتاد ابیات
ز تصنیف بود ابیات اثبات (کذا)
همه ابیات الحاقی به تزئین
به تعداد آمدند یک صد و عشرین
کنی گر ضم ازان افراد دیگر
چنانچه از قطعهٔ عنوان اکثر
چو بیت کهنه و نو را کنی گنج
شود سی صد دگر پنجاه و هم پنج
صفی را گرچه این رغبت نبوده
برای خاطر یاران نموده

زخوانندہ مرا اینست امید

دعای عافیت بکنند جاوید

چو ہر کودکان گردند تبیان

ہمی یافتہ مطبوع صبیان "

اصل کتاب کا آغاز تمہیدی اشعار کے ساتھ یوں ہوتا ہے :

"اول حمد خدا کا یار

جس نہیں ہے دو جگ اظہار

فعلن فعلن فعلن فاع

ہے متدارک کا بستار

خالق باری سرجن ہار

واحد ایک بدان کرتار "

یہ تالیف بارھویں صدی کے اواخر کی معلوم ہوتی ہے۔ صفی کے سامنے جو "خالق باری" ہے وہ وہی ہے جو بارھویں صدی میں رائج تھی اور مروجہ ومطبوعہ خالق باری سے ایک حد تک اختلافی عنصر کی مالک ہے۔

(۳۰) **ترمیم شدہ خالق باری مع شرح از منشی محمد بلاقی مدرس مدرسہ ملیرہ رامپور ضلع مظفر نگر**، مصنف نے "خالق باری" میں بعض ترمیمیں داخل کر کے مروجہ زبان کے معیار پر لانے کی کوشش کی ہے۔ بعض الفاظ کی حاشیے میں مع مثالوں کے تشریح کی ہے۔ مثالیں بھاشہ کے ابیات اور دوہروں سے تعلق رکھتی ہیں۔ ابتدا میں ایک صفحے کا دیباچہ ہے اور پھر اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔ مطبع حدیقۃ العلوم میرٹھ میں چھپ چکی ہے۔

(۳۱) **خالق باری اکرم از محمد اکرم** : سنہ ۱۲۰۵ھ میں تصنیف ہوئی اور سنہ ۱۲۶۲ھ میں مطبع مصطفائی نے چھاپی۔

آغاز : ”بول اے طوطیٔ شکر گفتار

کھول بحر خفیف میں منقار

فاعلاتن مفاعلن فعلات

پہلے کہہ حمد میں دو چار لغات

خالق و باری است نام خدا

پاک و پیدا کنندۂ دوسرا“

صفحات ۵۹ ، سطور ۱۹ –

خاتمہ :

” اگر خواہی کہ باشی واقف احوال تاریخش

زخالق باری اکرم برآور سال تاریخش

برآید یک ہزار و دو صد و پنج از سن ہجری

نمودم ہو بہو تفصیل از اجمال تاریخش“

(۳۲) خالق باری از سید غلام علی شاہ امروہوی المتخلص بہ ولی

ابتدا : ”پیدا کنندہ خالق و باری است پاک ذات

روزی دہندہ باشد رزاق کائنات“

کتاب میں عربی و فارسی الفاظ پر پوری توجہ ہے۔ ہندی الفاظ کم دیئے ہیں ۔ مثلاً

” ککڑی خیار باشد و لکڑی چو ہیزم است

مکڑی است عنکبوت و عقرب چو کژدم است “

تجنیس کا اکثر لحاظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ خاتمے میں کہا ہے :

” ہر لفظ را رعایت تجنیس مشکل است

برنقص من نگہ نکند ہر کہ کامل است “

اس کے بعد کہا ہے :

" ابیات چند مسکہ غلام علی ولی

تالیف تازہ ساخت بنام علی ولی

اصلاح خواہم از ہمہ مردان مصلحین

ترسم مگر ز شر شیاطین عیب چین

بس طول عرض غرض دلیل ملالت است

یک اختصار بہ ز ہزاران طوالت است

پنتیس صفحات، ۱۲ اسطور۔ چھپ چکی ہے۔

(۲۳) **اللہ خدائی از تجلی** : شروع میں تین منظوم صفوں کا ایک دیباچہ ہے، جس میں کہا ہے کہ ہندی و فارسی الفاظ کی شناخت کے لئے بپاس خاطر گھنور پسر شیر شاہ قانون گوی، میں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ مصنف طبقہ صوفیہ کا دلدادہ ہے۔ وہ خواجہ نقشبند سے امداد کا خواستگار ہے۔ بعد میں شیخ نظام الدین اولیاؒ اور امیر خسرو سے روحانی توجہ کا طالب ہے۔ اصل کتاب اس شعر سے شروع ہوتی ہے :

ہے صمد پاک اور احد یکہ

جان ام القریٰ کو تو مکہ

کتاب ایک شگفتہ اور خوش آیند رنگ میں لکھی گئی ہے۔ اس کی ہندی زبان زیادہ تر گوالیاری یا برج سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ کتاب ہندوستان میں رائج رہی ہے اور کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔ مطبوعہ نسخوں میں تاریخ تالیف سنہ ۱۰۶۶ھ ہے۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی ایک قلمی نسخے کی رو سے سنہ ۱۰۶۰ھ لکھتے ہیں۔

۱۶ صفحات۔

ابتدا :

" سر این نامہ را باسم بدا

کنم اول بنام پاک خدا "

(۳۴) **فرح صبیان از شیخ اسحٰق لاہوری:** یہ وہی شیخ اسحٰق ہیں، جو فارسی نصاب "منتخب صبیان" تالیف سنہ ۱۰۵۷ھ کے مصنف ہیں۔ "فرح صبیان" بھی اسی عہد کی تصنیف مانی جاسکتی ہے اور قدامت کے اعتبار سے "خالق باری" کے بعد آتی ہے۔

ابتدا: "بعد از سپاس و منت بسیار کردگار

صلوٰۃ بر محمد بی عدد بی شمار

اسحٰق بندہ گوید از فضل و لطف سبحان

این نکتہائی شیریں نامیدہ فرح صبیان"

صفحات ۱۵، سطور ۱۲۔ زیرِ نظر نسخہ سنہ ۲ جلوس احمد شاہ کا کتابت شدہ ہے، جو سنہ ۱۱۶۲ھ کے مطابق ہے اس سے ظاہر ہے کہ پنجاب میں یہ تالیف کم از کم گیارھویں اور بارھویں صدی میں تو مقبول رہی ہے۔

(۳۵) **فرح صبیان:** یہ بھی شیخ اسحٰق مذکور الصدر کی یادگار ہے اور رسالہ بالا سے اگرچہ بحر و وزن وہی ہے، مختلف ہے۔ اس کی زبان بھی اردو ہے۔ اگرچہ پنجابی کا بھی اثر موجود ہے۔

افتتاحیہ شعر:

"حمد و ثنا خدا را کو آفرید جان

کرد اختران معلق بر سقف آسمان"

کتاب کا نام اس شعر میں آتا ہے:

"مسکین ضعیف بندۂ اسحٰق این نکات

نامید فرح صبیان نادر عجب لغات"

رسالہ کے کل سات صفحے ہیں، سطور ۱۲۔

خاتمہ: "ابیات فرح صبیان با ذوق ہر کہ خواند

عجب العجب غرائب نادر لغات داند"

(۳۶) نصابِ سہ زبان المعروف بہ صمد باری یا جان پہچان
از میر عبدالواسع ہانسوی

ابتدا : "صمد پاک نرنجن جان

نبی پیمبر بسیٹھ پچھان"

الفاظ متناسب کو جدا جدا عنوانوں کے تحت میں جمع کر دیا ہے۔ مثلاً الفاظ قرابت، اعضائے جسم انسانی، غلہ، سبزیاں، میوے، ادویات وغیرہ۔ آخر میں مصادر مشہورہ وغیر مشہورہ درج ہیں۔ کتاب کی طرز شگفتہ ہونے کے علاوہ استادانہ اور ماہرانہ ہے۔ تمام کتاب میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ ہر مصرع میں عربی فارسی اور ہندی لفظ پابندی کے ساتھ بالترتیب لائے گئے ہیں۔

خاتمہ : عبدالواسع سے یہ کتاب

تین زبانوں کا ہے نصاب"

مصنف کی زبان ہریانی ہے، جو بعض خصائص میں اردو سے مختلف ہے۔

صمد باری جیسا کہ قبل ازیں عرض کر چکا ہوں، ہندوستان بالخصوص پنجاب میں بے حد مقبول رہی ہے اور بار بار طبع ہوئی ہے۔

(۳۷) **فتح الفہم** : اس رسالے میں عربی فارسی وار دو الفاظ بیان ہوئے ہیں۔ اردو الفاظ قلت سے لائے گئے ہیں۔ کتاب قصیدے کی طرز میں ہے اور بحر رمل مثمن محذوف و مقصور میں لکھی گئی ہے۔ مصنف جس کے نام سے ہم تاریکی میں ہیں، لکھتا ہے کہ یہ مختصر کتاب، جو ہر قسم کے الفاظ پر حاوی ہے، میں نے بچوں کی سمجھ تیز کرنے کے لئے تالیف کی ہے۔ اس میں فارسی الفاظ زیادہ اور اردو الفاظ کم ہیں۔

آغاز : "بعد از حمد و ثنائی پادشاہی بے نشان

الذی اوجد عدیماً فی الدھر از انس و جان"

خاتمہ : "این کتابی یادگیر از من بخوان کش نام آن

ہست فتح الفہم بہر فتح فہم طفلکان"

زابتدا وانتہا انشای من تقریر شد

ھای رابپردن کن (د) تاریخ نام کشس ازان (کذا)"

یہ تالیف بھی پنجاب کی پیداوار معلوم ہوتی ہے۔

(۳۸) نصاب از مصطفیٰ

ابتدا : "رؤف و رحیم وکریم وغفور

دیا ونت داتا اجالا است نور

خدیو و خداوند داور دھنی

غنی است دھنونت صانع گنی"

عربی فارسی اور اردو کا نصاب ہے۔ اشعار کی تعداد آٹھ سو کے قریب ہے۔ اردو نصابوں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ پیرایۂ بیان دلچسپ ہے۔

خاتمہ : "شش دبیست ویکصد ویک ہزار

زہجر نبی بود ای کام گار

جہان شاہ فرخ سیر شاہ بود

دوشنبہ دہم از صفر ماہ بود

کہ آورد این مختصر رد بہ کار

مگر ماند از مصطفیٰ یادگار"

(۳۹) فارسی نامۂ کلاں

آغاز : "پالن ہار خدا رب مالک

رسول پیمبر پیک ہے سالک"

آٹھ ورق، فی صفحہ بیس سطور سنہ ۱۳۳۰ھ میں مطبع قیومی میں چھپ گیا ہے۔

(۴۰) اسمای فارسی از نوندھ رای مؤلف دستورالصبیان

ابتدا: "پہلے جانو نام خدای

رام بہندی دیوُں بتائی"

اس کے الفاظ اردو کے مقابلے میں بھاشہ سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ مؤلف نے اس رسالے کا ذکر اپنی مشہور تصنیف "دستورالصبیان" کے دیباچہ میں کیا ہے۔ طبع ہو چکا ہے۔

خاتمہ: "دیسا چناں چنیں ہے ایسا

چہ ہے کیا چنانچہ جیسا"

(۴۱) قرآن مصحف: شروع کا بیت:

"قرآن مصحف رحمٰن خدای

نبی پیغمبر قربان فدای

سراب دھوکا بہتان دھانسہ

نوحہ ماتم روئیں کانسہ"

خاتمہ: "شریف بزرگ مسا ہے شام

فجر صبح آخر تمام"

کل ایک سو پچاس شعر ہیں۔

(۴۲) گنج فارسی از مہلہہ

ابتدا: "واحد نام خدا کا جان

جن نے دی ہم سب کو جان"

خاتمہ: "مہلہہ نے کہی کتاب

گنج فارسی کیا خطاب"

بلومہارٹ نے "فہرست مخطوطات ہندوستانی" میں اس کا نام "گنج نامہ" دیا ہے۔ پروفیسر موصوف کی

تقلید میں جناب نصیرالدین ہاشمی نے "یورپ میں دکنی مخطوطات" میں بھی یہی نام اختیار کیا ہے لیکن مصنف نے جیسا کہ خاتمے کے شعر سے ظاہر ہے "گنج فارسی" نام رکھا ہے۔

(۴۳) رازق باری از والہ

افتتاحیہ : "رازق باری حق ہے جان
اس کا نور نبی پہچان
آل اولاد اور یار اصحاب
قرآن بھیجی حق نے کتاب"

خاتمہ : "والہ اتنے موتی رولا
فرس لغت کے معنے بولا
جس نے پایا ذہن صافی
رازق باری اس کو کافی"

(۴۴) ایزد باری: شروع کتاب کے ابیات :

"ایزد باری ہست خدای
خالق قدرت بے پروای
دوست حبیب رسول محمدؐ
اللہ کے مقبول محمدؐ
آل و اصحاب سمیت درود
ہو ان پر از حد افزود
نسخہ نادر غور کرد
ایزد باری نام دھرد

لڑکوں کو ہوتی ارشاد
لفظ لفظ رہے ان کو یاد
اس میں ہیگی تین زبان
تازی ہندی فرس پچھان"

یہ مخطوطہ ناقص الآخر ہے۔

(۴۵) لغات السعید از محمد حصار

ابتدائیہ شعر: "رب پروردگار پالنہار
صانع و کردگار داں کرتار"

اردو فارسی اور عربی لغات بزبان فارسی بیان ہوئے ہیں۔ چونکہ زبان فارسی ہے، اس لئے چنداں جدید نہیں مانی جاسکتی۔ چودہ صفحات کا رسالہ ہے۔

خاتمہ: "شد لغات السعید این را نام
از محمد حصار گشت تمام"

یہ کتاب ایک حد تک مقبول رہی ہے اور کئی مرتبہ چھپی ہے۔

(۴۶) نصاب حسن عرف شمع انجمن از منشی حسن علی ولد محمد اسمٰعیل خاں متوطن بیدر

ان کا تخلص 'جم' ہے۔ کتاب ہذا مہورہ میں 'منور حسین اور رحمان علی کے لئے سنہ ۱۲۵۴ھ میں بعہد ناصر الدولہ نظام دکن' تالیف ہوئی ہے۔ مصنف کے سرپرست سید جلال الدین ہیں۔ میں ضروری اشعار مختلف مقامات سے لے کر یہاں درج کر دیتا ہوں:

"مرا جم تخلص حسن نام دان
کہ ابن محمد اسمعیل خان (کذا)
وطن گاہ من بلدۂ بیدر است
چہ شہری کہ از شہرھا برتر است

چو بگذشت بعد از رسول کبار
سن الف مائتین و پنجاه و چار
بدور شہ هند و دکھن پناه
سکندر سپہ ناصرالدوله شاه
مرتب شد این طرّهٔ انجمن
مسمیٰ باسم نصاب حسن
درین دور اگر دیدهٔ حق بین است
قدر دان سید جلال الدین است
مرا او خداوند نعمت بود
ریاض مرا ابر رحمت بود
لغت چیده تالیف کردم شتاب
که در مهوره نسخه شد لاجواب
خصوصاً پی خواندن نور عین
نکو بخت یعنی منور حسین
هم از بهر درس عزیز دلی
سعادت نشان یعنی رحمان علی "

کتب ذیل اس تصنیف کی مآخذ ہیں :

" لغتهای بسیار در هر زبان
درین مختصر می نمایم بیان
دری فارسی پهلوی نام نام
ز تازی و ترکی و هندی تمام

زکشف اللغات و زحل اللغات
زشرح نصاب و دگر نسخہ جات
زشرح شرف نامہ و مثنوی
ظہیری نظیری و ہم خسروی
زشرح گلستان و فرہنگ او
لغت ہا نوشتم زبس جستجو
رشیدی و خاقانی و انوری
مؤید زفان و دگر سروری
مدار الافاضل و کنز اللغات
لطایف و جامع و تاج دادات
شب و روز پیش نظر داشتم
جواہر ازان گنج برداشتم
زشرح و لغتہا و فرہنگہا
گہر ہا جدا کردم از سنگہا
جواہر ز ہر معدن انگیختم
ہمہ را بیک سلک آمیختم"

افتتاحیہ شعر: "بنام خداوند ام الکتاب
جس نے کر دانشا کتاب نصاب"

اس کتاب میں پانسو تیس اشعار اور بیالیس چھوٹے بڑے مختلف الوزن قطعات ہیں۔

چونکہ شد از فضل الٰہی ختم کتاب حسن دکذا،
بیک یک بیتش چون بشمردم پانصد و سی آمد بشمار"

خاتمہ : خدایا بحق رسالتماب

دعای حسن راکنی مستجاب"

بعض قطعات میں متناسب الفاظ کو علیحدہ علیحدہ جمع کر دیا ہے اور ہر قطعہ کی ابتدا میں اس کا وزن عروضی سمجھا دیا گیا ہے۔ایک حد تک الفاظ مترادف کی بھی رعایت کی گئی ہے۔

(۴۷) **قادر باری از فیاض عسکری** : سال تالیف ۱۲۱۰ھ۔عربی و فارسی و اردو الفاظ ہیں۔تشریحی زبان بھی اردو ہے۔

آغاز : "قادر باری اسم صفات

اللہ خدا ہے نام ذات"

تعداد اشعار دو سو، صفحات ۱۹، سطور ۱۱۔

خاتمہ : "سب پہ میری طرف سے ہو وے سلام

ان کا فیاض عسکری ہے غلام

دو سو بیتوں پہ ہیں کیا ہوں بس

سن اتھا ایک ہزار دو سو دس"

طبع ہو چکی ہے۔

(۴۸) **نصاب ؟** کتاب و مصنف کا نام معلوم نہیں۔نسخہ زیر نظر ناقص الطرفین ہے۔رسالے کا موضوع لغات ادویہ ہیں، عام لغات ضمناً آگئے ہیں۔الفاظ ابجدی ترتیب میں ہیں۔ہر حرف کا علیحدہ باب ہے۔مثلاً باب الف، باب الباء، باب التاء وغیرہ۔باب الالف کے ابتدائی ابیات یہ ہیں :

"اساس است چھرا الچ او تلا

کہ انزال بند انگترہ ہینگ را

اسا دراں اثیسوں تکر سونف داں

تو اسرنج شنگرف زاوّل بداں

ارض دھرتی و انگبیں شہد آکھ

بود ارزن چینا انگور داکھ

اثر کھوج آسیب دہکہ بود

کہ ابیض سفید اقرع گنجہ بود"

(۴۹) اللہ باری یا ذوق الصبیان از حافظ احسن اللہ احسن کاتب و معلم دہرگن

ابتدا : "بسم اللہ رحمٰن رحیما

حمد و صلوٰۃ و سلام سلیما"

(۵۰) فیض جاری از مولوی حافظ میر شمس الدین محمد مرحوم

ابتدا : "ہے جو اللہ جان اس کو خدا

ہے معک تیرے ساتھ الگ ہے جدا"

شعر کے قوافی میں تجنیس کی رعایت کا التزام کیا گیا ہے۔ عربی فارسی اور اردو الفاظ ہیں، صفحات ۴۴، سطریں ۱۶، طبع نولکشور، سنہ ۱۸۸۲ء۔

(۵۱) قادر نامۂ غالب

شروع کا بیت :

"قادر اللہ اور یزداں ہے خدا

ہے نبی مرسل پیمبر رہنما"

صفحات ۹، سطور ۱۶ گذشتہ صدی میں بے حد مقبول عام تھا۔

(۵۲) نصاب مختصر از مولوی قدرت اللہ احمد عاصی تخلص

لفظ 'مختصر' سے بہ تخرجۂ 'سہل' سال تالیف نکلتا ہے۔ عربی و فارسی و اردو کا نصاب ہے مگر اردو الفاظ بہت کم دیئے ہیں۔

ابتدا : "هست اللہ ایزد دگر گر
بازهم تنگری بحن ازبر"

طبع مطبع حسنی میر حسن رضوی، سنہ ۱۲۵۹ھ۔

(۵۳) نادر الترتیب مع فرہنگ (سنہ ۸۹۵ھ) از عزیز الدین احمد حلبیری نظر تخلص

صفحات ۴۴، سطور ۱۵۔ نظر صاحب نے بڑا مشکل کام سرانجام دیا ہے۔ اس نصاب میں چھ ہزار لغت اور تین سو مصدر بیان کئے ہیں۔ آخر میں ایک فرہنگ ہے۔ دو دیباچے نظم و نثر میں، چھ سو بارہ شعر، دو باب اور تیرہ فصلیں ہیں۔ آخر میں فارسی کے موٹے موٹے قاعدے بیان ہوئے ہیں۔ کتاب کئی مرتبہ چھپی ہے۔

آغاز کا بیت :

" حی حق رحمٰن صمد رب نور احد اللہ خدا
اور پیغمبر نبی احمد محمد مصطفےٰ "

(۵۴) حمد باری از عبد السمیع رامپوری برای وحید الدین پسر حافظ عبد الکریم برادر الٰہی بخش :

یہ وہی عبد السمیع ہیں، جنھوں نے "انوار ساطعہ" لکھی تھی اور اس کی تردید میں "براہین قاطعہ" وجود میں آئی۔ ابتدا میں ایک نثری دیباچہ ہے جس میں کہا ہے "چونکہ "خالق باری" پنجابی اور سنسکرت کے لفظوں سے بھری ہوئی ہے، جن کے سمجھنے سے بچے قاصر ہیں، اس لئے افادۂ عام کی غرض سے یہ کتاب مروجہ اردو میں لکھی گئی۔

ابتدا : " حمد باری لکھ کے اور نعتِ رسول
جو لکھے بیدل کر دو دل سے قبول "

صفحات ۲۴، سطور ۱۲–۱۴ مع ذیلی حواشی۔ مطبع مجیدی کانپور۔

(۵۵) مفید البحث از منشی جمیعت علی :

مصنف نے منثور دیباچے میں کہا ہے کہ بحث الابیات (یعنی بیت بازی) میں کوئی رسالۂ لغات ایسا نہ تھا، جس کی مدد سے طلبا لغت جلد یاد کر سکیں اس لئے بندہ نے یہ رسالہ بترتیب حروف تہجی کتب معتبرہ مثل "غیاث اللغات" "کشف اللغات" وغیرہ سے

منتخب کر کے تدوین کیا۔ اور نام "مفید البحث" رکھا۔ تاکہ یہ لغات طلبہ کے دل پر نقش ہو جائیں۔ اس رسالے میں دوسو دس ابیات اور ایک ہزار ستر لغات ہیں۔

ابتدا : " اول پڑھ تو ای درسی اثیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدعا کہہ بعد اپنا برملا

ہے ترے جو پردۂ دل میں چھپا

اللہ و یزدان و ایزد ہے خدا

اور نبی مرسل ہے مرشد رہنما "

تاریخ کتاب :

" یہ ہے اس کی تاریخ ہجری سنو

کہ بارہ کے اندر رکھو تیس کو

عیاں ہووے اس سے تو کر لو حساب

یہ ہے مات کرنے میں اچھی کتاب "

گویا سال تصنیف ۱۳۰۲ھ ہے۔ تعداد صفحات ۲۰، سطور ۱۲۔

(۵۶) **تلنگی قیل وقال از افضال** : اس میں اردو اور تلنگی زبان کے الفاظ ہیں۔

شروع کتاب :

" رمز نئے سنو یار ڈیوڑ اساحی حق جبار

بھگوان اللہ رام رحیم مہادیو آدم ہری کریم "

خاتمہ :

" حفظ رکھے جو یہ افضال

آوے تلنگی قیل و قال "

(۵۷) بالک باری از پنڈت بلرام کشمیری : دیباچے میں لکھا ہے۔

" بفضلِ ایزد بیچوں کہ ہست ایارانت
بحکم راؤ بینی سنگھ و راجۂ بلونت
کہ ہر دو نیر سعدین برج مملکت اند
ز نور عدل چو خور رونق جہاں دارند
نمود بالک باری بطرز نو تقریر
بشہر الور بلرام پنڈت کشمیر
کہ وقت خواندن آسان بود بہ مبتدیان
لغات عربی و ہندی و فرس ہر سہ زبان
امید ہست کہ فضلا بجای سہو و خطا
کنند کلک ہدایت روان زروی عطا"

اصل کتاب اس شعر سے شروع ہوتی ہے :۔

" خدای و خالق واللہ و رب بدان کرتار
مجید اتم د پروردگار پالن ہار "

خاتمہ :

" ہزار و چار صد و پنجہ گشت جمع لغات
دو صد و شصت و چہار آمدہ ہمہ ابیات
ہزار و ہشت صد و ہشتاد از بکرماجیت
متی زکاتک سدتیرس است و روز ادیت
بوقت نیک بخوبی باختتام رسید
کتاب بالک باری بحق رب مجید"

(از کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی)

اس موقع پر مجھے دو گوجری نصابوں کا ذکر کرنا چاہیئے، جن کے متعلق پروفیسر نجیب اشرف نے ہندوستانی اکیڈمی کے سہ ماہی رسالے "ہندوستانی" (بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۱ء) میں اطلاع بہم پہنچائی ہے۔ ان میں پہلے رسالے کے ابتدائی شعر ہیں :

"اللہ خدا کرتار الخالق آفرینندہ سرجنہار
الرسول پیغمبر بسیٹھ الاصحاب یاراں میٹھ
الدنیا گیتی سنسار الاحمق ناداں گوار

الجنت بہشت سرگ السقر دوزخ نرگ

الیوم روز دیس الشعر موی کیس

اللیل شب رات القول گفتار بات"

دوسرا رسالہ بے حد اہم معلوم ہوتا ہے، جو سات سو اشعار کا حامل ہے۔ اکہتر اوراق، فی صفحہ ۹ مصرع ہیں۔ جو نسخہ پروفیسر صاحب کے زیر نظر ہے، سنہ ۱۱۰۱ھ کا کتابت شدہ ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ اس رسالے سے قبل کی تالیف ہے۔ گوجری الفاظ کو اصل لغت قرار دیا گیا ہے اور ترتیب آخری حرف کے اعتبار سے رکھی گئی ہے۔ ہر لفظ کی حاشیے میں بزبان عربی تشریح کی گئی ہے۔ شارح نے بعض مقامات پر اپنا نام ابراہیم دیا ہے۔

ابتدا : "الا اللہ پرستیدہ پوجیا
المعلوم دانستہ بوجھیا
المحمد ستودہ یکھانیا
المعروف شناختہ پچھانیا"

خاتمہ : "العطاء داشاد گاندھی
الھبوط بادگرد آندھی
الرمکہ مادیاں گھوری
الرداء چادر پچھوری"

پنجابی زبان کے نصاب

(۵۸) واحد باری

ابتدا : " واحد باری ایکو سائیں

ایکو نام سہنس نائیں "

یہ رسالہ مختلف بحروں میں "خالق باری" کی طرز میں لکھا گیا ہے - فارسی و پنجابی الفاظ درج ہیں - ہر نئی بحر کے عنوان میں ایک ایک فارسی شعر ترکیب بند کے طور پر لایا گیا ہے ، جو دونوں بحروں میں حدفاصل ہے - ۲۶ صفحات ، سطریں گیارہ -

خاتمہ : " واحد باری جگ جگ رہے

پڑھے جو فارسی ماں سبھ رہے

سولھا سے اناسی سمت

واحد باری کردم تمت "

بعض نسخوں میں 'اناسی' کی جگہ 'تراسی' ملتا ہے - سولہ سو اناسی بکرمی سنہ ۱۶۲۲ء اور ۱۰۳۲ھ کے مساوی ہے - ایک نسخے میں تاریخ ہجری یوں دی ہے :

" واحد باری جان ہوئی طیار

سنہ ہجری دا ایہ شمار

ایک ہزار اکتالیہ سال

رب دا ہویا فضل کمال "

پنجابی زبان میں " واحد باری " کو وہی رتبہ حاصل ہے جو اردو میں " خالق باری " کو دیا گیا ہے - متعدد بار چھپ چکی ہے -

(۵۹) رازق باری از اسمعیل : حاجی خان کے زمانہ میں لکھی گئی ہے - سال تالیف سنہ ۱۰۷۱ھ

لفظ "اغنک" سے برآمد ہوتا ہے۔ دیباچہ میں کہا ہے۔ بندہ اسمٰعیل عرض کرتا ہے کہ گذشتہ شعرانے بچوں کے نصاب بہت لکھے ہیں۔ میں نے بھی یہ چند اشعار لکھ دیئے اور کتاب کا نام "رازق باری" رکھا ہے۔

چنانچہ : " اول گویم حمد خدا

خالق رازق بی ہمتا

گوید بندہ اسمٰعیل

اندک رخت متاع قلیل

شاعر پیشیں بسی کتاب

از پی طفلاں کرد نصاب

بندہ احقر عدم لیاقت

بیتی چند درخور طاقت

از پی طفلاں کرد نصاب

رازق باری نام کتاب

ہست زمانہ حاجی خان

صاحب عادل عالی شان

گر تو بخواہی سال تمامش

"اغنک" بشمر ز ابجد نامش

گوید اسمٰعیل فقیر

حرفی چند قلیل کثیر"

اصل کتاب یوں شروع ہوتی ہے۔

"رازق باری روزی دیندا

کس ناکس کوں کرم کریندا"

اس کے بعد جدا جدا عنوانوں کے ذیل میں ایک ہی جنس و قسم کی اشیاء کا ذکر کر دیا ہے۔ مثلاً پارچات، مرغان، اشیاء کانی، اوقات، اقوام و پیشہ وران، اسپ دستور، آلات زراعت، فصلیں، درخت، میوے، اسباب خانہ، اسماء اقارب، ماہ و روز، اسباب عمارت، آلات نجاری، زیورات، اسباب چرخہ، رنگریز، نعلین دوز، آوند خانگی، سرود، قلعہ، خوشبوھا، امراض و اسباب۔ کیف۔ عربی و فارسی و پنجابی الفاظ۔

"واحد باری" اور "رازق باری" پنجابی نصابوں میں بے حد مقبول رہی ہیں۔ حضرت وارث شاہ نے اپنی مشہور تصنیف "ہیر" میں ان دونوں کا ذکر اشعار ذیل میں کیا ہے :

اک نظم دے درس ہر کرن پڑھدے نام حق تے خالق باریاں نے
گلستاں بوستاں نال بہار دانش طوطی نامہ تے رازق باریاں نے
منشیآت نصاب تے ابوالفضلاں شاہنامیوں واحد باریاں نے
قرآن السعدین دیوان حافظ شیریں خسرواں لکھ سواریاں نے

(۶۰) ہندوی فارسی معروف بہ ایزد باری از کھرل پسر سائینداس ساکن سنام۔

ابتدا :

"ایزد باری سرجن ہار
بزرگ بڈا کہوں کرتار"

مصنف کا نام اس شعر میں آتا ہے :

"عرض کنندہ کھرل نام
پسر سائینداس ساکن سنام"

کتاب کی زبان اگرچہ پنجابی ہے، لیکن کہیں کہیں اردو کا اثر بھی نمایاں ہے۔ آٹھ آٹھ نو نو شعروں کے بعد بحر بدل گئی ہے اور دونوں بحروں کے مابین امتیاز کے لئے فارسی شعر لایا گیا ہے۔

خاتمہ : یاراں سے پنج سن رسول
گشت ختم نسخۂ قبول

بندہ عاجز کھرل نام
ہندوی فارسی کرد تمام"

(۶۱) ناصرباری از مفتی شمس الدین

افتتاحیہ : ہست ناصرباری ای مرد جواں
در زبان فارسی ہندوی کہاں"

سبب تالیف میں مفتی صاحب کہتے ہیں :

"شمس دین مفتی فقیر مستمند
ساختہ تصنیف ایں اوراق چند
روز دوشنبہ بوقت نیمروز
شد تمام این نسخۂ بس دلفروز
سن ہجری را بدان بی قیل وقال
یک ہزار و یک صد و ہم ہشت سال"

(۶۲) صنعت باری از گنیش داس بدہرہ قانون گوی گجرات

ابتدا :

"صنعت صانع ہمی گویم
لغتہا فارسی ہمی جویم
صنعت باری اپرا پار
دیتے رنگ برنگ بہار
ایشر اللہ ایزد خوان
تنگری نامش ترکی دان
فلک آسماں دھرت زمین
گیتی عالم دیکھ ببیں"

کل پینتیس صفحات ، فی صفحہ ۱۲ سطور -

خاتمہ : " جگ وچ رہیا گنیشا نام
صنعت باری جھٹی تمام
صنعت باری لکھی نجاوے
عقل فکر سبھ غوطے کھاوے
جو کوچھ آیا وچ قیاس
سو لکھیا رب دی آس
جے پوری تاریخ پوچھائیے
'صنعت' کہتے دوبارہ پہائیے "

یعنی لفظ 'صنعت' کی تکرار سے اعداد ۱۲۲۰ (سنہ ہجری) پیدا ہوتے ہیں -

(۶۳) **واسع باری از یکدل** : ان کا نام غالباً نور احمد چشتی ہے ، جو تحقیقات چشتیہ و دیگر کتب مشہورہ کے مصنف ہیں - اس نصاب کی تالیف کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی اور فارغ التحصیل ہو چکے تھے -

آغاز : " واسع باری صاحب جان
واحد ایک شناس پچھان "

خاتمہ : " ہویا ہے یکدل وچ لاہور
جو اوہ نور سیں ہے پر نور
یکدل کی عمر اٹھاراں برس
ہویا ہے اب فارغ درس
سن ہے باراں سو اک تیس
آگے احمد کے ہے سیس "

(۴۶) نصاب ضروری از خدا بخش

شروع کے اشعار:

" حمد و ثناء خدا را وافر

خالق رازق واہب غافر

زاں پس نعت رسول مکرم

صلے اللہ علیہ وسلم

بادا فضل خدا بر آلش

بر اصحاب عمیم نوالش

گفت خدا بخش از پئے طفلاں

مختصری بعبارت آساں

کرد نصاب ضروری نامش

بتاریخ زماں تمامش "

اصل کتاب اس شعر سے شروع ہوتی ہے:

" غافر باری بخشن والا

اوسدا کم ہے سر دیاں ٹالا "

یہ رسالہ مختلف ابواب میں منقسم ہے، جن میں الفاظ متناسب درج ہیں۔ مثلاً باب در اجناس عالم، در حیوانات، لبنات، اسباب چاہ، اسباب زراعت، قسم ہائے غلہ، بقولات، الاشجار، اقسام شیرینی، اطعمہ، اقربا، ازدواج، اعضا و اجزا، ملبوسات، الطیور، الاحجار، معدنیات، سال و ماہ وغیرہ، اسباب کوزہ گران، نجاران، بافندگان، گازران، حدادان، کفش گران، مزامیر، اسباب مختشمان، مشمومات، امراض اوجاع، بساتین، در لغات شتی۔ در فصول اربعہ۔

یہ کتاب پنجابی نصابوں میں خاصہ اہم معلوم ہوتی ہے اور چھپ بھی چکی ہے۔ میرے سامنے جو

نسخہ ہے وہ لارنس پریس لاہور کا ہے۔ مطبوعہ سنہ ۱۲۸۲ھ، صفحات ۳۲، سطور ۲۱۔

(۶۵) فارسی نامہ از عبدالرحمٰن ابن محمد قاسم قصوری: مصنف کا بیان ہے کہ میں نے یہ کتاب اپنے فرزند میاں محمد کے لئے لکھی ہے۔

چنانچہ: "اس پچھے کہندا عبدالرحمٰن

ابن محمد قاسم جان

ساکن نہے اوہ وچ قصور

رب رکھے دایم وچ سرور

واسطے خاطر برخوردار

کیتی ایہ کتاب طیار

میاں محمد اس کا ناں

رب رکھے اس نوں وچ اماں

فارسی نامہ نام کتاب

اس دے اندر نے دس باب"

معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نصاب کی دو اشاعتیں ہیں۔ پہلی یہی جس میں دس باب ہیں۔ دوسری اشاعت میں جو چھپ بھی چکی ہے، تیرہ باب بہ تفصیل ذیل ہیں:

(۱) خویشان (۲) قوم مقامی (۳) غلہ (۴) درختاں (۵) جانوراں (۶) اعضا (۷) طیور (۸) ارض (۹) حساب (۱۰) دوازدہ ماہ (۱۱) روز (۱۲) وزن (۱۳) دارد۔

شروع کا شعر:

"اللہ واحد ایک خدا

جس پیدا کیتا ارض وسما"

خاتمہ :

" ایہہ سب ہویا اچھا کم
فارسی نامہ ہویا تم" (مطبوعہ)

لیکن ایک مخطوطے میں یہ خاتمہ ہے :

" بگو کلمہ طیب صحی صدق جان
بہ دنیا رزق در قیامت امان"

اس کے بعد یہ شعر آتا ہے :

" تاریخ این بنای چو پرسیدم از خیال
گفتا یکی ہزار و دو صد بیست و پنج سال"

اس شعر میں لفظ 'بنا' سے گمان ہوتا ہے کہ یہ تاریخ تالیف کتاب نہیں ہے۔ بلکہ کسی عمارت کی تاریخ ہے۔ ممکن ہے کہ کسی نے خاتمے میں یوں ہی اضافہ کر دی ہو۔

(۶۶) **بادسہل** : فارسی اور پنجابی کا رسالہ ہے۔ نہ مصنف کا نام ہے نہ کوئی دیباچہ اور خاتمہ۔

ابتدا :

" باد سہل شناس پچھان
خداوند پادن ہارا جان"

خاتمہ :

" مبدا اساس درست ہے پورا
پر بھر یا کمتر ہے تھوڑا"

کاتب کا خاتمہ :

" تمت تمام شد کتاب بادسہل برای خواندن برخوردار کرم داد ولد چودھری اللہ دین تحریر یافت بروز دو شنبہ بوقت چاشت روز ماہ ساون سنہ ہجری ۱۲۳۴، سمت ۱۸۷۴، صفحات ۱۵، سطریں چودہ "

(۶۷) اللہ باری - ابتدا کا شعر:

"اللہ نام واحد ایک جان
نیاز بندگی ناز ہے گمان"

اس نصاب کے مصنف اور عہد تصنیف کا مجھ کو کوئی علم نہیں۔ غالباً یہ وہی ہے، جس کا ذکر ہیر وارث شاہ میں آتا ہے۔ میرے پاس اس کے دو نسخے ہیں۔ پہلا سنہ ۱۲۴۶ھ میں نقل ہوا ہے۔ دوسرا سمت ۱۸۸۷ بکرمی میں۔

خاتمہ: "اللہ باری پہنچی تمام
اللہ کرسی سبھو کا کام"

صفحات بیس، سطور سات۔

(۶۸) قادر باری از مظفر

ابتدا: "قادر باری کرن ہار
جو کچھ کرے نہ لاوے بار"

دیباچے میں کہا ہے کہ میرا وطن اصلی 'پاندکی' ہے، 'منچر' میں پیدا ہوا اور اب اندر کوٹ[1] میں مقیم ہوں' جو فیض پور سے ایک کوس پر جانب جنوب واقع ہے:

"آکھہ مظفر رب دا نام
تا ہووے سبھ تیرا کام

---

[1] فاضل مولف کو سہو ہوا ہے۔ گاؤں کا نام غالباً اندر کوٹ نہیں بلکہ نواں کوٹ ہے۔ مصرعہ محولہ زیریں:

اندر کوٹ نویں وی آیا

میں لفظ "اندر" حرف جار ہے۔ مصنف کی مراد موضع نواں کوٹ سے ہے جو لاہور شرقپور روڈ کے نواح میں واقع قدیم گاؤں فیض پور کلاں سے جانب جنوب ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے (مرتب)

جدی اصلی میرا تھانوٗ
پاندوکی ہے اوسدا ناوٗ
منچر وچ تولد میرا
جس وچ کیتا عیش گھنیرا
دانے پانی اوتھوں چایا
اندر کوٹ نوینڈی آیا
فیض پوروں ہے جاگھ اوہ
دکن پاسے اک کروہ
دل وچ آیا ایہ دھیان
قادر باری کراں بیان
دلوں بنائی جوڑ تمام
برکت نبی علیہ السلام"

اصل کتاب اس شعر سے شروع ہوتی ہے :

"عیش مسرت خوشی کو جان
چن قمر مہتاب پچھان"

تعداد اشعار دو سو پینتیں۔
خاتمہ :

"تمت ہوئی قادر باری
مرشد کیتی مینوں یاری
روز تریجھے چھنچھر وار
ہوئی ماہ ویساکھ تیار

باراں سے ترئی شمار
سنہ ہجری دا بجھ ہنجار
منظفر عاجز آکھ سنائی
جیکو اس توں پڑھے پڑھائی
خاتمہ خیر لیا دے یاد
اس نوں رب رکھے دلشاد "

(۶۹) **رازق باری از مصطفٰے** - شروع کا بیت :

"رازق باری دیون ہار
پاک منزہ پڑھو کرتار"

کتاب ہذا غالباً سنہ ۱۰۸۵ھ میں گدڑ ونڈ علاقہ ایمن آباد میں لکھی گئی ہے -
چنانچہ خاتمے کے اشعار :

"ختم اوڑک مرتب سارا
گشتہ ہویا حیلہ چارہ
مصنف شاعر مصطفٰے نام
رازق باری کیتی تمام
ساکن وسدا قریہ پنڈ
دفتر کرتو گدڑ ونڈ
عملہ لگدا امن آباد
سال برس چتاہ کوں یاد
سہنس ہزار ہشتاد کوں اسی
پنج کوں پنج لود کوں سی"

اس میں حسب ذیل ابواب ہیں :

(۱) اسامی ہفتہ (۲) اعضای انسانی (۳) عزیزی وخویشی (۴) پیشہ وران (۵) چرند پرند (۶) درختاں (۷) اسباب خانگی (۸) افعال امریہ۔ اشعار دو سو۔

(۷۰) رحمت باری از مولوی رحمت اللہ ساکن کوٹ بھائی ضلع فیروز پور متوفی سنہ ۱۲۷۷ھ

ابتدا :

"حمد ثنا خدا سچے نوں کہاں درود رسول
ہور آل اصحاب جو تابعین اللہ دے مقبول"

دیباچے میں کہا ہے :

"معنے بہت عبارت تھوڑی یا دوں نفع پچھان
عربی فارسی لفظ ضروری بجھ پنجاب زبان
نام جو اس کتاب دا رحمت باری جان
رحمت باری نال جو ہو دے کتاب آسان"

اصل کتاب یوں شروع ہوتی ہے :

"واحد احد یک ایک ہے خالق سر جنہار
رازق داتا رب جو پالے بخشنہار غفار"

عام لغات و مصادر بیان ہوئے ہیں۔ آخر میں بعض صرف فارسی سے تعلق رکھنے والے قواعد لکھے ہیں۔ تعداد اشعار تین سو تینتیس، صفحات ۲۹، سطور ۱۲۔

خاتمہ :

"پر تقصیر گناہی عبدی بندہ ناؤں رحمت اللہ
مہر اللہ تصنیف جو جوڑی سود نفع خلق اللہ"

سنہ ۱۲۳۲ھ تاریخ تالیف ہے :

یک الف تے دو صدسی دو ہزار دو سے بتری

ہجرت گذری نبی پیغمبر صلوٰۃ درود صحی "

خاتمے پر مولینا محمد عبدالرحمٰن نے مصنف کی بعض حکایات لکھی ہیں، جو ان کو ایک کامیاب عامل اور سیانا ظاہر کرتی ہیں۔

(۱۷) **اللہ باری از امید** : سنہ ۱۱۹۶ھ کی تالیف ہے۔ زبان اگرچہ پنجابی ہے لیکن اردو اثر سے بھی خالی نہیں۔

ابتدا : " اللہ باری دیئی پچھان

نبی رسول بیٹھہ بخوان "

صفحات ۱۲۔

خاتمہ : " کہے فقیر امید بچارا

فضل خدا کا اس پر نیارا

اللہ باری ہوئی تمام

دنیا اندر رہے مدام

گیارہ سے چھی نواں مال

ہجرت سال پیمبر داں "

میرے پاس جو نسخہ ہے کاتب نے اس کی تاریخ کتابت یوں دی ہے :

" اللہ باری لکھی تمام

بیست ہفتم شعبان کرام

ہجری سنہ پیغمبر کے

باراں سے بائی رہے " (سنہ ۱۲۲۲ھ)

(۷۲) فارسی نامہ از شیخ محمد

ابتدا : "اللہ واحد ایک پچھان
جن پیدا کیتا سبھہ جہان

سبب تالیف میں لکھا ہے :

"ایسوں پچھے ایہہ فقیر
شیخ محمد پُر تقصیر
کردا عرض ایہہ حضور
آگے یاراں علم وفور
فارسی نامہ کراں تیار
واسطے پڑھنے خورد و کبار
کرے جو اوہ بھی اسکوں یاد
ہووے فہم اور عقل زیاد "

خاتمہ :

" فارسی ہندی جوڑ شتاب
شیخ محمد کی ہے، کتاب"

یہی شیخ محمد ایک دیوان اور ایک انشا کے مالک بھی معلوم ہوتے ہیں۔ انشا میں وہ اپنے آپ کو شیخ محمد ولد شیخ عصمت اللہ ابن شیخ عمر دراز انصاری بیان کرتے ہیں۔ بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زمانہ منتصف اول قرن سیزدہم ہے۔ دیوان میں کبھی تخلص شیخ محمد ہے اور کبھی شیخ احمد ہے اور ہر ردیف میں ایک ایک غزل درج ہے۔

" فارسی نامہ" کے صفحات ۱۸ اور فی صفحہ ۱۴ سطریں ہیں۔

وارث شاہ نے مذکورۂ بالا "خالق باری" "واحد باری" و "رازق باری" کے علاوہ تین اور نصابوں

کا ذکر "ہیر رانجھا" میں کیا ہے۔ یعنی (۱) "اللہ باری"۔ مصرع :

" بدر چاچ کریما تے پند نامہ آمد نامیاں تے اللہ باریانی"

(۲) "اعظم باری"۔ یہ تالیف میری نظر سے نہیں گزری۔ مصرع :

" زلیخا نال بلند آواز پڑھدے نل دمن تے اعظم باریانی"

(۳) "صادق باری"۔ یہ کتاب بھی میں نے نہیں دیکھی۔ مصرع :

" سکندر نامہ تے نال انوار سہیلی حاتم نامہ تے صادق باریانی"

خالق باری

(از "اورینٹل کالج میگزین" بابت ماہ نومبر ۱۹۲۶ء)

یہ وہ خوش قسمت کتاب ہے جو بالاتفاق حضرت امیر خسرو دہلوی کی طرف منسوب ہے۔ تذکرہ نگاروں نے اس کے متعلق حسبِ معمول مبالغے سے کام لیا ہے۔ مولوی محمد امین صاحب چریاکوٹی فرماتے ہیں کہ "اس میں کئی ہزار اشعار تھے"۔ مولانا محمد حسین آزاد کا بیان ہے کہ "کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی" اور اپنے تخیل کی رنگینی سے کام لے کر یہ فقرہ بھی اضافہ کر دیا ہے کہ "وہ ایک بھٹیاری کے لڑکے کے لئے لکھی گئی تھی"۔ لیکن اگر تحقیق سے کام لیا جائے تو یقین ہے کہ یہ بیانات بے اصل ثابت ہوں۔ یہ بات تو عقل میں آتی ہے کہ بچوں اور مبتدیوں کے لئے جو کتابیں لکھی جاتی ہیں بالعموم مختصر اور رسالے کی شکل میں ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً حامد باری، رازق باری، واحد باری، اللہ باری، ایزد باری، صمد باری اور قادر نامہ وغیرہ جو سب کی سب اسی خالق باری کی طرز میں ہیں۔ یہ رسالے اکثر اوقات بچوں کو حفظ کرائے جاتے تھے، اس لئے ضروری تھا کہ مختصر ہوں۔

یہاں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خالق باری کے امیر کی طرف منسوب کرنے کے لئے ہمارے پاس کیا وجوہ ہیں۔ کلیات خسرو کے سلسلے میں ایک جلد موسوم بہ 'جواہر خسروی' بھی علی گڑھ سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں امیر کے متفرق کلام کے علاوہ مولوی محمد امین صاحب چریاکوٹی نے خالق باری کو نہایت محنت اور تحقیق کے ساتھ مرتب کر کے شامل کر دیا ہے۔ اس کے دیباچے میں مولانائے ممدوح ذیل کے بعض وجوہ کی بنا پر خالق باری کو امیر کی تسلیم کرتے ہیں:

(۱) "جیتل کا لفظ اس کتاب میں ملتا ہے، جو حضرت امیر کے زمانے تک ایک ہندی سکہ تھا اور آپ کے قریب عہد میں متروک ہو چلا تھا۔ یہاں تک کہ تاریخ میں اس عہد کے بعد اس کا نام بھی نہیں آتا"۔

میں اس کے متعلق اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ لفظ جیتل ہر زمانے میں ملتا ہے۔ مثلاً آئین اکبری میں جہاں اکبری عہد کے سکوں کا ذکر کیا گیا ہے ،۱۔ جیتل کو ایک فرضی سکّہ اور دام کا پچیسواں حصّہ مانتا ہے۔

مہابت خاں عہد عالمگیر کا ایک امیر ہے۔ وہ ایک عرضداشت میں جو سرتاپا شکایت سے مملو ہے، لکھتا ہے :

" مدار کار بر قاضی و قاضی بہ رشوت راضی۔ در غزنی و قندھار اشتہار یافتہ کہ مطربان باستقبال فرمان می شتابند و نرخ حسب الحکم موقوف بر دو جیتل افتادہ و اسد خان کہ ھنوز بوی شیر از دہانش نرفتہ وزیر اعظم و دستور معظم فرمودند ۔"

آنند بن ہیمراج گوالیری نے فن سیاق میں ایک رسالہ موسوم بہ "خلاصۃ السیاق" ۱۱۰۵ھ مطابق ۳۷ جلوس عالمگیری میں تصنیف کیا ہے۔ اس میں جیتل کا لفظ عام طور پر ملتا ہے، چونکہ یہ رسالہ چھپا نہیں ہے اس لئے یہاں ایک دو فقرے نقل کر دیئے جاتے ہیں :

" دستور معلوم کردن دامہا بہ حساب فی من : باید کہ مبلغ نرخ من را با دامہا ضرب نماید و حاصل ضرب را جیتل دانستہ پنجاہ جیتل یک تنگہ بگیرد۔ مثلاً فی من بیست تنگہ : قیمت پنج دام می باید۔ پس بیست را با پنج ضرب دادیم۔ حاصل ضرب یک صد جیتل بیامد و از ین دو تنگہ گرفتیم قیمت پنج دام معلوم شد ۔"

" اگر کسی پرسد فی من دہ تنگہ است دو آثار راچہ باید داد۔ باید کہ آثار را با تنگہای نرخ من ضرب دھد و حاصل ضرب را جیتل دانستہ بر چہل جیتل مقرر نماید۔ پس یک بہلولی قیمت دو آثار شد۔"

شیخ جنید کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو :

چو دزد اندر کیس باشد کرے جو نیند بنجارا

نباشد سود یک جیتل گوادے مول بھی سارا

جس زمانے میں جیتل کا سب سے زیادہ چرچا رہا ہے وہ امیر خسرو کے عین بعد ہے۔ سلطان فیروز شاہ

تغلق ۷۵۲ھ و ۷۹۰ھ نے اپنے عہد میں جیتل (ایک تنگہ کا پچاسواں حصّہ) کی تقسیم، جس میں نیم جیتل اور دانگ جیتل شامل ہے، کر دی تھی۔ چنانچہ مولانا شمس سراج اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

"سلطان فیروز شاہ فرمان فرمود کہ مہر نیم جیتل کہ آن را اڈا گویند و مہر دانگ جیتل کہ آن را پنکہ گویند وضع کنند تا غرض فقرائو مساکین حاصل شود۔"

جیتل کے لئے ہر عہد کی مثالیں بہم پہنچائی جاسکتی ہیں لیکن میں بخوف طوالت انہی امثال پر قناعت کر کے مولوی صاحب کے دوسرے استدلال کو بیان کرتا ہوں۔

(۲) "محاورات قدیم مثلاً 'میں تجھ کہیا' 'تو کت رہیا' 'باد اڑانی' (ہوا چلی) 'آکہنا' (دیکھنا) 'چاد' (شوق) وغیرہ ہم الفاظ کی گواہی سے خالق باری کا زمانۂ تصنیف عہدِ خسروی میں قطعی طور پر مقرر اور متعین ہوسکتا ہے۔"

یہ دلیل بھی مضبوط معلوم نہیں ہوتی کیونکہ 'میں تجھ کہیا'، 'تو کت رہیا' آج بھی ہندوستان کے دیہات میں بولے جاتے ہیں۔ "آکہنا" پنجابی زبان میں کہنے اور دریافت کرنے کے معنوں میں آج بھی آتا ہے۔ 'باد اڑانی' کے معنی خدا جانے مولانا نے 'ہوا چلی' کیسے لکھ دیئے کیونکہ مصرع

'خاک دھول جو باد اڑانی'

کا تعلق 'دھول' کے ساتھ ہے یعنی ایسی دھول جسے ہوا اڑا سکے۔ بہر حال ان میں کوئی بھی ایسا محاورہ نہیں جو محاورات قدیمہ کی فہرست میں شامل کیا جا سکے۔

(۳) تیسری وجہ مولانا نے مفصلۂ ذیل دی ہے "اس میں شک کرنے کے بہت کم وجوہ ہیں کہ خالق باری حضرت امیر خسرو کی تصنیف ہے اور یہ شائبۂ شک بھی خود خالق باری کے مقطع یعنی آخری شعر کو دیکھ کر بالکل رفع ہوجاتا ہے، جس میں لفظ خسرو موجود ہے اور جس شاعرانہ شوخی و فصاحت کے ساتھ یہ لفظ مقطع میں واقع ہوا ہے اور اس پر درد یشانہ انکسار کا طرہ دیکھ کر نا ممکن ہے کہ صحیح المذاق شخص اس کو تخلص نہ سمجھے اور صرف ایک لفظ با معنی مثل دیگر الفاظ یا معانی کے، جن سے خالق باری بھری ہوئی ہے،

قرار دے۔ وہ شعر یہ ہے:

مولوی صاحب سرن پناہ

گدا بھکاری خسرو شاہ

اس کی ترکیب بالکل وہی ہے جیسے آج کوئی خسرو نام کا شخص اپنے تئیں کسی تحریر میں خاکسار خسرو لکھ کر ختم کلام کر دے۔"

مولانا کا یہ استدلال زیادہ تر شاعرانہ رنگ میں ہے۔ اہل اللہ میں سادات نے اپنے نام سے پہلے یا بعد میں شاہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مثلاً شاہ نعمت اللہ ۸۳۲ھ، شاہ میانجی ۸۸۹ھ اور سید راجی حامد شاہ ۹۰۱ھ وغیرہ۔ لیکن امیر خسرو کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ شاہ کا لفظ اپنے تخلص کے آخر میں لا کر سادات کے نام کے ساتھ خواہ مخواہ التباس پیدا کر دیتے۔ اور نہ امیر کے زمانے میں فقرا کے نام کے ساتھ اس لفظ کا رواج تھا لیکن اس شعر میں سب سے زیادہ توجہ طلب مصرع اول ہے جس میں مولوی صاحب کی ترکیب موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ مولوی صاحب، منشی صاحب، پنڈت صاحب کی سی ترکیبیں امیر خسرو کے عہد میں رائج نہیں تھیں۔ مولوی صاحب درکنار تنہا مولوی کا لفظ بھی امیر کے عہد میں علما کے ساتھ نہیں ملتا۔ ایسے مرکب محض گزشتہ صدی کی مبتدعات سے ہیں۔ اس لئے ہمیں اس شعر کو جدید اضافہ ماننا پڑیگا۔ اور بات بھی یہی ہے کیونکہ اگرچہ یہ شعر مطبوعہ نسخے میں اسی طرح ملتا ہے۔ مگر قلمی نسخوں میں اس کی شکل بالکل مختلف ہے جو حسب ذیل ہے:

دو جگ رہا خسرو کا نام　　خالق باری ہوئی تمام

ایک اور نسخے میں یوں ہے:

دو جگ وچ رہیا خسرو نام

خالق باری ہوئی تمام

ان شعروں میں اگرچہ خسرو کا تخلص موجود ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ خسرو وہی مشہور امیر خسرو

ہیں۔ خسرو اور لوگوں کا بھی تخلص ہو سکتا ہے اور میرا خیال ہے کہ ہم نے خالق باری کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رکھی ہے۔ تاریخ و ادب میں اس کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ نہ امیر خسرو کی تصنیفات کے ساتھ اس کا شمار ہوتا اور نہ کوئی اسے جانتا ہے اور نہ اس کے قدیم نسخے دستیاب ہوتے ہیں۔ جس قدر نسخے ملتے ہیں بارھویں اور تیرھویں قرن ہجری کے نوشتہ ہیں۔ صرف ایک نسخہ ایسا ہے جو گیارھویں صدی سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ نسخہ برٹش میوزیم کی فہرست کتب فارسیہ میں " ردیل ۱۶ ب ۲ " ہے جو طامس ہائیڈ متوفی ۱۷۰۲ء مطابق ۱۱۱۴ھ کی ملک تھا۔ فہرست نگار کا بیان ہے کہ کسی فرنگی نے سترھویں صدی عیسوی میں نقل کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ اس نسخے میں مصنف کا نام مذکور نہیں ہے۔ انڈیا آفس میں ایک نسخہ نمبر ۲۴۴۸، سنہ ۱۱ جلوس محمد شاہی مطابق ۲۴ ربیع الثانی ۱۱۴۴ھ کا کتابت شدہ ہے لیکن اسی کتب خانے میں ایک اور نسخہ ۲۴۴۷ ہماری دلچسپی کے کچھ سامان رکھتا ہے اس کی تاریخ کتابت معلوم نہیں لیکن اس کا نام "مطبوع الصبیان" دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خالق باری کا اصلی نام 'مطبوع الصبیان' ہے۔ اس نسخے کے ساتھ نثر کا دیباچہ بھی ہے۔ فہرست نگار نے اس کا ایک پارہ نقل کر دیا ہے و ہو ہذا :

"الحمد للہ .... [بدان] اسعدک اللہ تعالیٰ فی الدارین کہ چند کلمۂ عربی و فارسی ہر یک با ترجمۂ ہندی برائے تعلیم صبیان بر طریق ریختہ [گفتہ آمد]۔"

بدقسمتی سے اس نسخے میں بھی مصنف کا نام مرقوم نہیں۔ اس رسالے میں چھپن فصلیں ہیں اور ہر فصل میں چار شعر ہیں۔ اس حساب سے اس کے اشعار کی تعداد دو سو چوبیس ہوتی ہے۔ کتاب کا آغاز حسب معمول خالق باری سرجن ہار الخ سے ہوتا ہے۔ اب یہ فصلیں یا تو متناسب الفاظ و لغات یا بحور کے لحاظ سے قائم کی گئی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رائج الوقت خالق باری کا شیرازۂ اشعار بہت کچھ درہم و برہم کر دیا گیا ہے حتیٰ کہ اس کا دیباچہ اور نام قطعاً بھلا دیئے گئے۔ سب سے دلچسپ دیباچے کا وہ پارہ ہے جس میں ریختہ کا لفظ موجود ہے۔ ریختہ کے موجد اگرچہ امیر خسرو ہیں لیکن ان کے ہاں وہ موسیقی کی ایک اصطلاح ہے اس دیباچے میں ریختہ نظم کے معنوں میں آیا ہے اور یہ وہ معنے ہیں جو ولی اور سراج کے ہاں ملتے ہیں۔ ریختہ بمعنی نظم گیارھویں صدی کے آخر میں ملتا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ کتاب مطبوع الصبیان مع دیباچہ اسی

قرن میں کسی وقت تصنیف ہوئی ہوگی۔

عالمگیر کے عہد میں اردو زبان کی طرف خاص توجہ کی جاتی ہے اور بچوں کے لئے یہی زبان ذریعہ تعلیم بن جاتی ہے اور بارھویں اور تیرھویں صدی میں خالق باری کے انداز کی درجنوں کتابیں لکھی جاتی ہیں مثلاً رازق باری، حامد باری، ایزد باری، واحد باری، صمد باری، مالک باری، اللہ باری اور رفادر نامہ میرزا غالب وغیرہ وغیرہ۔ جب اس قدر کتابیں دو صدی کے اندر اندر لکھی گئی ہیں تو ظاہر ہے کہ خالق باری بھی ان کے متصل زمانے میں لکھی گئی ہوگی۔ یہ امر قرین قیاس نہیں کہ خالق باری ۷۲۵ھ سے قبل لکھی جائے اس کے بعد پورے چار سو برس یعنی گیارھویں صدی تک اہلِ علم خاموش رہیں اور بارھویں اور تیرھویں صدی میں اس کی تقلید میں درجنوں کتابیں لکھی جانی شروع ہوں۔ میرے نزدیک خالق باری اس سلسلے کی ایک کڑی ہے اور اس کا زمانہ ہمیں دیگر تصنیفات کے زمانے کے قریب ماننا چاہئے۔

اگر خالق باری امیر خسرو کی تصنیف ہوتی تو صورت حالات مختلف ہوتی۔ اس عہد سے لے کر سینکڑوں کتابیں اب تک اس کی تقلید میں لکھی جاتیں۔ شارح اس کی شرحیں لکھتے۔ اہلِ لغات اس سے استناد کرتے اور کتاب مختلف فیہ لغات کے لئے ایک سندی ماخذ بن جاتی۔ بہت کم لوگ واقف ہیں کہ جس محنت اور مشکلات کے ماحول میں آٹھویں، نویں اور دسویں قرن ہجری کے ہندی فرہنگ نگاروں نے اپنی کتب لغات ترتیب دی ہیں۔ وہ ادنیٰ ادنیٰ شرحوں سے لغات جمع کرتے ہیں، کتابوں کے حواشی سے الفاظ لیتے ہیں، استادوں سے پوچھ رہے ہیں، خطوط و رقعات سے استناد کر رہے ہیں وغیرہ۔ اگر امیر خسرو اتنا بڑا مجموعہ لغات اپنی یادگار چھوڑ جاتے، جو کہا جاتا ہے کہ کئی ہزار اشعار اور کئی جلدوں پر شامل تھا تو کیا یہ فرہنگ نگار جو ایک درجن سے زیادہ ہیں، اس سے استفادہ نہ کرتے۔ یہ خیال کرنا کہ محض اتفاقیہ یہ کتاب ان کے ہاتھ نہیں لگی، بے حقیقت معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کتاب کو داخل نصاب مانا جاتا ہے اس لئے بچپن ہی سے ان کی واقفیت اس سے ضروری تھی۔

مولانا محمد امین صاحب نے اس یقین کے اندر کہ خالق باری امیر خسرو کی تصنیف ہے، شاعرانہ انداز میں دل کھول کر اس کی مدح سرائی کی ہے بلکہ نصاب الصبیان سے ایک قسم کا مقابلہ کر کے خالق باری کی

افضلیت کو تسلیم کر لیا ہے اور غالباً مولانا نے یہ سب کچھ محض عقیدتاً کیا ہے۔ کیونکہ حقیقتاً اگر ان کو مقابلہ منظور ہوتا تو نصاب الصبیان کے بجائے عبد الواسع کے نصاب یا قادر نامہ میرزا غالب سے مقابلہ کرتے، جو ہر حال میں زیادہ موزوں ہوتا۔ امیر کی وقعت ہمارے دل میں بھی اسی قدر ہے جس قدر کہ مولانا کے دل میں ہے لیکن خالق باری کا معاملہ اور بات ہے۔ میں امیر کی طرف اس تالیف کا انتساب امیر کی ہتک سمجھتا ہوں ہمیں اس کے نقائص پر بھی ذرا ایک نگاہ ڈال لینی چاہیئے۔

اس کتاب میں ہر قسم کی ترتیب کا التزام مفقود ہے۔ مضمون، الفاظ اور وزن میں کوئی ترتیب ملحوظ نہیں۔ ہندی الفاظ کے صحیح تلفظ کی کوئی پروا نہیں کی گئی۔ عربی، فارسی اور ہندی الفاظ کے مرادفات التزاماً نہیں دیئے۔ کبھی فارسی ہندی دے دیئے، کبھی فارسی عربی پر قناعت کر لی اور کبھی صرف ہندی الفاظ پر۔ پھر بھرتی کے الفاظ اس کثرت سے لائے گئے ہیں کہ الفاظ برائے بیت خالق باری کا دقیع پہلو بن گئے ہیں مثلاً:

باده شراب و راوق و صهبا می است و مد

گر جرعه زان توری تو کنی کار نیک ودید

میں آخری مصرع تمام و کمال برائے بیت ہے۔ پھر وہی الفاظ بعض اوقات دوبارہ دہرا دیئے ہیں۔ ان کی مثالیں دینا باعثِ طوالت ہے ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ کتاب نو عمر بچوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ اس لئے اس کی بحروں کا شگفتہ اور سبک ہونا ضروری تھا۔ لیکن تصنیف کی اکثر بحریں غیر شگفتہ اور ناہموار ہیں۔ پھر اوزان کی غلطیاں بھی موجود ہیں۔ ایک مصرع بڑھ گیا اور ایک گھٹ گیا۔ کوئی اوچھا اور کوئی لمبا ہو گیا مثلاً شعر: زر بود سونا سیم جیتل نقره روپا

جامه کپڑ ٹاٹ تپڑ ڈبه کوپا

جو بظاہر بحر رمل مسدس سالم میں ہے لیکن مصرع اوّل کی ابتدا میں ایک سبب خفیف زائد از وزن لایا گیا ہے اور شعر:

عقرب بتازی بچھو کژدم برج فلک

بشمر تو سروش و فرشته ملک

میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلا مصرع انگڑائی لے رہا ہے۔ اس کے وزن کی اگر تلاش کی جائے تو فارسی والے کہیں گے کہ کوئی ہندی وزن ہوگا اور ہندی والے کہیں گے کہ فارسی وزن ہوگا۔

آنے والے شعر میں :

توت فرصاد است کھیرا باد رنگ

چینکا آونگ ہندوی ڈھیل ہے درنگ

آونگ کا گاف اور ڈھیل کی لام زائد از وزن ہیں۔

بعض مقامات پر دیکھا جاتا ہے کہ مصنف مختلف موقعوں پر ایک ہی لفظ کے دو مختلف معنے دیے جاتا ہے۔ مثلاً ذیل کے دو شعر:

عنقا سیمرغ ہست لک لک ہے تیترا

ھم بارکش ریسمان ہے جیبڑا

طاؤس مور باشد و دراج تیترا

خوب دنکو بھلا و بد وزشت ہے برا

مصنف کے نزدیک تیتر کی فارسی لک لک بھی ہے اور دراج بھی۔ لیکن خود فارسی میں لگ لگ اور دراج دو مختلف جانور ہیں۔ دراج بے شک تیتر ہے لیکن لگ لگ کو اہل لغات یوں بیان کرتے ہیں:

"مرغی است مشہور کہ گردن و منقار و پای دراز دارد و مار را شکار کند۔"

حکیم سنائی فرماتے ہیں:

آن لگ لگ گوید کہ لک الحمد و لک الشکر

تو طعمۂ من کردہ آن مار ثریان را

اب ایسی غلطی امیر خسرو سے نہایت بعید ہے۔ کسی دوسرے موقعے پر خرما کے معنے ایک جگہ کھجور بتائے ہیں اور دوسری جگہ املی چنانچہ :

جان خرما ہندوی املی
دان صمغ گوند گلیم است کنبلی

ہندوی گویند خرما را کھجور
داکھ را تو فارسی می دان انگور

املی کو اگرچہ خرمائے ہندی کہا جاتا ہے لیکن جس طریق سے مصنف نے بیان کیا ہے، بے حد مغالطہ انگیز ہے۔ انگور کا تلفظ جس طرح شعر دوم میں کیا گیا ہے، وہ ہمیں پنجاب کی یاد دلاتا ہے۔ انگور کا یہ تلفظ امیر سے بعید ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ کتاب بچوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ شعر آیندہ میں مصنف سے ایک اور لغزش مشاہدہ ہوتی ہے:

فارسی سیمرغ و عنقا ہست تدرو کبک ہنس
ہمچو یرقان است کافور ہے زریر و نسل بنس

اس شعر میں تدرو، کبک اور ہنس تین مختلف پرندوں کو مصنف نے ایک مان لیا ہے۔ کبک کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ اسی کو ہم چکور کہتے ہیں۔ مصرع:

کبک کو ہندی میں کہتے ہیں چکور

میرزا غالب قاطع برہان میں کہتے ہیں:

"تدرو در فارسی طائری را گویند کہ بٹیر ہندی آنست۔"

اور دوسرے فرہنگ نویس کہتے ہیں:

"مرغی ست صحرائی شبیہ بخروس در نہایت خوش روشی و خوش رفتاری۔"

لیکن ہمارے لئے سب سے اہم یہ امر ہے کہ خود امیر خسرو کبک اور تدرو کو علی الرغم مصنف خالق باری علیحدہ علیحدہ پرندے تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ قران السعدین:

آنکہ پندی زپر خود تدرد
ماندہ چو پر کم شدگان زیر مرد
لالہ چو از کوہ برفت از شکوہ
کبک ببرید دل از بیخ کوہ

(ص ۴۷، طبع میر حسن رضوی)

قران السعدین میں دونوں شعر اسی ترتیب سے بلا فاصلہ ملتے ہیں جس سے اس احتمال میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ امیر کے نزدیک کبک اور تدرو دو مختلف جانور ہیں۔ اس لئے خالق باری کا مصنف اور امیر خسرو ایک شخص نہیں ہیں۔ لیکن صاحب خالق باری نے تدرو اور کبک کو ایک جانور کیوں تسلیم کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود بعض اہل لغات اس غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں مثلاً موید الفضلا میں تدرو کی تشریح میں ہم یہ عبارت پڑھتے ہیں:

" تدرو بفتحتین، کبک و آن پرندہ ایست آتش خوار و خوش رفتار کہ بکوھہا بود۔ کذا فی الادات [الفضلا]۔"

(ادات الفضلا، قاضی بدرالدین محمد دہلوی نے ۸۲۲ھ میں تالیف کی ہے) اب ظاہر ہے کہ صاحب خالق باری نے اپنی کتاب کی تالیف کے وقت ادات الفضلاء، موید الفضلاء ۹۲۵ھ یا کسی اور ایسی کتاب لغات سے امداد لی ہے جس کے مآخذ میں یہ کتابیں شامل ہیں۔

بیت ذیل بھی قابل توجہ ہے: نیا خال ہندوی ماموں جان
اور عمو کہئے چچا بکھان

'نیا' کے معتبر معنے دادا یا نانا ہیں۔ چنانچہ لغت فرس، فرہنگ جہانگیری، رشیدی، چراغ ہدایت اور آنند راج میں صرف یہی معنے دیئے ہیں۔ اور فردوسی علی العموم انہی معنوں میں لاتا ہے۔ مثال:

درو گر زمانست د ما چون گیا
همانش نبیره همانش نیا

مصنف خالق باری نہایت مشہور اور مستند معنوں کو صرف نظر کر کے غیر معروف بلکہ مشتبہ معنے 'ماموں' دیتا ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے یعنی ادات الفضلاً یا موید الفضلاء وغیرہ لغات سے نقل کر رہا ہے۔ چنانچہ موید الفضلاً میں اس لغت کے لئے کہا گیا ہے :

"جد، برادر مادر و برادر بزرگ"

لیکن یہ یاد رہے کہ آخری دونوں معنوں کے لئے ہمارے پاس کوئی معتبر سند نہیں ہے اور غالباً ایسے معنے ہیں جو ہندوستان میں بعض غلط فہمیوں کی بنا پر پیدا ہو گئے ہیں۔

خالق باری جیسی کتاب کی تصنیف کتب لغات کی امداد کے بغیر دشوار ہے۔ لیکن جو لغات مصنف کے پیش نظر ہیں، ایسی ہیں جو مغلوں کے عہد سے پیشتر ہندوستان میں لکھی گئی ہیں۔ کیونکہ جو لغزشیں ان کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کا عکس خالق باری میں بھی مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ خالق باری ان کتب لغات کے بعد لکھی گئی ہو۔ موید الفضلاء ۹۲۵ھ میں، کہا جاتا ہے، تصنیف ہوئی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ خالق باری اس کتاب کی تصنیف کے بہت بعد تالیف ہوئی ہوگی۔

خالق باری کو موید سے موخر ماننے کے لئے ہمارے پاس ایک اور دلیل بھی ہے، جو یہ ہے کہ موید الفضلاً میں بعض اوقات فارسی الفاظ کے ہندی مرادفات بھی دے دیئے گئے ہیں۔ جب ان ہندی الفاظ کا خالق باری کے ہندی الفاظ سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو موید کا تقدم خالق باری پر صریحاً ظاہر ہو جاتا ہے اور ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ موید کی زبان خالق باری کی زبان سے زیادہ قدیم ہے۔ میں یہاں چند الفاظ کی فہرست مقابلے کی غرض سے ناظرین کے پیش نظر کرتا ہوں :

موید الفضلاء		خالق باری	
حربا —	کھرکٹ	حربا —	گرگٹ
داس	ہنسوا	داس	دانتی
چارمغز	اکروت	جوز خراسان	اخروٹ
جوزبوا	جاہپل	جوز بویا	جائے پھل

خالق باری		مویدالفضلاءؒ	
باس	بوے	گندہ	بوے
ککڑی	خیار	ککہری	خیار
هینگ	انگوزہ	هینکه	انگوزہ
کوپا	دبہ	کوپہ	دبہ
ریچھ	خرس	بہال	خرس
کوٹھیا	کندو	کوتہی	غنور
مہی	دوغ	چھاچھ	دوغ
چھت	سقف	چھتہ	آسمانہ
جمائیؒ	فازہ	جنوائیؒ	فازہ

لیکن خالق باری کی زبان کے مقابلے کے لئے میرے نزدیک سب سے مناسب کتاب نصاب سہ زبان یاصمد باری عبدالواسع ہانسوی ہے۔ عبدالواسع عہد عالمگیر کے ایک بزرگ مانے جاتے ہیں۔ ان کی کتاب دستورالعمل معروف بہ رسالۂ عبدالواسع نہایت مشہور ہے اوراب بھی درس میں داخل ہے۔ نصاب سہ زبان ایک نہایت دلچسپ کتاب ہے۔ اس میں التزاماً ہر مصرع میں تین تین لفظ عربی فارسی اور ہندی کے بالترتیب یکے بعد دیگرے دیئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی مناسب الفاظ کو علیٰحدہ علیٰحدہ عنوان کے نیچے بیان کر دیا ہے۔ مثلاً لغات اعضائے انسان، اجناس غلہ، میوہ جات، ترکاری ہا و گلہا، ادویات وغیرہ وغیرہ خاتمے میں مصادر مشہورہ و غیر مشہورہ دے دیئے ہیں۔ اب خالق باری اور نصاب کی زبان میں بہت کم فرق دیکھا جاتا ہے۔ اکثر الفاظ دونوں میں عام ہیں لیکن چونکہ عبدالواسع ہانسی کے متوطن ہیں، جہاں بانگرو زبان کی اشاعت ہے، غالباً اس اثر میں عبدالواسع بعض ایسے الفاظ (اگرچہ ہندی ہیں) دے جاتے ہیں، جن سے موجودہ اردو خواں آشنا نہیں ہوں گے۔ ذیل میں خالق باری اور نصاب کے مابہ الامتیاز الفاظ کی ایک فہرست دے دی جاتی ہے :

خالق باری	نصاب سہ زبان
فازہ — جمائی	فازہ — جنبھائی
تپ — جوڑی	تپ — جڑ
راسو — نیول	راسو — نیولا
روباہ — لونکڑی	روباہ — لونبڑی
شیر — سینھہ	شیر — باگھ
امید — آس	امید — آسا
نیا — ماموں	نیا — دادا
مردمک — پوتلی	مردمک — پتری
لب — ہونٹھ	لب — ادھر
گوش — کان	گوش — سرون
رخسار — گال	رخسار — کپول
انگشت — انگلی	انگشت — انگری
پای — پانو	پاے — چرن
مادر — ماں	مادر — مہتاری
پیشانی — کپار	پیشانی — ماتھا
چشم — نین	چشم — لوچن
پہلو — پانسلی	پہلو — پسلی

دونوں کتابوں کی زبان پر غور کرنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ خالق باری نصاب سے چنداں مقدم نہیں ہے۔

آخر میں ایک اور امر کی طرف بھی توجہ دلائی جاتی ہے کہ موجودہ خالق باری کا متن، جس میں علیگڑھ کا نیز بازاری اڈیشن شامل ہیں، چنداں قابل اعتبار نہیں معلوم ہوتے۔ مولوی محمد امین صاحب چریا کوٹی نے اگرچہ نہایت جانفشانی سے اپنا نسخہ مرتب کیا ہے لیکن بدقسمتی سے انہوں نے زیادہ تر مطبوعہ نسخوں پر اعتبار کیا ہے اور قلمی نسخوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اس لئے ان کا نسخہ اگرچہ بازاری نسخوں کے مقابلے میں بہتر مانا جاسکتا ہے تاہم مستند نہیں ہے کیونکہ بمرور زمانہ مطبوعہ نسخوں میں بہت کچھ ترمیم و تنسیخ اور حک و اصلاح ہوگئی ہے۔ خالق باری کی قدیم ترتیب اور اشعار کی تنظیم بالکل برباد کر دی گئی ہے اور رفتہ رفتہ بعض اغلاط بلکہ یوں کہیئے مصنوعی لغات اس میں شامل ہو گئے ہیں۔ یہاں صرف چند مثالوں پر قناعت کرتا ہوں:

علیگڑھ اور بازار کے نسخوں میں ایک مصرع:

"تا بہ گزکان است کڑاھی و نوا"

آتا ہے، جس میں "گزکان" نے مصنوعی لغت کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ "گزکان" اس صورت میں آنندراج، برہان، نفایس رشیدی اور جہانگیری میں نہیں ملتا۔ البتہ قازقان، قزقان اور گزغان بمعنیٰ "دیگ" میں ملتا ہے۔ یہ ترکی زبان کا لفظ ہے۔ امیر خسرو فرماتے ہیں:

ولی با ایں ھمہ زین خوان خالی شستہ بہ دستم
کہ حلوای رضا پختہ نگردد اندرین گزغان

قلمی نسخوں کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے مصرع بالا میں "گزغان" دراصل لکھا تھا۔ اسی طرح مصرع:

ھندوی کھا انڈا کہا دے اُن من ریا آن من امیغ

میں 'اُن من' یا 'آن من'، ایک حیرت میں ڈالنے والا لغت بن گیا ہے۔ مولوی محمد امین صاحب بھی اس لفظ کی تشریح سے عاجز ہیں اور تجویز کرتے ہیں: "قیاس یہ چاہتا ہے کہ یہ لفظ 'امنڑ' ہے۔ اس صورت میں وزن عروضی درست ہو جاتا ہے۔" لیکن اس کے معنے جو مولوی صاحب "بادل کا گھر آنا" بیان کرتے ہیں،

چنداں چسپاں نہیں ہیں۔ مگر قلمی نسخوں میں یہ مصرع یوں ہے :

ع ہندوی کھانڈا کہاوے ابر میغ

اب وہ تمام گنجلک رفع ہو جاتی ہے ۔ ایک مصرع :

"ہم قرنفل لونگ را کیکر بخوان"

میں کیکر کو پنجابی لفظ بتایا گیا ہے۔ چنانچہ تمام نسخوں میں اس کو پنجابی کہا گیا ہے لیکن سب سے زیادہ حیرت خیز یہ امر ہے کہ اہل پنجاب اس لفظ سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہیں۔ قلمی نسخوں میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصرع مذکور دراصل یوں ہے :

ع ہم قرنفل لونگ را نیکو بدان

اس سے ظاہر ہے کہ کیکر محض اتفاقیہ ایک مصنوعی لغت بن گیا ہے اور کوئی تعجب نہیں اگر لفظ نیکو ترقی معکوس کرتا ہوا کیکر بن گیا ہو۔

دیباچہ اول خالق باری

خالق باری جس پر سطور ذیل دیباچے کے طور پر لکھی جاتی ہیں، لٹریچر کی اس شاخ سے تعلق رکھتی ہے جو نصاب کے نام سے مشہور ہے، اردو نصابوں میں اس کا درجہ نہایت اہم اور بلند ہے، جو اس کی مفروضہ قدامت کے عقیدے کی بنا پر نیز اس کے مصنف کی شہرت کی وجہ سے اس کو حاصل ہے۔

ہندوستان میں نصابوں کا رواج توران ایران سے آیا ہے، جہاں وہ عربی زبان کی تحصیل کی غرض سے فارسی میں تیار کئے جاتے تھے۔ یہ امر یقینی ہے کہ ابتدا میں وہ نثر میں ہوتے تھے، اگرچہ ان نثری نمونوں کا آج پتا لگانا بہت دشوار ہے۔

"رسالہ منطق": تلاش سے بعض قدیم تالیفات کے نام ملتے ہیں، مثلاً رسالہ منطق (بول چال) جو عربی بول چال سکھانے کی غرض سے جلال الدین شمس المعالی سلطان شاہ ابوالقاسم محمود بن ایل ارسلان بن اتسز خوارزم شاہ کے واسطے لکھا گیا تھا، سلطان شاہ ۵۶۸ھ میں تخت نشین ہوتا ہے، رسالۂ ہذا اس سال سے قبل اس کی شاہ زادگی کے ایام میں تالیف ہوا ہوگا۔ دیباچے سے چند سطریں یہاں درج ہوتی ہیں:

"این کتابی است کہ آن را منطق خوانند ساختہ شد و پرداختہ آمد بر سبیل ایجاز و اختصار از جہت بندگان و خدمت گاران مجلس خداوند زادۂ مکرم معظم عالم و عادل موید مظفر منصور جلال الدنیا والدین تاج الاسلام والمسلمین علاء الملوک والسلاطین قطب الدولہ و مجد الملۃ بہاء الامۃ عمدۃ الخلافۃ ناصر الملک سید ملوک الشرق والغرب شمس المعالی سلطان شاہ ابوالقاسم محمود بن خوارزم شاہ ایل ارسلان بن خوارزم شاہ اتسز اعزاللہ انصارہ وضاعف اقتدارہ"۔

"کتاب اسامی": اسی طرح ایک اور رسالہ "کتاب اسامی" ہے جس کی تاریخ تالیف و نام مولف سے ہم بے خبر ہیں۔ لیکن اس کی قدامت میں کوئی شبہ نہیں۔ اس کے ابواب مضامین کے لحاظ سے مرتب ہیں جیسا کہ ہمارے ہاں قدیم ایام میں کتب فقہ و حدیث کا دستور تھا۔ اس کتاب میں کل تیرہ باب ہیں۔ عنوان یا سرخی کی

زبان حسبِ دستور قدیم عربی ہے ، یہ رسالہ "رسالۂ منطق" سے بھی قدیم معلوم ہوتا ہے۔ اس کی خالص فارسی کا خیال کرتے ہوئے ہمیں اس کی تاریخ تصنیف سلجوقیوں کے دور کے آغاز یا غزنویوں کے عہد میں ماننی ہوگی۔ مثلاً مسجد کا ترجمہ "نمزگت"۔ مقدمۃ الجیش کا "پیش آہنگ"۔ طلیعہ کا "دیدبان"۔ خبّاز کا "نانوا"۔ اکار کا "برزگر"۔ فصّاد کا "رگ زن"۔ سجّان کا "زندان بان"۔ فلاخن کا "کلاسنگ"۔ کنّاس کا "خلاروب"۔ آثم کا "بزہ کار"۔ المفادہ کا "دوغوا"۔ رواہیر کا "ریچارھا" اور برید کا "پیک" ترجمہ دیا ہے ،

ہمارے اسلاف اس راز سے واقف تھے کہ بچّوں کا حافظہ نہایت قوی ہوتا ہے ، اور وہ نثر کے مقابلے میں نظم سے زیادہ رغبت رکھتے ہیں جو آسانی سے یاد بھی ہوجاتی ہے ، اس لئے ان کی قوّت حافظہ سے کام لینے کے واسطے نثر کی بجائے نظم سے امداد لی اور منظوم نصاب تیار کرنے شروع کر دیئے۔ "نصاب الصبیان" کے نثری دیباچے کا فقرہ ذیل میں ملاحظہ ہو :

"خوش آمدن شعر مرطبع ھای موزوں را عزیزی است ۔"

مولانا صدرالدین بن بدرالدین "قنیۃ الفتیان" میں کہتے ہیں :

زان کہ آسان است حفظ شعر بر دلہا کہ ہست
طبع خاص و عام را رغبت باد در ھر مکان

"نصاب الصبیان" : منظوم تالیفات میں سب سے قدیم نصاب الصبیان ہے جو سنہ ۶۱۷ھ میں افغانستان کے شہر فراہ میں تصنیف ہوتی ہے۔ ابونصر فراہی اس کے مصنّف ہیں۔ یہ تالیف مختلف الوزن قطعات میں مرتّب ہے۔ نصاب کی وجہ تسمیہ میں کہا جا سکتا ہے کہ شرعی اعتبار سے دوسو درہم وہ رقم ہے جس پر زکوٰۃ لازم آتی ہے۔ اس رقم کا مالک صاحبِ نصاب کہلاتا ہے۔ چونکہ "نصاب الصبیان" کے اشعار کی تعداد دوسو ہے ، اس لئے اس کا نام "نصاب الصبیان" رکھا گیا۔ "چوں ایں مجموع دو بیست بیت آمد آں را "نصاب الصبیان" نام کردم"۔ تب سے یہ رسم نکل آئی ہے کہ جو نصاب ابونصر فراہی کی تقلید میں لکھے گئے ، ان کے اشعار کی تعداد دو سو یا اس سے کچھ اوپر تک محدود کر دی گئی۔

" نصاب الصبیان" کو فارسی نصابوں سے وہی تعلق ہے جو حضرت آدم کو بنی نوع انسان کے ساتھ ہے۔ کتب نصاب سے اصل مقصد عربی لغات کی تعلیم تھی۔ پرانے نصاب سب کے سب فارسی میں لکھے گئے ہیں، خواہ اندرونِ ہند یا بیرونِ ہند وجود میں آئے ہوں۔

" نصاب الصبیان" کے بعد بہ لحاظ زمانہ امیر خسرو کے "بدیع النصاب" کا ذکر آنا چاہئے، یہ نصاب کم ازکم ہندوستان میں بہت مقبول رہا ہے اور بار بار چھپ چکا ہے، نصاب " نصیب اخوان" از مطہرکڑہ شاعر عہد فیروز شاہ تغلق سنہ ۷۶۰ھ میں تالیف ہوتا ہے، اس کے بعد نصاب " عقود الجواہر" کا نمبر ہے جو روم میں مرزا الغ بیگ چلپی بن سلطان محمد سنہ ۸۰۸ - ۸۲۴ھ کے واسطے لکھا جاتا ہے اور اکاون قطعات پر شامل ہے، اس کی دوسری اشاعت جس میں ستاون قطعات ہیں۔ سلطان مراد (۸۲۵ - ۸۵۵ھ) کے نام پر معنون ہے " قنیتہ الفتیان" مولانا صدرالدین بن بدرالدین کی مِلک ہے۔ اگرچہ ہم اس کے عہدِ تصنیف سے واقف نہیں لیکن قدیم معلوم ہوتی ہے اور غالباً ہندوستان میں لکھی گئی ہے۔ اب " نصاب بدیعی" اور " تجنیس اللغات" مولانا جامی کی باری آتی ہے، جو نویں صدی کی پیداوار ہیں، " نصاب بدیعی" کو عام طور پر امیر خسرو کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن اصلی مالک مولانا بدیعی ہیں جو نویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔

کتب نصاب کثرت سے تالیف ہوئی ہیں۔ ان سے کوئی صدی خالی نظر نہیں آتی۔ وہ کسی خاص ملک کی پیداوار نہیں ہیں بلکہ مختلف ممالک میں لکھی گئی ہیں یعنی توران، ایران، روم، افغانستان اور ہندوستان میں۔

فارسی میں نصاب سے ابتدائی مقصد یہ تھا کہ بچوں کو عربی الفاظ سے اس قدر آشنائی پیدا کرا دی جائے کہ فوقانی تعلیم میں مدد مل سکے، لیکن یہ مقصد اپنی منازل ارتقاء میں زمانہ گزرنے پر بہت وسیع ہوتا گیا اور ایسے ایسے نصاب تیار کئے گئے جو منتہی طلبہ کے واسطے مفید اور کارآمد ثابت ہوں۔

اردو میں نصابوں کی افراط اس قدر نہیں جتنی فارسی میں نظر آتی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو فارسی کی بین الملی حیثیت تھی جس کی بنا پر وہ ایران و ترکستان و روم و ہندوستان و افغانستان میں پھیلی ہوئی تھی دوسرے ہمیں

وقت کا بھی لحاظ رکھنا ہوگا۔ فارسی میں نصابی سلسلہ تقریباً سات آٹھ سو سال سے جاری ہے، جب کہ اردو میں اس کو رواج میں آئے تین ساڑھے تین سو سال گزرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں اردو نصابوں کا سلسلہ غالباً دسویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔

"قصیدہ در لغات ہندی": اس موقع پر مجھے حکیم یوسفی کے "قصیدہ در لغات ہندی" کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یوسفی دسویں صدی ہجری کے نصف اوّل کے بزرگ ہیں۔ ہرات کے رہنے والے اور ہندوستان میں تازہ وارد معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا اکثر زمانۂ عمر تصنیف و تالیف میں بسر ہوا ہے۔ بالخصوص طب کے میدان میں۔ مثلاً "رسالۂ ماکول و مشروب" سنہ ۹۰۶ ھ میں، "فوائد الاخبار" سنہ ۹۱۲ ھ میں "جامع الفوائد" سنہ ۹۱۷ ھ میں "دلائل نبض" و "رسالۂ قارورہ" سنہ ۹۲۲ ھ میں "ستۂ ضروریہ" سنہ ۹۴۴ ھ میں اور "ریاض الادویہ" سنہ ۹۴۶ ھ میں تصنیف کیں۔ "انشائے یوسفی" ان کی ایک مشہور تصنیف ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ حکیم صاحب کی فہرستِ تصنیفات ابھی نا تمام ہے۔

حکیم صاحب نے ہماری زبان اردو میں خاص دلچسپی لی ہے اور کوشش کر کے اس کو سیکھا ہے اگرچہ اپنے معاصر بابر کی طرح مخصوص ہندی اصوات پر وہ قادر نہ ہو سکے تاہم اردو پر ان کو ماہرانہ عبور ہے۔ اس کا ثبوت ان کی طبی تالیف "ریاض الادویہ" سے بہم پہنچتا ہے جس میں ہر حیوان اور دوا کا ہندی مرادف اردو میں دیتے ہیں۔

"قصیدہ در لغات ہندی" ایک دلچسپ نظم ہے اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے اس میں فارسی الفاظ مع ہندی مرادفات درج ہوئے ہیں، اس قصیدے کے اشعار کی تعداد چالیس ہے۔ اس کو اگرچہ نصاب کا نام نہیں دیا جا سکتا، مگر اس میں بھی شک نہیں کہ عملاً اس پر نصاب کی تعریف صادق آتی ہے، اور نظم میں شاید یہی قدیم نمونہ ہے، جو ہندی الفاظ سے بحث کرتا ہے۔ میں چند شعر ابتدا سے نقل کرتا ہوں:

قصیدہ در لغات ہندی

نام ہر چیزے بہ ہندی بشنو از من اے پسر
خاصہ نام ہر دوائے نفع برداری مگر

بُل تکلم باشد و بُل کر بگو یعنی سخن
شکر فرماید ترا آنکس کہ گوید شکر کر

جیبھ دکن آمد زبان و گوش دھاری پیش دان
موچھ را میخوان بروت، داڑھ کو ر و جبر کر

آنکہ چشم و ناک بینی بون ابرو ہونٹہ لب
دند دندان کارہ گردن گوتہ زانو مونڈ سر

کھال پوست و پڑ مغز و استخوان گو بند باد
انگلی انگشت باشد انگوتہ انگشت نر

ہست پیشانی متہ و سینہ چھاتی دست ہتھ
موہ روی چل رواں شو بیٹھ بنشیں دیکھ نگر

جیو جان چوچی است پستان ریت آب بینی است
موی مژگاں را برونی خوان کلیجہ دان جگر

پندری ساق است پھپھر شش تلی آمد سپرز
رودہ را انتری ہمیدان اجرہ اشکنبہ شمر

گوسپند آمد بھیر بز بکری وا دتہ اشتر است
بلد گاو و فیل ہاتھی گورہ اسپ و گدہ خر

ہیرہ لحم و روتی و پانی ست نان و آب ہست
حلبہ میتھی منگ ماش و سوکہ خشک و گِلہ تر

لہدرہ کال و کلونجی رہم ،سیہ دانہ بود
بادیاں سونف و کرفس اجمود ہم گاجر گذر

تمر ہندی انبلی و السی بود تخم کتاں
مندوہ نوعے ز ارزن داں وگنڈ ونیگر
چاول و چینہ برنج دارزن انده تخم مرغ
تل بود کنجد جواری زرت اے فرخندہ فر
ریشم است ابریشم وکالا سیہ اجلا سپید
سرمہ کاجل مرچ فلفل سعد موتہ عود اگر
مانک و موتی بود یاقوت مروارید لیک
کہربا باشد کپور و روپہ نقرہ سونہ زر
بھوره اندک می شمر بسیار را میگو بہت
بد برا میدان و چنگہ نیک اے نقد بشر
تونہ را میگوی طوطی فسنہ کی را فاختہ
نول داں را سوز دانش آمدی گر بہرہ ور

یہ قصیدہ اگرچہ دل چسپ ہے لیکن میں بہ خوف طوالت اس کی نقل سے احتراز کر کے خاتمے کے بعض شعروں پر قناعت کرتا ہوں ۔

دیو روز و رات شب سنجہ است شام بھات صبح
تارہ استارہ است چند و سور باشد ماہ و خور
میہ بود باران اکس باشد (کذا) بجلی است برق
یاد گیر ایں جملہ را اے پسر روشن چوں قمر
یوسفی بہرت دریں ابیات کرد است آنچہ ذکر
گر کنی از بر ترا ہر دم رسد نفعے دگر

ازضرر دارد مدامت درپناہ خویشتن
آنکہ در عالم بہ تقدیرشس بود نفع وضرر

"اللہ خدائی": خالق باری کے بعد جس کا ذکر عنقریب آتا ہے "اللہ خدائی" کا نمبر ہے۔ تجلی اس کے مصنف ہیں۔ مطبوعہ نسخوں کے مطابق سنہ ۱۰۶۶ھ اور بقول پروفیسر مسعود حسن رضوی سنہ ۱۰۶۰ھ اس کا سال تصنیف ہے، یہ کتاب خالق باری کی طرح ایسے خط میں لکھی گئی ہے جو گوالیاری بالفاظ دیگر برج بھاشا کے زیر اثر ہے۔ اس میں ثانی حرف علت بہ کثرت آتا ہے مثلاً ڈانڈ (ڈنڈ) گھانٹ (گھنٹی) باتی (بتی) باچھا (بچہ)، نیوچھادر (نچھادر) پات جھڑ (پت جھڑ) پاٹ (پٹ) وغیرہ۔

اکثر ایسے لفظ ملتے ہیں جو اردو میں فی زمانہ مستعمل نہیں یعنی سنیہ (دوستی)، اتیت (درویش)، پوکھر (تالاب)، رستری (رسّی)، سمسری (لاشہ)، سوہا (سرخ)، کونٹ (مسخرہ) سنیہڈ (تھوہر۔ زقوم)، پانت (مجلس)، بردتی (پلک)، ٹانڈا (قافلہ)، نوپلو (بہار)، رہلا (چنا)، گبرڈوڑا (گبریلا)، لاہیا (نفع)، پچھوری (چادر)، سار (فولاد)، نانی اور بھرنی (نانا یانا)، ترنی (جوان عورت)، ہیلا (خاکروب)، جوجھ (لڑائی)، رہانا (دمت) وغیرہ وغیرہ۔

"صمد باری": تجلی کے بعد میر عبدالواسع کا نصاب موسوم بہ "سہ زبان" یا "صمد باری" ہے جو بعض اوقات "جان پہچان" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ نصاب ہذا میں متناسب و متجانس الفاظ کو جدا جدا عنوانوں کے تحت میں جمع کر دیا ہے مثلاً الفاظ قرابت، اعضائے جسمانی، غلہ، سبزیاں، میوے، ادویات وغیرہ آخر میں مصادر مشہورہ وغیر مشہورہ درج ہیں۔ کتاب کی طرز شگفتہ ہونے کے علاوہ استادانہ و ماہرانہ ہے۔ بھرتی کے الفاظ یا الفاظ برائے بیت نام کو نہیں۔ ہر مصرع میں عربی، فارسی اور ہندی لفظ پابندی کے ساتھ بالترتیب لائے گئے ہیں۔ چناں چہ خاتمے میں اشارہ کیا ہے:

عبدالواسع سے یہ کتاب ٭ تین زبانوں کا ہے نصاب

مصنف کی زبان ہریانی ہے جو بعض خصائص میں اردو سے مختلف ہے "صمد باری" ہندوستان خصوصاً پنجاب میں کئی بار چھپی ہے اور بہت مقبول رہی ہے۔

"نصاب مصطفیٰ": "نصاب مصطفیٰ" سنہ ۱۱۲۶ھ میں بہ عہدِ فرخ سیر لکھا جاتا ہے اور نصابی سلسلے میں کسی قدر اہمیت کا مالک ہے۔ اشعار کی تعداد نصاب کے اوسط سے بہت زیادہ ہے یعنی آٹھ سو ابیات ہیں۔ پیرایۂ بیان اگرچہ دل چسپ ہے لیکن کتاب چنداں مشہور نہیں۔ اس کی ابتدا ہے :

رؤف و رحیم و کریم و غفور

دیاونت داتا اجالا ست نور

خدیو و خداوند داور دھنی

غنی است دھنونت صانع گنی

خاتمہ : بشش و بیست و یک صد و یک ہزار

ز ہجر نبی بود اے کام گار

جہان شاہ فرخ سیر شاہ بود

دو شنبہ دہم از صفر ماہ بود

کہ آورد این مختصر روزگار

مگر ماند از مصطفیٰ یادگار

"خالق باری": ان چند نصابوں پر سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ خالق باری ان سے متصل زمانے میں وجود میں آئی ہوگی۔ لیکن اگر روایت پر اعتبار کیا جائے تو ہمیں اس کا زمانہ آٹھویں بلکہ ساتویں صدی ہجری میں تسلیم کرنا پڑے گا۔ روایت نے خالق باری کو حضرت امیر خسرو کی طرف منسوب کر کے ہمیں الجھن اور پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔ دیسی زبانوں میں تعلیم کا رواج ایسے قدیم زمانے میں نہایت بعید معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کہا جا سکتا ہے کہ دیسی زبانیں بہت جلد بعد ہماری تعلیم میں ہاتھ بٹانے لگتیں اور ادب و لٹریچر ان میں بہت پہلے سے شروع ہو جاتا۔

خالق باری خان آرزو کے عہد سے لے کر ہمارے اپنے زمانے تک بالاتفاق حضرت امیر کی طرف منسوب

ہے۔میں یہاں بعض اساتذہ کی آراء اس کتاب کے متعلق درج کرتا ہوں :

محمد حسین آزاد : شمس العلما، محمد حسین آزاد اپنی مشہور تالیف "آبِ حیات" میں لکھتے ہیں :

" امیر خسرو نے کہ جن کی طبیعت اختراع میں اعلیٰ درجہ صنعت و ایجاد کا رکھتی تھی۔ ملک سخن میں برج بھاشا کی ترکیب سے ایک طلسم نانہ انشا پردازی کا کھولا۔ خالق باری جس کا اختصار آج تک بچوں کا وظیفہ ہے کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی، اسی میں فارسی بحروں نے اوّل اوّل اثر کیا۔" (ص ۷)

اور چھجو کے قصے میں فرماتے ہیں :

" بھٹیاری کے لڑکے کے لئے خالق باری لکھدی"۔ (ص ۷۷)

مولانا کا یہ ارشاد کہ خالق باری کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی اور ایک بھٹیاری کے لونڈے کے واسطے لکھی گئی تھی، محض تخیل کی پرواز ہے۔اس بیان کے واسطے کوئی تاریخی یا تحریری سند ہمارے پاس موجود نہیں، نہ اس میں ایسے آثار یا علامات موجود ہیں جن سے قیاس لگایا جا سکے کہ وہ کسی ضخیم مجلد کا اختصار ہے۔خالق باری شاملِ نصاب ہے اور نصاب کی کتابوں کے اشعار کی تعداد جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، بالعموم دو سو سوا دو سو کے لگ بھگ ہوا کرتی ہے۔چنانچہ خالق باری کے اشعار کی تعداد بھی اسی کے قریب یعنی دو سو بتیس ہے۔یہ تعداد قلمی نسخوں کی رو سے ہے، ورنہ مطبوعہ خالق باری میں صرف ایک سو اکانوے ابیات ملتے ہیں۔اس مختصر تالیف کے لئے یہ دعویٰ کرنا کہ بڑی بڑی جلدوں میں تھی، تمام واقعات سے عدم واقفیت کی بنا پر ہے۔خان آرزو جن کا ذکر آگے آتا ہے، اس کو رسالۂ منظومۂ امیر خسرو کے نام سے یاد کرتے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خان کے عہد میں کوئی ایسی روایت موجود نہ تھی جو اس تالیف کی ضخامت کے حق میں ہو۔جس طرح آج اس وقت ہے، اس وقت بھی وہ ایک رسالے کی شکل میں تھی۔

خالق باری کے اشعار کا فارسی اوزان و بحور میں پایا جانا اس کے جدید تصنیف ہونے کی دلیل ہے نہ اس کی قدامت کی۔فارسی اوزان و بحور کا اس طرح یکایک ہندی میں رواج پا جانا عملاً بہت دشوار ہے بفرضِ محال اگر امیر خسرو نے زبردستی ان کو رواج دے بھی دیا تو اس کے خارجی اثر آثار کا سراغ کہیں تو پایا جاتا۔

کیا خسرو کلھیا میں گڑ پھوڑ کر چل دیئے کہ کسی نے اتنے بڑے انقلاب کا اثر قبول نہ کیا نہ ان کا تتبع کیا۔

محمد امین چڑیا کوٹی : "جواہر خسروی" میں مولوی محمد امین صاحب چڑیا کوٹی کا قول ہے کہ "اس میں (خالق باری) کئی ہزار اشعار تھے"۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس بیان کے واسطے مولانا کے پاس کوئی سند موجود نہیں۔

دیباچۂ خالق باری میں مولانائے ممدوح ذیل کی بعض وجوہ کی بنا پر خالق باری کو امیر خسرو کی تسلیم کرتے ہیں، جن کا میں علاحدہ علاحدہ تبصرہ کرتا ہوں۔

(۱) کہتے ہیں: "بعض محاورات اور الفاظ مستعملۂ کتاب کی قدامت صاف یہ بتلاتی ہے کہ یہ کتاب عہد حضرت امیر خسرو کے متصل زمانے کی تصنیف ہے جیسے "جیتل" کہ حضرت امیر خسرو کے عہدِ زندگی تک یہ ایک ہندی سکہ کا نام تھا اور حضرت کے قریب عہد میں یہ متروک ہو چلا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے بعد تاریخ میں اس کا نام بھی نہیں آتا کیوں کہ سلاطین ہند کی قدیم سادگی جس طرح عیش و دولت کے سامانوں سے آراستہ ہو گئی تھی، سکوں کے سادہ نام بھی اشرفی اور اختر زر وغیرہ وغیرہ تکلفات سے بدل گئے تھے۔ بہر حال "جیتل" کا چلن عہد خسروی سے آگے نہیں پایا جاتا ہے۔" (جواہر خسروی، مقدمۂ خالق باری ص ۵)

"جیتل": جیتل کے متعلق مولانا کا یہ بیان تاریخ سے عدم مزاولت کی بنا پر ہے ورنہ جس زمانے میں وہ اس سکہ کا چلن متروک بتا رہے ہیں، اسی زمانے سے اس کا رواج زیادہ ہوا ہے، محمد بن تغلق (سنہ ۵۲ - ۷۲۵ھ) کے عہد میں جیتل ایک سکہ ہے، اس پر ایک طرف "یگانی امانی" اور دوسری طرف "جیتل" درج ہوتا تھا۔ اس سکہ کی تصویر طامس نے "تاریخ پٹھان سلاطین دہلی" میں صفحہ ۲۵۲ پر دی ہے اور سفر نامۂ ابن بطوطہ کے ترجمہ جلد دوم میں صفحۂ مقابل ص ۱۱ پر مولوی محمد حسین نے دی ہے۔ طامس نے اس سکے کو "مسالک الابصار" کی سند پر "یگانی" کا مرادف بتایا ہے۔ مولوی محمد حسین اسی "مسالک الابصار" کے حوالہ سے ایک "ہشتگانی" چار "سلطانی" کے اور ایک "سلطانی" یا "دوگانی" دو جیتل کے اور ایک جیتل چار فلوس کے برابر لکھتے ہیں۔

ضیا برنی نے اپنی مشہور تاریخ فیروز شاہی میں جو سنہ ۷۵۸ھ میں امیر خسرو کی وفات سے ۳۳ سال بعد تالیف ہوتی ہے کئی موقعوں پر اس لفظ کا استعمال کیا۔ چناں چہ

" از برائے تنگہ و جیتل" (ص ۱۲۷)۔ " دغلہ بہ یک جیتل سیرے رسیدہ" (ص ۲۱۲)۔ " یگاں جیتل از بہی

پٹواریان" (ص ۲۸۷)۔ "موقتہ در منے سہ جیتل" (ص ۳۰۵)۔

سید محمد بن سید مبارک کرمانی متوفی سنہ ۷۷۰ھ اپنی تالیف "سیرالاولیا" میں لکھتے ہیں:

"امامت آں مسجد شیخ نجیب الدین متوکل راداد۔ آں بزرگ دختر خود را شادی عروسی کردیک لک جیتل درکار خیر او خرچ کرد۔" (ص ۷۸)۔

فیروز شاہ تغلق (سنہ ۷۵۲-۷۹۰ھ) اپنے عہد میں جیتل کی جدید تقسیمیں "ادّھا" اور "بِکھ" وضع کرتا ہے۔ شمس سراج عفیف "تاریخ فیروز شاہی" میں جو نویں صدی ہجری کی ابتدا کی تصنیف ہے، فقرۂ ذیل درج کرتا ہے۔

"سلطان فیروز شاہ فرمان فرمود کہ مہر نیم جیتل کہ آں را 'ادّھا' گویند و مہر دو رنگ جیتل کہ آں را 'بِکھ' گویند وضع کنند تا غرض فقراء و مساکین حاصل شود۔" (ص ۳۴۴)

"آئینِ اکبری" میں جہاں اکبری عہد کے مسکوکات کا ذکر ہوا ہے، ابوالفضل جیتل کو فرضی سکہ اور دام کا پچیسواں حصہ مانتا ہے۔ امین احمد رازی "ہفت اقلیم" میں بہ ذکر بنگالہ یہ فقرہ لاتا ہے:

"و حساب ولایت بنگالہ بر جیتل و گندہ و آنہ است۔ چہ چہار جیتل را یک گندہ و بیست گندہ را یک آنہ و شانزدہ آنہ را یک روپیہ حساب می کنند (صفحہ ۹۵، ہفت اقلیم، جلد اوّل، طبع سوسائٹی سنہ ۱۹۱۸ء)

مہابت خاں عہد عالمگیر کا ایک امیر ہے وہ ایک عرضداشت میں جو سراسر طنز و شکایت سے مملو ہے، لکھتا ہے:

"در غزنی و قندھار اشتہار یافتہ کہ مطربان باستقبال فرمان می شتابند و نرخ حسب الحکم موقوف بر دو جیتل افتادہ و اسد خان را کہ ہنوز بوئے شیر از دھانش نہ رفتہ وزیر اعظم و دستور معظم فرمودند۔"

آنند بن ہیمراج گوالیری نے فن سیاق پر ایک رسالہ موسوم بہ خلاصۃ السیاق سنہ ۱۱۱۵ھ مطابق سنہ ۴۷ جلوس عالمگیری میں تصنیف کیا ہے۔ یہ رسالہ چوں کہ غیر مطبوعہ ہے اس خیال سے اس کے ایک دو فقرے یہاں نقل ہوتے ہیں۔

"دستور معلوم کردن دامہا بہ حساب فی من ؛ باید کہ مبلغ نرخ من را با دامہا ضرب نماید و حاصل ضرب

راپنجاہ جیتل یک تنگہ بہ گیرد۔ مثلاً فی من بیست تنگہ ؛ قیمت پنج دام می باید۔ پس بیست را با پنج ضرب دادیم۔ حاصل ضرب یک صد جیتل بیامد و ازیں دو تنگہ گرفتیم۔ قیمت پنج دام معلوم شد۔"

" اگر کسی پرسد فی من دہ تنگہ است دو آثار راچہ باید داد۔ باید کہ آثار را با تنگہای نرخ من ضرب دہد و حاصل ضرب را جیتل دانستہ بر چہل جیتل مقرر نماید۔ پس یک بہلولی قیمت دو آثار معلوم شد۔"

شیخ جنید کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو:

چو دزد اندر کمین باشد کرے جو نیند بجارا

نباشد سو دیک جیتل گوادے مول بھی سارا

حافظ احسن اللہ لاہوری کے نصاب "ذوق الصبیان" تالیف سنہ ۱۲۰۷ھ کا یہ شعر بھی یاد ہے:

امہ کنیز ہے لونڈی باندی جیتل نقرہ فضہ چاندی

جیتل کے لئے ہر عہد کی مثالیں بہم پہنچائی جا سکتی ہیں لیکن میں بہ خوفِ طوالت انہی امثال پر قناعت کرکے مولوی صاحب کے دوسرے استدلال پر نظر ڈالتا ہوں۔

(۲)۔ **محاورات قدیم**: محاورات قدیم مثلاً 'میں تجہ کہیا' 'تو کت رہیا' باد اوڑانی (ہوا چلی)، آکھنا (دیکھنا)، چاد (شوق)، وغیرہم الفاظ کی گواہی سے خالق باری کا زمانۂ تصنیف عہد خسروی میں قطعی طور پر مفرد اور متعین ہو سکتا ہے۔" (ص ہ، مقدمہ خالق باری بشمولہ جواہر خسروی)

ہمارے نزدیک مولانا کا یہ استدلال بھی مضبوط نہیں" میں تجہ کہیا" میں تو کوئی غرابت نہیں سوائے اس کے کہ "نے" علامتِ فاعل اور "کو" علامتِ مفعول حذف کر دی گئی ہے۔ دیہاتی زبان میں آج بھی یوں ہی بول جاتے ہیں یہی حالت "تو کت رہیا" کی ہے۔ اس جملے میں مولانا شاید "کت" کو قدیم سمجھ رہے ہیں۔ فرہنگ آصفیہ میں اس کے متعلق یہ عبارت آتی ہے۔

" کت (ہ) تابع فعل (گیتوں میں یا گنوار) = کدھر، کس طرف، کہاں۔ دوہرہ:

سونا ہو تو کس دھروں اور موتی دھروں پروئے

بالا جوبن کت دھروں نت اُٹھ میلا ہوئے

ہریانہ کے علاقے رہتک، کلانور، جھجھر وغیرہ میں آج بھی "نیں کٹ تھا" (تو کہاں گیا تھا) بولتے ہیں۔

"باداوڑانی" کے معنی خدا جانے مولانا نے "ہوا چل" کیسے لکھ دیئے۔ پورا شعر یوں ہے:

آتش آگ آب ہے پانی ۞ خاک دھول جو باداوڑانی

یعنی ایسی گرد یا دھول جسے ہوا اڑا سکے "اوڑانی" کی "ی" ان ہونی، ناشدنی اور سوختنی کی طرح یائے لیاقت یا مفعولی ہے۔

"آکھنا" کے معنی "دیکھنا" معلوم نہیں مولانا نے کیسے لکھ دیئے۔ اس کے معنی پنجابی و ہریانی زبانوں میں کہنا، بولنا اور پوچھنا آتے ہیں۔ مثال:

دو ہاتھ نکالے ہاتھ سوں جب آکھے تکبیر

سر نہ جھکائے رفع کرائے صاحب تدبیر

("فقہ ہندی" از مولانا عبداللہ انصاری، تالیف سنہ ۱۰۷۶ھ)

"چاد" بمعنی شوق و رغبت و آرزو، آج بھی استعمال میں آرہا ہے۔ فرہنگ آصفیہ میں مذکور ہے: "چاد(ہ) اسم مذکر = (۱) ولولہ، خواہش، جوش، ارمان (۲) شوق، ذوق، آرزو، تمنا۔ (۳) نازو نخرہ۔

لاڈلی چنبیلی چاد میں آئی ۞ لڑکے بالے ساتھ ہی لائی

(۳) **خسرو شاہ:** "اس میں شک کرنے کے بہت کم وجوہ ہیں کہ خالق باری حضرت امیر خسرو کی تصنیف ہے اور یہ شائبہ شک بھی خود خالق باری کے مقطع یعنی آخری شعر کو دیکھ کر بالکل رفع ہو جاتا ہے، جس میں لفظ خسرو موجود ہے اور جس شاعرانہ شوخی و فصاحت کے ساتھ یہ لفظ مقطع میں واقع ہوا ہے اور اس پر درویشانہ انکسار کا طرہ دیکھ کر نا ممکن ہے کہ کوئی صحیح المذاق شخص اس کو تخلص نہ سمجھے اور صرف ایک لفظ بامعنی مثل دیگر الفاظ یا معانی کے جن سے خالق باری بھری ہوئی ہے قرار دے۔ وہ شعر یہ ہے:

مولوی صاحب سرن پناہ ۞ گدا بھکاری خسرو شاہ

اس کی ترتیب بالکل وہی ہے، جیسے آج کوئی خسرو نام کا شخص اپنے تئیں کسی تحریر میں خاکسار خسرو لکھ کر ختم کلام کر دے" (مقدمۂ خالق باری، صفحہ ٦)

مولانا کا یہ استدلال زیادہ تر شاعرانہ رنگ میں ہے۔ اہل اللہ میں سادات نے اپنے نام سے پہلے یا مابعد میں 'شاہ' کا لفظ استعمال کیا ہے مثلاً۔ شاہ نعمت اللہ م سنہ ۸۲۲ھ، شاہ میانجی م سنہ ۸۸۹ھ وغیرہ۔ لیکن امیر خسرو کو جو لاچین ترک تھے، کیا ضرورت پڑی تھی کہ 'شاہ' کا لفظ اپنے تخلص کے آخر میں لاکر سادات کے نام کے ساتھ خواہ مخواہ التباس پیدا کر دیتے، نہ امیر خسرو کے زمانے میں فقرا کے نام کے ساتھ اس لفظ کا رواج تھا۔ ہم اس قدر مان سکتے ہیں کہ اس مصرع میں صنعتِ ایہام ہے لیکن اس شعر میں سب سے زیادہ توجہ طلب مصرع اولی ہے جس میں مولوی صاحب کی ترکیب موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ مولوی صاحب، منشی صاحب، پنڈت صاحب وغیرہ کی ترکیب امیر خسرو کے عہد میں قطعاً رائج نہیں تھی۔ ایسے مرکب گزشتہ صدی کی مبتدعات سے ہیں۔ اس بنا پر ہمیں اس شعر کو جدید اضافہ ماننا پڑے گا اور بات بھی یہی ہے کیوں کہ اگرچہ خاتمے کا یہ شعر مطبوعہ نسخوں میں اسی طرح ملتا ہے، لیکن قلمی نسخوں میں جو زیادہ قدیم اور معتبر ہیں یوں درج ہے:

خالق باری بھئی تمام ؛ دو جگ رہیا خسرو نام

شعر ہذا میں اگرچہ خسرو تخلص موجود ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ خسرو وہی مشہور امیر خسرو ہیں۔ خسرو اور لوگوں کا بھی تخلص ہو سکتا ہے۔

پروفیسر مسعود حسن رضوی: پروفیسر مسعود حسن رضوی کا خیال ہے کہ خالق باری ایرانی و تورانی پناہ گزینوں کے واسطے لکھی گئی تھی۔ ان کے الفاظ ہیں:

" خالق باری غالباً بچوں کے لئے نہیں لکھی گئی تھی۔ امیر خسرو کے زمانے میں چنگیزیوں کی تاخت و تاراج نے ایران و توران کو زیر و زبر کر دیا تھا۔ ان کی جدال و قتال سے تنگ آکر ہزار ہا ایرانیوں اور تورانیوں نے ہندوستان میں پناہ لی تھی۔ ان لوگوں کو ہندوستانیوں سے بات چیت کرنے میں بڑی دقت پڑتی تھی۔ نہ وہ ان کی بات سمجھتے تھے نہ یہ ان کی۔ قیاس کہتا ہے کہ اسی دِقّت کو دور کرنے کے لئے امیر خسرو نے فارسی اور

ہندی کے ضروری ہم معنی الفاظ یک جا کر کے نظم کر دیئے ہوں گے"۔ (ہندوستانی صفحہ ۴۳ جنوری سنہ ۱۹۳۱ء)

میں اس خیال میں محترم پروفیسر کا ہمنوا نہیں ہو سکتا کیونکہ ممالک اسلام میں چنگیزی طوفان سنہ ۶۱۷ھ سے شروع ہوتا ہے۔ اس سال اور بعد کے آنے والے چند سال تک ان وحشیوں کی خون ریزی و قتل و غارت اپنے انتہائی تشدد پر رہی ہے۔ اسی زمانے میں تورانی و ایرانی ان سے بھاگ بھاگ کر غیر ملکوں میں پناہ گزیں ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان میں یہ لوگ ناصر الدین قباچہ والئ ملتان (سنہ ۲۶ - ۶۰۲ھ) اور شمس الدین التمش (سنہ ۳۳ - ۶۰۷ھ) والئ دہلی کے درباروں میں پہنچتے ہیں۔ چنگیز خاں (سنہ ۶۲۴ھ) میں مرتا ہے، امیر خسرو (سنہ ۶۵۲ھ) میں پیدا ہوتے ہیں اور سنہ ۷۲۵ھ میں وفات پاتے ہیں۔ اگر خالق باری امیر خسرو نے لکھی ہے تو وہ پچھلی دو تاریخوں کے درمیان کسی وقت لکھی گئی ہوگی۔ اس صورت میں چنگیزی پناہ گزینوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا نہ وہ ان کے واسطے لکھی جا سکتی کیونکہ یہ کتاب ان کی آمد سے پچاس ساٹھ برس بعد تالیف ہوتی ہے۔

ادھر خالق باری کے سرسری مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تالیف ہندوستانی بچوں کو فارسی عربی الفاظ سکھانے کے واسطے لکھی گئی ہے، نہ ایرانی پناہ گزینوں کو ہندی سکھانے کے مقصد سے۔ اگر یہ کتاب ان پردیسیوں کے واسطے لکھی جاتی تو اس کی صورت یہ ہوتی کہ اس کی تعلیمی یا تشریحی زبان فارسی ہوتی ہندی الفاظ و مرادفات کی اس میں کثرت ہوتی، نہ کہ ہندی لفظ کے واسطے التزاماً عربی فارسی مرادف دینے کی ضرورت پیش آتی۔ برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ ہندی عنصر اس میں کم ہے۔ فارسی عربی الفاظ اور مرادفات کی کثرت ہے، جس سے یہ امر ذہن نشین ہوتا ہے کہ اصل مقصد فارسی کی تعلیم ہے۔ میں بعض مثالیں دیتا ہوں:

باده شراب و راوق و صهبای است مد

گر جرعه زاں خوری تو کنی کار نیک و بد

کون کہہ سکتا ہے کہ یہ شعر ان پناہ گزینوں کے واسطے لکھا گیا ہے۔ اس پورے شعر سے انہیں اس قدر علم ہوا کہ شراب کو ہندی زبان میں 'مد' کہتے ہیں۔ ادھر اس کے پانچ عربی فارسی مرادف دیئے

ہیں جن سے یقیناً یہ پناہ گزیں پہلے ہی سے واقف ہوں گے۔

شب چراز خش و نگا در خنگ توسن ہے ترنگ
برضیغم شیر ناہر یوز چیتا ہے پلنگ

یہاں پہلے مصرع میں ہندی ترنگ کے پانچ ناہر کے تین، اور چیتے کے دو فارسی عربی مرادف دیئے ہیں۔ بالفاظِ دیگر تین ہندی لفظوں کے واسطے دس فارسی عربی الفاظ آئے ہیں۔ اس تناسب سے کوئی سمجھ دار انسان خیال نہیں کر سکتا کہ خالق باری ان پردیسی مسلمانوں کو ہندی سکھانے کی غرض سے وجود میں آئی۔ ذیل کی مثالوں میں ہندی کے مقابلے میں پھر عربی فارسی الفاظ کی بہتات دیکھی جاتی ہے:

راہ طریق سبیل پہچان — ادبھ تھو کا مارگ جان
قوت نیرو زور بل آن — سارق دزد چور ہے جان
خنجر و شمشیر صمصام است تیغ — ہندوی کھانڈا کہا دان من میغ
امید آس باشد نومید ہے نراس — چرخ و فلک سپہر بود آسمان اکاس
ثور ستور گاو ہے بلد — خواہی لادو خواہی الد
بہندی زبان خانہ ہم بیت گھر ہے — چو خوف و خطر بیم ہم ترس ڈر ہے
لسان و زبان فارسی جیبھ آکھو — درخت و شجر دار دار رکھ بھاکو
کثیر و فراوان و بسیار و افزوں — بسے بہت کہیے سبھی جانیوتوں
ہم نمونہ بانگی اٹکل قیاس — عطر خوشبوی و شمیم و بوی باس
گلستاں و ہم بوستاں باغ باڑی — چمن قطع باشد خیاباں کیاری

بلکہ بعض اوقات صرف فارسی عربی الفاظ پر قناعت کی ہے، اور ہندی مرادف ترک کر دیا ہے،

چناں چہ:

قصر کوشک حصن دز تازی حصار
حجرہ کوٹھا بام اٹاری در دوار

کاغذ و قرطاس کاغذ دیکھئے ❊ ہم قلم ہم خامہ لیکھن لکھیئے

عقرب بتازی بچھو کژدم برج فلک

بشمر تو سروش و فرشتہ ملک

آفت و آسیب ہے رنج و بلا ❊ حی و زندہ جانیو تم جیوتا

اسلحہ ہتھیار بود آہن شکار ❊ رزم و غا جنگ دگر کارزار

مژدہ نوید خوش خبر بشارت ❊ چشمک ایما سیین اشارت

خالق باری میں عربی فارسی مرادفات لانے کا التزام اور بچوں کو پڑھانے کا اس کا عام دستور اس امر کی دلیل ہے کہ یہ کتاب بچوں کو فارسی سکھانے کے واسطے لکھی گئی تھی۔

کسی اور بیان میں پروفیسر موصوف فرماتے ہیں :

" یہ معلوم نہ ہو سکا کہ خود امیر خسرو نے اس کتاب کا نام کیا رکھا تھا، اتنا پتا ضرور چلتا ہے کہ آج سے کوئی تین سو برس پہلے بھی یہ کتاب خالق باری ہی کے نام سے مشہور تھی۔ اللہ خدائی سنہ ۱۰۶۰ھ کی تصنیف ہے۔ اس کے مصنف تجلی نے کتاب کی مختصر منظوم تمہید میں یہ شعر بھی لکھا ہے :

شاید از لطف و رحمت باری ❊ روح خسرو نماید م یاری

اس شعر میں امیر خسرو کی روح سے مدد مانگی ہے اور اس کے پہلے مصرع کے آخری لفظ سے خالق باری کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ خود اپنی تصنیف کا نام اللہ خدائی رکھا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس زمانے میں بھی امیر خسرو کا ہندی و فارسی منظوم لغت موجود تھا اور اس کا نام بھی خالق باری ہی تھا۔ تجلی نے جس طرح منظوم لغت لکھنے میں خالق باری کا انداز اختیار کیا، اسی طرح اس کا نام بھی خالق باری کی طرز پر اللہ خدائی رکھا ورنہ ظاہر ہے کہ کتاب کا یہ نام رکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ اس نام کو کتاب سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔" (ہندوستانی، صفحہ ۴۴، جنوری ۱۹۳۱ء)

اللہ خدائی کا مصنف تجلی جماعت صوفیہ سے گہری عقیدت رکھتا ہے، خواجہ بہاء الدین نقشبندی (متوفی سنہ ۷۹۱ھ) کی خدمت میں اسے قلبی ارادت ہے، ہر مشکل میں ان کی طرف رجوع کرتا ہے :

گر مرا نیک اوفتد یابد خواهم از نقش بند خواجہ مدد

دارم امید جرعہ از جامش زانکہ مر ما شای شد نامش

پھر بادشاہ عہد شاہ جہاں کی مدح سے فراغت پاکر فیضان سخن کے واسطے حضرت نظام الدین اولیاء اور امیر خسرو کی ارواح سے امداد کا خواستگار ہے تاکہ مرغ معنی اس کے جال میں پھنس جائے، کہتا ہے :

بہر مرغ سخن نہادم دام مددی خواستم ز روح نظام

شاید از لطف و رحمت باری روح خسرو نمایدم یاری

تا گر فکرتم تمام افتد طائرِ معنی ام بدام افتد

دوسرے شعر میں 'باری' لفظ کے لانے سے یہ قیاس کہ تجلّی نے 'خالق باری' کی طرف اشارہ کیا ہے، اضافت بادنیٰ ملابست کا حکم رکھتا ہے۔ اگر شاعر ایسا کرنا چاہتا تو مصرع میں ایک ادنیٰ تبدیلی سے کتاب کا پورا نام لاسکتا تھا۔ یعنی :

ع شاید از لطف خالق باری

اس لئے یہ یقین کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا مقصد یہاں خالق باری سے ہے۔ اگرچہ مجھ کو تسلیم ہے کہ خالق باری اللہ خدائی سے اقدم ہے، اللہ خدائی خالق باری کا پورا تتبع نہیں کرتی۔ جس طرح موخرالذکر کے آغاز میں الفاظ 'خالق باری' ملتے ہیں، اسی طرح تجلّی کی تالیف کے شروع میں 'اللہ خدائی' الفاظ نہیں آئے بلکہ حمد و نعت و سبب تالیف کے بعد اصل کتاب اس شعر سے شروع ہوتی ہے :

ہے صمد پاک اور احد یکہ جان ام القریٰ کو تو مکّہ

کتاب کا نام خاتمے میں یوں دیا ہے :

چوں بفضلِ خدائی گشت تمام کردم اللہ خدائی ایں را نام

میرا خیال ہے کہ تجلّی نے اپنی کتاب کا نام "اللہ خدائے" رکھا ہوگا نہ "اللہ خدائی"، اگرچہ اس تالیف کے مطبوعہ و قلمی نسخوں میں بالعموم "اللہ خدائی" نام نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر وحید مرزا : ڈاکٹر وحید مرزا نے اپنے انگریزی مضمون "خسرو کی ہندی شاعری" میں جو ادارۂ

معارف اسلامیہ کے پہلے اجلاس منعقدہ لاہور اپریل سنہ ۱۹۳۳ء کی روئداد کے ساتھ چھپا ہے، کوئی نئی بات پیدا نہیں کی۔ وہ تقریباً مولانا محمد حسین آزاد، مولوی محمد امین چڑیاکوٹی اور پروفیسر مسعود حسن رضوی کے بیانات کو مختصراً دہرا کر کہتے ہیں کہ خالق باری کے متعلق یہ فیصلہ کرنا کہ وہ خسرو کے قلم سے نکلی ہے یا نہیں، نہایت مشکل ہے۔ اگر خسرو کی تصنیف ثابت بھی ہو جائے تو اس سے طوطی ہند کی شان کون سی بلند ہو جائے گی۔

خان آرزو : خالق باری کے متعلق یہ بعض آراء زمانۂ حال کے اساتذہ و محققین کی ہیں۔ قدما میں خان آرزو (سراج الدین علی خاں متوفی سنہ ۱۱۲۹ھ) جہاں تک مجھے معلوم ہے، پہلے بزرگ ہیں جو اس کتاب کا ذکر کرتے ہیں۔

"غرائب اللغات"، اردو لغات پر ایک کتاب، عہد عالم گیر کے فاضل، میر عبدالواسع ہانسوی کی تصنیف ہے۔ خان آرزو بعد ترمیم و اضافہ اس کی ایک جدید اشاعت تیار کرتے ہیں۔ اس اشاعت میں جو "غرائب اللغات" ہی کے نام سے موسوم ہے۔ خان موصوف کئی موقعوں پر رسالۂ منظومہ امیر خسرو کا جس سے ان کی مراد خالق باری ہے، ذکر کرتے ہیں۔ لفظ 'انون' کی تشریح کے وقت میر عبدالواسع پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"انون' در رسالہ بخاری کہ در ایّام زمستان بر ردی ہوا پیدا شود' میغ۔ مؤلف گوید کہ این غلط است چراکہ 'انون' در ہندی ابر بلند شدہ را گویند۔ لہٰذا در وقتی کہ ابر شود ہندیان گویند' بادل اٹھے' یعنی ابر پیدا شد و سبب غلط این است کہ امیر خسرو علیہ الرحمتہ در رسالۂ منظومہ خود' انون' میغ گفتہ و در اکثر لغت فرس میغ بمعنی بخار مذکور آوردہ و حال آنکہ میغ بمعنی ابر نیز آمد چنان کہ در سردری و ہندی صحیح بخار مذکور 'کہر' است و در فارسی مشہور در کتب لغت 'نِزم' بکسر نون و سکون زائے معجمہ و میم۔"

اس موقع پر خان آرزو کی مراد "خالق باری" کے اس شعر سے ہے :

خنجر و شمشیر و صمصام است تیغ ⁂ ہندوی کھانڈا کھادے آن من میغ

مطبوعہ نسخوں میں یہ شعر اسی طرح ملتا ہے، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ خالق باری کے قلمی و قدیم نسخوں میں 'آن من' کی جگہ 'انون' 'اونون' یا 'انو' ملتا ہے۔

چھرے کی تشریح میں خان موصوف تحریر فرماتے ہیں :

" چھرا در رسالہ 'کارد بزرگ و بتازی ساطور خوانند'، همین است در 'کشف اللغات' و در 'منتخب اللغات' 'کارد و خنجر' و در قاموس مطلق چیزی کہ بُرّد و در رسالۂ منظومۂ امیر خسرو چھرہ بمعنی استرہ است و مشہور در قصباتِ ہندوستان نیز همین است ۔"

یہاں خان آرزو خالق باری کے شعر ذیل کی طرف اشارہ کرتے ہیں :

جاروب سوہنی کہ سدا ست ٹوکرا

مقراض کترنی کہ بود استرہ چھرا

'ماڑھی' ایک اور لفظ ہے، خان موصوف اس کے متعلق لکھتے ہیں :

" ماڑھی ۔ در رسالہ عمارتی کہ بر قبر آتش پرستان و یہودان سازند[1] ۔ ستودان، سین مہملہ و فوقانی بواد رسیدہ " لیکن بمعنی بام است ۔ چناں چہ از رسالۂ منظومۂ امیر خسرو علیہ الرحمۃ معلوم می شود ۔ امّا تحقیق آن است کہ 'ماڑھی' مطلق عمارت است و بہ معنی کہ مصنّف آوردہ مڑھی بحذف الف ۔"

خالق باری کا یہ شعر خان کے ذہن میں ہے :

قصر کوشک حصن در تازی حصار

حجرہ کوٹھا بام ماڑی در دوار

چکوا چکوی کے متعلق میں لکھتے ہیں :

" و این کہ در شعر امیر خسرو لفظ چکا وک بمعنی چکوا چکوی واقع شدہ توجیہ آن در سراج اللغۃ نوشتہ ام "

خالق باری میں مجھے کوئی ایسا شعر نہیں ملا جس میں یہ لفظ آتا ہو ۔ ممکن ہے کسی اور تالیف سے دیا ہو ۔ بہر حال ان تلمیحوں سے ظاہر ہے کہ خان آرزو خالق باری سے بخوبی واقف ہیں ۔ اور اس کو امیر خسرو کی تالیف تسلیم

---

[1] نوادر الالفاظ مرتبہ ڈاکٹر سید عبداللہ میں " سازند " کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں : " و آن را مکٹ خوانند "

(طبع انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی، صفحہ ۳۹۸، سنہ ۱۹۵۱ء) مرتب

کرتے ہیں، خان آرزو پر کیا موقوف ہے، محمد شاہ کے عہد کے بعض مخطوطوں سے بھی، جن تک میری رسائی ہوئی ہے، اسی عقیدے کی تائید ہوتی ہے۔

میرا خیال ہے کہ ہم نے خالق باری کو ضرورت سے زیادہ اہمیّت دی ہے، تاریخ و ادب میں کہیں اس کا ذکر نہیں آتا۔ نہ خسرو کی تالیفات کے ساتھ اس کا شمار ہوتا ہے نہ اس کے قدیم نسخے دست یاب ہوتے۔ جس قدر نسخے ملتے ہیں، بارھویں اور تیرھویں صدی ہجری کے نوشتہ ہیں، حتیٰ کہ گیارھویں صدی کا بھی کوئی باتاریخ نسخہ معلوم نہیں چہ جائے کہ دسویں صدی یا اس سے قبل کے نسخے معلوم ہوں۔

خالق باری کے تتبع میں کتابیں: گیارھویں صدی میں کم اور بارھویں تیرھویں صدی میں خالق باری کے تتبع میں درجنوں کتابیں لکھی جاتی ہیں مثلاً "اللہ خدائی" از تجلی "فرخ صبیان" از شیخ اسحٰق لاہوری (قریب سنہ ۱۰۵۷ھ در عہد شاہ جہاں) "صمد باری" از میر عبد الواسع ہانسوی۔ "فتح الفہم، نصاب مصطفیٰ" (سنہ ۱۱۲۶ھ در عہد فرخ سیر) "اسمائے فارسی" از نوندرائے۔ "قرآن مصحف" "رازق باری" از دالہ۔ "ایزد باری" "لغات السعید" از محمد حصار "مطبوع الصبیان" از صفی "خالق باری" از محمد اکرم۔ "خالق باری" از سیّد غلام علی شاہ امروہوی المتخلص بولی۔ "قادر باری" از فیاض عسکری (سنہ ۱۲۱۰ھ) "اللہ باری" از حافظ احسن اللہ لاہوری (سنہ ۱۲۰۷ھ) "قادر نامۂ غالب" "نصاب مختصر" از مولوی قدرت احمد عاصی (سنہ ۱۲۲۵ھ) "بالک باری" از پنڈت بل رام کشمیری (سنہ ۱۸۸۰ء) "نصاب حسن عرف شمع انجمن" از منشی حسن علی ولد محمد اسمٰعیل خاں بیدری (سنہ ۱۲۵۴ھ) "فارسی نامہ کلاں" طبع قیومی (سنہ ۱۲۳۰ھ) "قرآن مصحف" "گنج فارسی" از مہلہہ "فیض جاری" از میر شمس الدین محمد مرحوم (سنہ ۱۸۸۲ء، نول کشور) "نادر الترتیب مع فرہنگ" (طبع سنہ ۱۸۹۵ء) "حمد باری" از عبد السمیع رام پوری "مفید البحث" از منشی جمیعت علی "اللہ پیارے" از محمد عبد الحمید "ایزد نامہ" از امجد۔ "خالق باری" از احمد الدین خاں "خوش حال صبیان" از جگ جیون داس وغیرہ وغیرہ۔

جب اس قدر کتابیں ان تین چار صدی کے اندر اندر لکھی گئی ہیں، تو ظاہر ہے کہ خالق باری بھی ان کے

متصل زمانے میں لکھی گئی ہوگی۔ یہ امر قرینِ قیاس نہیں کہ خالق باری سنہ ۷۲۵ھ سے قبل بلکہ ساتویں صدی میں لکھی جائے، اس کے بعد پوری تین ساڑھے تین صدی تک اہلِ علم خاموش رہیں، اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں، گیارھویں صدی میں یکایک اس کا چرچا ہو اور اس کی تقلید میں نصاب تیار ہونے لگیں۔ ہمارے نزدیک یہ ایک ناقابلِ تسلیم صورتِ حال ہے۔ خالق باری نصابی سلسلے کی ایک کڑی ہے، اس کا زمانہ بھی دیگر ایسی تصنیفات کے زمانہ کے قریب ماننا ہوگا۔

اگر خالق باری حضرت امیر خسرو کی تصنیف ہوتی تو صورتِ واقعات بالکل مختلف ہوتی۔ اس عہد سے لے کر اب تک سینکڑوں نصاب اس کی تقلید میں لکھے جاتے۔ شارح اس کی شرحیں لکھتے، اہلِ لغات اس سے استشہاد کرتے اور کتاب ہذا مختلف فیہ لغات کے واسطے ایک معتبر اور سندی ماخذ قرار پاتی۔ بہت کم لوگ واقف ہیں، جس بے سروسامانی اور مشکلات کے ماحول میں آٹھویں، نویں اور دسویں صدی ہجری کے ہندوستانی فرہنگ نگاروں نے اپنی کتبِ لغات ترتیب دی ہیں۔ وہ ادنیٰ ادنیٰ شرحوں سے لغات جمع کرتے ہیں، کتابوں کے حواشی سے الفاظ چنتے ہیں، زندہ اساتذہ سے تحقیق کرتے اور دریافت کرتے ہیں، خطوط و مکتوبات سے سند لیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اگر امیر خسرو اتنا بڑا مجموعۂ لغت اپنی یادگار چھوڑ جاتے جو کہا جاتا ہے کئی بڑی جلدوں میں اور کئی ہزار اشعار کا حامل تھا، کس طرح ممکن تھا کہ یہ فرہنگ نگار جو دو درجن سے زیادہ ہیں اس سے استفادہ نہ کرتے بلکہ اس کے وجود سے بھی بے خبر رہتے۔ یہ خیال کرنا کہ یہ کتاب محض اتفاقیہ ان کے ہاتھ نہ لگی حقیقت سے بعید معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ان بزرگوں کے قول کے مطابق شروع ہی سے یہ کتاب داخلِ نصاب رہی ہے، پھر ان کی ناواقفیت اس سے کس طرح ممکن تھی۔

مولانا محمد امین نے اس یقین کے ساتھ کہ خالق باری امیر خسرو کی تصنیف ہے، دل کھول کر شاعرانہ انداز میں اس کی تعریف کی ہے، بلکہ نصاب الصبیان سے مقابلہ کر کے خالق باری کی افضلیت کو تسلیم کیا ہے۔ مولانا نے غالباً یہ سب کچھ محض عقیدتاً کیا ہے کیوں کہ حقیقتاً اگر ان کو مقابلہ منظور ہوتا تو نصاب الصبیان کے بجائے عبدالواسع کے نصاب سہ زبان یا ان نصابوں سے جو خالق باری کے بعد وجود میں آئے ہیں، مقابلہ کرتے جو ہر حال میں زیادہ مناسب اور موزوں ہوتا۔ امیر خسرو کا احترام ہمارے

دِل میں بھی اسی قدر ہے جس قدر کہ مولانا کے دِل میں ہے لیکن خالق باری کا معاملہ اور بات ہے۔ میں امیر کی طرف اس تالیف کا انتساب امیر کی ہتک سمجھتا ہوں۔ ہمیں اس کے نقائص پر بھی ایک نگاہ ڈالنی چاہیئے۔

اس کتاب میں ہر قسم کی ترتیب کا التزام مفقود ہے مضمون الفاظ اور وزن میں کوئی قرینہ ملحوظ نہیں۔ ہندی الفاظ کے تلفّظ کی کوئی پروا نہیں کی گئی، بعض الفاظ کا صحیح ترجمہ نہیں دیا، عربی فارسی اور ہندی مرادف بالالتزام نہیں دیئے۔ کبھی فارسی ہندی دے دیئے، کبھی فارسی عربی پر اکتفا کی۔ بھرتی کے الفاظ اس کثرت سے لائے گئے ہیں کہ الفاظ برائے بیت خالق باری کا قبیح پہلو بن گئے ہیں، مثلاً شعر مذکورہ بالا بادہ شراب و رادق الخ میں مصرع دوم:

گر جرعہ زاں خوری تو کنی کار نیک و بد

تمام و کمال برائے بیت ہے۔

وزن کی غلطیاں ، یہ امر قابلِ غور ہے کہ کتاب نو عمر بچوں کے واسطے لکھی گئی ہے، اس لئے اس کی بحروں کا سبک اور شگفتہ ہونا ضروری تھا۔ لیکن تصنیف ہذا میں کئی موقعوں پر غیر شگفتہ وزن نظر آتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ اوزان کی غلطیاں بھی موجود ہیں، کوئی مصرع گھٹ گیا، کوئی بڑھ گیا مثلاً شعر آئندہ:

زر بود سونا سیم جینل نقرہ روپا

جامہ کپڑا، ٹاٹ پٹّر، ڈبہ کوپا

جو بہ ظاہر بحر رمل مسدس سالم میں ہے، اس کے پہلے مصرع میں رکن اوّل کے بعد ایک سبب خفیف زائد از وزن لایا گیا ہے، یعنی "سونا" کا "نا" وزن سے باہر ہے۔

جگر داں کلیجہ سپر زاست تلی ۔۔۔۔ کہ پہلو بود ہندوی پانسلی

اس شعر میں پہلے مصرع کا آخری رکن سالم یعنی فعولن آیا ہے، دوسرے مصرع کا آخری رکن محذوف یعنی فعل ہے، یہ اختلاف ناجائز ہے۔ ورنہ "تلی" کے لام کو بہ تخفیف تشدید پڑھنا ہوگا۔

اور شعر:

عقرب بثازی بچھو کثردم برج فلک

بشر تو سروش و فرشتہ ملک

میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلا مصرع انگڑائی لے رہا ہے ، اس کے وزن کی اگر تلاش کی جائے تو فارسی والے کہیں گے کہ ہندی وزن ہوگا اور ہندی والے کہیں گے کہ فارسی ہوگا ۔

توت زصاد است کھیرا بادرنگ

چھینکا آونگ ہندوی ڈھیل ہے درنگ

اس شعر میں "آونگ" کا گاف اور "ڈھیل" کی لام زائد از وزن ہیں ۔

پانچ شعر کا ایک قطعہ جو بہ ظاہر وزن ہزج مسدس اخرب مقبوض محذوف ' مفعول مفاعلن فعولن معلوم ہوتا ہے ، مولانا محمد امین صاحب چڑیا کوٹی کی مرتبہ خالق باری صفحہ ۲۱ سے یہاں درج کیا جاتا ہے ۔

کیوان زحل سنیچر آمد	آدیت بپارسی خور آمد
مریخ بزبان ہندوی منگل	رائی بزبان فارسی خردل
بدھ ہے عطارد گر تو بدانی	اورا تو دبیر چرخ خوانی
برجیس مشتری برسپت	قاضی سپہر در سعادت
شد شکر ہندوی زہرہ را نام	خنیا گر آسمان دل آرام

قطعہ ہذا میں پہلے شعر کا وزن درست ہے لیکن دوسرے شعر کا وزن مفعول مفاعلن مفاعیلن ہے وہ بھی اس صورت میں کہ "مریخ" کے بعد بائے ظرف کو زائد از وزن قرار دیا جائے ۔ تیسرے شعر کا مصرع اوّل بر وزن مفتعلن فع دو بار ہے ۔ چوتھے شعر میں "برجیس" کے بعد "ہے" کے اضافہ سے وزن درست ہوگا ، پانچویں شعر میں مصرع اوّل کا وزن یقیناً ہزج مسدس اخرب مقبوض و محذوف سے خارج ہے ۔ بہر حال ارکان شعر میں اس قدر اختلاف عروضی نقطۂ نظر سے بالکل ناجائز ہے ۔

ایک ہی لفظ کے دو مختلف معنی : یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ مصنف مختلف موقعوں پر ایک ہی

لفظ کے دو مختلف معنی دے جاتا ہے :

عنقا سیمرغ ہست لگ لگ ہے تیترا　　ہم بارکش ریسماں ہے جیبڑا

طاؤس مور باشد درّاج تیترا　　خوب ونکو بھلا و بدو زشت ہے بُرا

گویا مصنف کے نزدیک تیتر کی فارسی لگ لگ بھی ہے اور درّاج بھی۔ لیکن فارسی میں لگ لگ اور درّاج دو مختلف پرندے ہیں۔ درّاج بیشک تیتر ہے، لگ لگ کو اہلِ لغات یوں بیان کرتے ہیں۔ مرغی است مشہور کہ گردن و منقار و پائی دراز دارد و مار را شکار کند، حکیم سنائی :

آن لگ لگ گوید کہ لک الحمد و لک الشکر

تو طعمۂ من کردہ آن مار زیان را"

اس قسم کی غلطی حضرت امیر خسرو سے نہایت بعید ہے۔

کسی دوسرے موقع پر خرما کے معنی ایک جگہ کھجور بتاتے ہیں اور دوسری جگہ املی چناں چہ :

جان خرما ہندوی املی　　دان صمغ گوند گلیم است کمبلی

ہندوی گوبند خرما را کھجور　　داکھ را تو فارسی می دان انگور

• املی اگرچہ خرمائے ہندوی کہلاتی ہے لیکن جس طریق سے مصنف نے بیان کیا ہے، بے حد مغالطہ انگیز ہے۔ شعر دوم میں جس طرح انگور کا تلفظ کھپایا گیا ہے، ہمیں پنجاب کی یاد دلاتا ہے۔ یہ تلفظ امیر سے بعید ہے۔

صحت الفاظ کی پرواہ نہ کرنا ، مصنف صحت الفاظ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن کر دیتا ہے :

ہرن آہو جانئے آہو بچہ کہئے غزال　　بوزنہ بندر خرس ریچھ آمدہ گیدڑ شغال

بہ ضرورت وزن یہاں ہرن کی رے کو جو متحرک ہے، ساکن اور خرس کی رے کو جو ساکن ہے متحرک پڑھنا ہوگا۔ یہ تلفظ مبتدیوں کے لئے یقیناً گمراہ کن ہے۔

کرم شب تاب است کیڑا چمکناں   نیز گویند آتشک ادرابداں

"چمکناں" بہ تحریک اوّل و دوم و سکون سوم ہے۔ یہاں وزن کی بنا پر اس کو بہ سکون دوم و حرکت سوم پڑھنا ہوگا۔

حربا گرگٹ کشدم بچھو راسو نیول   سگ ہے کتّا ماہی مچھلی لقمہ کول

اس شعر میں "کول" جیسا کہ مولانا محمد امین صاحب نے لکھا ہے، بہ حرکتِ اوّل و دوم ہے، مگر وزن کی خاطر بہ سکون دوم و سوم پڑھا ہے۔

گندم گیہوں نخود چنا شالی ہے دھان   جرت جوزی عدس مسور برگ ہے پان

شعر ہذا میں جوار کے لئے جرت کا لفظ آیا ہے، اس شکل میں یہ لفظ کتب لغات میں نہیں ملتا۔ اہلِ لغات "زرت" بازائے معجمہ و تشدید دوم (جیسے حکیم یوسفی کے قصیدے میں دیکھا گیا) لکھتے ہیں اور بعض اہلِ نصاب بہ تخفیفِ تشدید لائے ہیں۔

چرخہ رہٹہ عنکّہ را پاگلہ دان   رانڈ بیوہ زال را بوڑھی بخواں

اس شعر میں پاگلہ ایسا لفظ ہے، جس سے اہلِ لغات ناواقف ہیں۔

غیر صحیح ہندی ترجمے: اسی طرح بعض الفاظ کے ہندی ترجمے صحیح نہیں دیئے۔

سیر اگھانا کور کانا بھید راز   گرسنہ بھوکا پیاسا تشنہ باز

کور کا ترجمہ کانا ایک نصاب کی کتاب میں، جو خصوصیت کے ساتھ بچوں کے واسطے لکھی جاتی ہے، درست نہیں کہا جاسکتا۔

دست برنجن کنگن کہئے پائل ہے خلخال   پائے برنجن چوڑا کہئے خوبی حسن و جمال

یہاں لفظوں کی الٹ پھیر سے غلط معنی پیدا ہوگئے یعنی پائے برنجن کے معنی چوڑا دیئے ہیں جو ہاتھ میں پہنا جاتا ہے۔ نہ پاؤں میں چوڑا غالباً دست برنجن سے متعلق ہے جو پہلے مصرع میں آتا ہے:

جوز بویا جائپھل بشنک بداں   ہم قرنفل لونگ را کیکر بخواں

کیکر کو پنجابی لفظ بتایا گیا ہے، چناں چہ تمام مطبوعہ نسخوں میں اس کو پنجابی دکھایا ہے لیکن حیرت خیز

یہ امر ہے کہ اہلِ پنجاب اس لفظ سے، جن معنوں میں کہ یہاں آیا ہے، اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہیں۔ کیکر البتہ ان کے ہاں ببول کو کہتے ہیں نہ لونگ کو۔

شب گیر و لیل و شب تو بداں رات رین نس

فانیذ و قند و شکر گڑ جان زہر بس

یہاں شب گیر (وقت سحر پیش از صبح) کو رات کے ہم معنی کہنا بروئے لغت درست نہیں۔ اسی طرح دوسرے مصرع میں فانیذ قند و شکر کو مرادفات کے طور پر لاکر ان کا ترجمہ "گڑ" بتلانا نامناسب ہے۔

ران و فخذ کہ جانگھ بود ناز لاڈلا

استخواں ہاڑ باشد و دیوانہ باؤلا

دونوں مصرعوں میں وزن کے اختلاف سے قطع نظر ناز کا ترجمہ لاڈلا صحیح نہیں کہا جاسکتا۔ ناز بمعنی فخر و استغنا و نازش ہے۔ اِدھر لاڈلا، ناز پروردہ اور پیارا ہے نہ کہ ناز۔

رایت لوائے و نیزہ بود اسپر ست ڈھال

لب آب ندی حوض و گر سر درست تال

نیزہ، رایت اور لوا کا ہم معنی نہیں مانا جاسکتا۔ نیزہ بھالا یا برچھا ہے۔ رایت جھنڈا ہے۔

دیہیم و تاج و افسر در ہندوی مکٹ

زاغ بریدہ پر را تو جان کاگ کٹ

زاغ بریدہ پر کا ترجمہ "کاگ کٹ" ناکافی ہے، خالی "کٹ" سے "بریدہ پر" کا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔

انگشتری انگوٹھی کہیے خاتم جان نگینہ

ہے زنگولہ گھنگر و بچھوا جھم کا مال خزینہ

نگینے کے مشہور اور معتبر معنی نگین یا نگ ہیں، انگوٹھی پر اس کا اطلاق بہ سبیل مجاز ہے اور نہایت قلت سے استعمال ہوا ہے۔ مصنف خالق باری عام فہم معنی سے احتراز کر کے غیر مشہور معنی دے رہا ہے۔ مصرع ثانی میں گھنگر و، بچھوا اور جھم کا تین مختلف المعنی ہندی الفاظ جمع ہیں۔ گھنگرو زنگولہ کی ہندی ہے بچھوا

ایک ہتھیار ہے اور پاؤں کی انگلیوں کا زیور بھی ہے، جیسے جھکے کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں سال اور خزینہ عربی الفاظ ہیں اور باہم مرادف نہیں۔

ہامہ کا چک مانجھ کپار جا کہیئے ٹھاؤں

چوں در ہندوی مرا بہ پرسی گھوپڑی ناؤں

یہاں عربی ہامہ اور اس کے فارسی مرادف کاچک کے لئے ایک ہندی مرکب لفظ مانجھ کپار دیا ہے پھر فارسی لفظ جا کا ترجمہ ٹھاؤں لاکر پہلا مصرع ختم کر دیا ہے۔ مصرع ثانی میں دوبارہ پہلے لفظ کی طرف رجوع کر کے کہا ہے کہ اگر ہندی میں پوچھوگے تو اس کا نام کھوپڑی ہے۔ یہ نامناسب طریقہ ہے کہ ایک لغت تشریح دوسرے لغت کے بعد لاکر متعلم کے ذہن میں غلط فہمی کا موقع پیدا کیا جائے۔ مولانا نذیر احمد نے اس سقم کو دور کرنے کے لئے شعر کو یوں بدلا ہے:

ہامہ کاچک کھوپڑی باشد بھیجا مغز دماغ

کلھڑا کوزہ صراحی بوتل پیالہ کاسہ ایاغ

اسی قسم کی تقدیم و تاخیر کی مثال میں ایک اور شعر دیا جاتا ہے:

دشمن بیری کو بس دمامہ باراں میئہ

عشق و محبت عاشق متر جانی نہیہ

یہاں بھی عشق و محبت کا ہندی ترجمہ "نہیہ" غیر لفظ عاشق اور اس کے ہندی مرادف متر کے بعد جا کر دیا ہے۔

ع: طفل کودک خورد بالا منڈا را

اس مصرع میں "را" حشو بہ بالکل مہمل اور بدنما ہے۔

سمندر ہے آگ میں جیو کیڑا چو بُعد است دور و چو نزدیک نیڑا

"بُعد" کی فارسی دُوری ہے نہ کہ دُور یا یوں کہئے کہ "دُور" کے واسطے بعید آنا چاہئے تھا۔ ایسی غلطی مصنف یا کاتب کی بے خیالی سے پیدا ہو سکتی ہے لیکن تعجب اس بات پر آتا ہے کہ امیر خسرو کے

لحاظ سے کسی نے خالق باری کی ایسی غلطیوں کی درستی کی جرأت نہ کی :

موسل ست معروف بادن اوکھلی   چوب دستہ موسل است خوشہ پھلی

یہ شعر بھی مصنف کی بے پروائی کی مثال میں لایا جاسکتا ہے ، پہلے مصرع میں "موسل" کو معروف کہہ کر چھوڑ دیا اور دوسرے مصرع میں وہی لفظ مکرّر لاکر اس کی فارسی "چوب دستہ" دی ہے ۔

نام کیول را بدان نیلوفر است   کبہ و جیش و خشم داں لشکر است

کیول کوئی لفظ نہیں ۔ اصلی لفظ "کنول" ہوگا ، کسی غلطی کی بنا پر "کیول" لکھا گیا ، لیکن امیر خسرو کے رُعب میں آکر کسی نے اس کی تصحیح کا اقدام نہیں کیا ۔ اسی طرح دوسرے مصرع کے پہلے رکن میں 'کبہ و' کی جگہ 'کوکبہ' زیادہ مناسب اور عام فہم معلوم ہوتا ہے ۔

مصنّف خالق باری اور امیر خسرو مختلف ہیں ۔ یہاں بعض ایسی شہادت پیش کی جاتی ہے' جس سے قیاس ہوتا ہے کہ مصنّف خالق باری اور امیر خسرو دو مختلف شخصیتیں ہیں ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض امور میں ان کی معلومات مختلف ہے مثلاً :

فارسی سیمرغ عنقا ہست تدرو کبک و ہنس

ہیچویر قانست کا نور ہے زر یر و نسل ہنس

اس شعر میں تدرّو ۔ کبک اور ہنس تین مختلف پرندوں کو مصنف نے ایک مان لیا ہے' کبک کسی تشریح کا محتاج نہیں ۔ اس کو ہم چکور کہتے ہیں :

ع   کبک کو ہندی میں کہتے ہیں چکور

ہنس آبی پرندہ ہے ، تدرو کے واسطے اہلِ لغات لکھتے ہیں :

" مرغیست صحرائی شبیہ بہ خروس در نہایت خوش روشی و خوش رفتاری ۔"

لیکن قابلِ ذکر یہ امر ہے کہ خود امیر خسرو کبک اور تدرو کو علی الرغم مصنّف خالق باری علاحدہ علاحدہ پرندے تسلیم کرتے ہیں ۔ چناں چہ قران السعدین :

آن کہ پریدی زپر خود تذرو ماندہ چو پر گم شدگان زیر سرو

لالہ چو از کوہ برفت از شکوہ کبک ببرید دل از تیغ کوہ

قران السعدین میں دونوں شعر اسی ترتیب سے بلا فصل آتے ہیں، جس سے اس یقین میں کوئی شبہہ نہیں رہتا کہ امیر کے نزدیک کبک اور تذرو علاحدہ علاحدہ پرندے ہیں، اس کی تائید نظامی کے اشعار سے بھی ہوتی ہے، چناں چہ:

درین باغ رنگین چو کبک و تذرو

نہ گل در چمن ماند خواہد نہ سرو

(سکندر نامہ، صفحہ ۱۸۸، مطبع مصطفائی، ۱۲۷۰ھ)

(دیگر) چمن باز نو شد بہ شمشاد و سرو

خرامش درآمد بکبک و تذرو

(سکندر نامہ صفحہ ۱۵۴۰، مطبع مصطفائی، ۱۲۷۰ھ)

(دیگر) زتیہو و دراج و کبک و تذرو

نیابی تہی سایۂ بید و سرو

(سکندر نامہ صفحہ ۱۵۲۰، مطبع مصطفائی، ۱۲۷۰ھ)

بہرحال خسرو کی طرح نظامی بھی کبک و تذرو کو جداگانہ پرندے قبول کرتے ہیں۔ اگر خالق باری امیر کی مِلک ہوتی تو کبک و تذرو کو ایک دوسرے کا مرادف ماننے کی غلطی ان سے سرزد نہ ہوتی۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ خالق باری کا مصنّف اور امیر خسرو ایک شخص نہیں ہیں۔ نہ ہم یقین کر سکتے ہیں کہ خسرو ہنس تدرو اور کبک میں کوئی فرق نہیں کر سکتے تھے۔

ثور ستور گاڈ ہے بَلَدَ خواہی لادو خواہی الد

یہاں لادو بمعنی لدّو یا باربردار ہے۔ لیکن امیر خسرو "دول رانی خضر خانی" میں باربردار کے

لئے جو ہندی لفظ لائے ہیں "لادی" ہے :

سوم لادی گرفتہ بہ سر این بار ۔۔۔ کہ در ہندی است لادی بار بردار

لادی فی زمانہ بوجھ کے واسطے آتا ہے یعنی اتنا وزن جو کوئی جانور ایک مرتبہ لے جاسکتا ہو۔ ستور کا اطلاق اگرچہ چار پائے پر ہوتا ہے مگر زیادہ تر مراد گھوڑا لیا جاتا ہے۔ فردوسی :

زسم ستوران دران پہن دشت
زمین شش شد و آسمان گشت ہشت

دیگ ہانڈی کفچہ ڈوئی بے خطا
تابہ کزگان است کڑاہی و توا

گزگان یا گزکان نے مصنوعی لغت کی حیثیت اختیار کرلی ہے، یہ لفظ آنندراج، نفائس، برہان، رشیدی اور جہاں گیری میں نہیں ملتا۔ البتہ قازغان، قزغان اور گزغان بہ معنی "دیگ بزرگ مسین" ملتا ہے، جو ترکی لفظ ہے۔ امیر خسرو فرماتے ہیں :

دلی با این ہمہ زرین خوان خالی شستہ بہ رسم
کہ حلوائی رضا پختہ نگردد اندرین گزغان[1]

یاد رہے کہ خسرو کے نزدیک اس کا تلفظ "گزغان" ہے "نہ کزگان" یا "گزکان" جیسا کہ خالق باری میں آتا ہے۔ مصنف خالق باری اسے کڑاہی کے معنی میں لایا ہے۔ حالاں کہ دیگ اور کڑاہی میں بڑا فرق ہے۔

کتب لغات : ایک بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ایسی تالیف بغیر کتب لغات کی امداد کے مشکل سے تیار ہوسکتی ہے۔ ہندوستان ہی صرف ایسا ملک ہے جہاں فارسی لغات کے سلسلے

---

[1] شرمندہ مانم از پی ترتیب نان شان
قزغان گرد نعت ار گرد، آسیا گرد (دیوان حسن سجزی، صفحہ ۲۲، مرتبہ حضرت محوی)

میں بڑی سرگرمی و تندہی کے ساتھ باقاعدہ کام کیا گیا ہے۔ چوں کہ اس ملک میں فارسی کی حیثیت ہمیشہ سے اکتسابی رہی ہے، اس لئے ہر زمانے میں اس مضمون میں دلچسپی لی گئی ہے اور فرہنگیں کثرت کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ عہد مغلیہ میں جو لغات تصنیف ہوئے مثلاً فرہنگ جہانگیری و سروری و رشیدی وغیرہ ان سے خالق باری کو کوئی سروکار نہیں۔ عہد قبل مغل میں پھر ایک دراز سلسلہ فرہنگوں کا ملتا ہے۔ جو ہندوستان کے مختلف مقامات میں وجود میں آئیں۔ ان میں سب سے مقدم "فرہنگ نامۂ قواس" ہے جو علاؤالدین محمد شاہ خلجی (سنہ ۶۹۵ ھ و ۷۱۵ ھ) کے عہد کے مشہور شاعر مولانا فخرالدین مبارک شاہ غزنوی قواس یا کمانگر کی تالیف ہے۔ اس کے بعد "دستور الافاضل" کا نمبر ہے جس کو مولانا رفیع المعروف بحاجب خیرات دہلوی سنہ ۷۴۳ ھ میں ختم کرتے ہیں۔ قاضی بدرالدین محمد دہلوی نے سنہ ۸۲۲ ھ میں "اداۃ الفضلا" مولانا محمد بن قوام بن رستم کرائی (گجراتی) نے سنہ ۸۳۷ ھ میں "بحر الفضائل" مولانا محمد بن داؤد شادی آبادی (منڈوی)، شارح انوری و خاقانی نے "مفتاح الفضلا" مولانا ابراہیم فاروقی نے سنہ ۸۷۷ ھ میں "شرف نامۂ منیری" مولانا محمود بن شیخ ضیاء نے سنہ ۹۱۶ ھ میں سکندر لودھی کے نام پر "تحفۃ السعادت" تصنیف کیں۔ اسی طرح اور فرہنگیں ہیں جن کے زمانوں اور مصنفوں سے ہم ناواقف ہیں مثلاً "قنیۃ الطالبین" از ابن باب قاضی شہ "زفان گویا" از ملا رشید برادر جد جامع شرفنامۂ منیری "فرہنگ علی بیگی" "فرہنگ شیخ زادہ عاشق" "فرہنگ شیر خانی" "مؤائد الفوائد" "لسان الشعرا" "فوائد الفضلا" "اصطلاحات شعر" "طب حقائق الاشیا" وغیرہ وغیرہ۔ اس سلسلے کی آخری کڑی "مؤید الفضلا" ہے، جو کہتے ہیں سنہ ۹۲۵ ھ میں تصنیف ہوئی۔ اب خالق باری اس سلسلہ کی فرہنگوں پر اساس پاتی ہے۔

ان فرہنگوں کے ساتھ خالق باری کا علاقہ: یہاں بعض ایسے امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو براہ راست اس تالیف کا علاقہ عہد قبل مغل کی فرہنگوں کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں۔ خالق باری میں بعض وہی غلطیاں نظر آتی ہیں جو خود ان فرہنگوں میں موجود ہیں۔ مثلاً ہم اوپر دیکھ آئے ہیں کہ امیر خسرو کے نزدیک تدرو اور کبک دو مختلف پرندے ہیں، لیکن صاحب خالق باری نے ان دونوں پرندوں کو ایک مانا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود بعض اہل لغات اس غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ مثلاً فرہنگ مؤید الفضلا میں تدرو کی تشریح میں ہم یہ عبارت پڑھتے ہیں:

" تدرو بفتحتین، کبک، وآں پرندہ ایست آتش خوار و خوش رفتار کہ بکوہہا بود کذافی ادات (الفضلا)"

ادات الفضلا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے سنہ ۸۲۲ھ میں تالیف ہوتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ صاحب خالق باری نے اپنی کتاب تالیف کرتے وقت ادات الفضلا بلکہ مؤید الفضلا سے امداد لی ہے جس سے عبارت بالانقل ہوئی ہے

نیا خال ہندوی ماموں جان اور عمّو کہئے چچا بکھان

" نیا" کے معتبر معنی نانا یا دادا ہیں، چناں چہ لغت فرس، فرہنگ جہانگیری، فرہنگ رشیدی، چراغ ہدایت اور آنندراج میں یہی معنی دیئے ہیں اور فردوسی بالعموم انہی معنوں میں لاتا ہے:

دردگر زمانست دماچون گیا همانش نبیره همانش نیا

مصنّف خالق باری نہایت مشہور و مستند معنی ترک کر کے مشتبہ یا غلط معنی 'ماموں' بیان کرتا ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر عرض ہو چکی ہے یعنی اس کے ماخذ مؤید الفضلا میں اس لغت کی تشریح میں یہ عبارت ملتی ہے۔

" نیا، جدو برادرِ مادر و برادرِ بزرگ"

یاد رہے کہ آخری دونوں معنوں کے واسطے ہمارے پاس کوئی معتبر سند موجود نہیں۔

شب چراغ یاقوت رتن ہیرا ہے الماس
اور زمرّد پنّا کہئے کسوت جان لباس

شب چراغ کو یاقوت اور رتن کا مرادف ماننا درست نہیں کیونکہ وہ گاؤ دریائی کا گوہر ہے، اس لئے دریائی ہوا نہ کانی اور یاقوت جواہر کانی سے ہے جسے لوگ لاعلمی میں لعل بھی کہہ دیتے ہیں۔ شب چراغ کو امیر خسرو نے کبھی تاروں کے ساتھ تشبیہہ دی ہے کبھی یاقوت شمسیہ کے ساتھ اور کبھی لعل آتشیں کے ساتھ مثالیں:

(۱) " آن کہ گویند گوهر شب چراغ کہ چوں نور شب قدر ناپیداست، همچوں آفتاب روشن شد کہ همان یاقوت شمسیہ است، پوشیدہ نیست کہ چراغی از چراغی فروزند با آن کہ گوہر شب چراغ از چراغ خورشید افروختہ اما اگر بہ نزدیک خورشید برند دور نہ باشد کہ آتش در چراغ خورشید گیرد۔"

(اعجاز خسروی، رسالۂ ثانیہ، صفحہ ۱۴۴، نول کشور)

(۲) "ولعل آتشیں ازاں یابتہ کہ از تاب او آتش در گوہر شب چراغ گیرد ۔"

(خزائن الفتوح، صفحہ ۱۱۶/۱۱)

(۳) "چوں ہندوی شب خزائن گوہر شب چراغ بیرون ریخت ۔"

(صفحہ ۱۱۳، خزائن الفتوح، طبع علیگڑھ)

نظامی کے ہاں ذیل کی مثالوں میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے :

بہ گوہر فروزد شب تیرہ نام
نگر شب چراغش از آنست نام

(سکندر نامہ صفحہ ۱۱۹، مصطفائی، ۱۲۷۰ھ)

بیا ساقی آن شب چراغ مغان
بر آور بمن بر میا در فغان

(سکندر نامہ صفحہ ۱۳۸، مصطفائی، ۱۲۷۰ھ)

زبس شب چراغ آن گراں مایہ گاہ
بشب چوں چراغ ست رخشندہ ماہ

(سکندر نامہ، صفحہ ۱۵۴، مصطفائی، ۱۲۷۰ھ)

فروزندۂ صحن آن تازہ باغ
زبس شب چراغ بشب چوں چراغ

(اقبال نامہ)

چو لعل شب افروز آمد بجنگ
زہر منجنیق کشادند سنگ

کہ مارا دہ این گوہر شب چراغ
دگر نہ گرانی برون بر زباغ (اقبال نامہ)

اگرچہ خسرو نے شب چراغ کو کبھی یاقوت کے ساتھ مثال دی کبھی لعل کے ساتھ اور کبھی ستارگانِ شب کے ساتھ، تاہم کہا جاسکتا ہے کہ وہ لعل و یاقوت سے مختلف ہے۔ لیکن مصنّف خالق باری شب چراغ اور یاقوت کو اس لئے ایک مانتے ہیں کہ ان کے ماخذ شرف نامۂ ابراہیم فاروقی میں (بحوالۂ عجائب البلدان) اور مؤیدالفضلا میں لعل کی تشریح میں یہ عبارت ملتی ہے:

"لعل گوھری ست قیمتی درخشاں بدیں حدود نیفتد مگر بہ سراندیب وآں را گاو می آرد از دریا (ظلمات در شرف نامہ) در دھن می گیرد و در صحرا می نہد در روشنائی آں گیاہ و علف می خورد۔ مردم در کمین باشند گل تر بر سرش زنند۔ گاو بانگ وزاری کناں باز بدریا شود مردم آں را بردارند۔"

یہ درحقیقت شب چراغ کا بیان ہے، نہ لعل و یاقوت کا۔ شب چراغ کو عہد مغلیہ کے اہلِ لغات کسی گاؤ دریائی کا گوہر بتاتے ہیں جس کی روشنی میں وہ رات کو چرتی ہے۔ فرہنگ آنندراج و غیاث اللغات میں یہی تشریح ملتی ہے۔

شب چراغ پر لعل و یاقوت کا اطلاق عہد قبل مغل کے شارحین و فرہنگ نگاروں کی غلط فہمی کی وجہ سے ہے جس کا پرتو ہم خالق باری میں دیکھتے ہیں۔

اس مختصر تبصرہ سے یہ امر روشنی میں آتا ہے کہ بعض اغلاط مغلیہ عہد سے قبل کی فرہنگوں مثلاً مؤیدالفضلا اور خالق باری میں مشترک ہیں اس لئے ہم اس قیاس میں حق بجانب ہیں کہ خالق باری مؤیدالفضلا کی تالیف کے بعد وجود میں آئی ہے۔

خالق باری کا شعر ذیل بھی مؤیدالفضلا کے بیان پر مبنی معلوم ہوتا ہے:

ہندوی پیپل بود فلفل دراز　　مرچ فلفل گرد را گویند باز

شعر ہذا میں فلفل کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں۔ پہلی فلفل دراز جسے ہندی میں پیپل کہتے ہیں دوسری فلفل گرد جسے ہندی میں مرچ بولتے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ قدیم فرہنگوں میں فلفل یا پلپل کا لفظ مل جاتا ہے لیکن ان فرہنگوں میں اس کی تقسیم باعتبار درازی و گولائی نہیں دی گئی۔ مثلاً گنیۃ الطالبین میں مرقوم ہے:

"پلپل بکسر دوم متجانس مرادف"

شرف نامۂ احمد منیری (تالیف سنہ ۸۷۷ھ) میں یہ تشریح نظر آتی ہے :

" فلفل بضم یکم و سویم پلپل و بکسر ہمان پلپل "

لیکن مؤید الفضلا (تالیف سنہ ۹۲۵ھ) میں یہ عبارت دی گئی ہے :

" و آن دوائیست یکی پلپل گرد کہ آن را ہندوی مرچ نامند و دوم پلپل دراز و آن را ہندوی پیپل گویند و آن ہر دو برای تداوی بکار آید۔"

اب خالق باری میں بھی یہی تقسیم بعینہ انھی الفاظ میں دی گئی ہے جس سے اس احتمال کی کافی گنجائش نکل آتی ہے کہ خالق باری کا ماخذ مؤید الفضلا ہے۔ ذیل کا شعر بھی اسی احتمال کا مؤید ہے :

چراغ است دیا فتیل است باتی   بود جد دادا نبیرہ است ناتی

نبیرہ فرزند زادہ ہے یعنی پوتا اور نواسا۔ بلکہ زیادہ مشہور معنی پوتا ہیں۔ چناں چہ مولانا نذیر احمد نے اپنی ترمیم کردہ نصاب خسرو میں آخری مصرع یوں لکھا ہے :

ع ... بود جد دادا نبیرہ است پوتا

ویسے بھی جد کے ساتھ لائے جانے سے قدرتاً پوتا مراد ہو سکتی ہے لیکن ناتی نواسا ہے جس سے ظاہر ہے کہ مصنف خالق باری نواسے کے معنوں میں لایا ہے۔ بہر حال وہ مؤید الفضلا کے اثر میں کام کر رہا ہے، جہاں نبیسہ کی تشریح میں یہ عبارت ملتی ہے :

" نبیسہ پسر دختر اما در ہند نبیسہ پسر پسر را گویند و نبیرہ پسر دختر را۔"

اور نبیرہ کے ذیل میں یہ عبارت تحریر ہے :

" ایں جا (ہندوستان) نبیرہ از جانب دختر و نبیسہ از طرف پسر گویند۔" (مؤید الفضلا)

شب چرا رخش و تگاور خنگ توسن ہے ترنگ

بر ضیغم شیر ناہر یوز چیتا ہے پلنگ

اس شعر میں مصنف خالق باری شب چرا، تگاور، خنگ، اور توسن کو ایک دوسرے کا مرادف مان کر مطلق اسپ کے معنوں میں لایا ہے اور وہ فرق جو باعتبار وصف و معنی ان الفاظ میں مضمر ہے،

نیلاں نہیں کیا شلاً خنگ' اسپ سپید ہے۔ تگاور رونده و رہوار ہے۔ رخش، بور ابرش یعنی جو سرخ و سپید ملا جلا ہو' یہ فرق بچوں کے ذہن نشین کرائے بغیر ہر لفظ کے معنی گھوڑا کہنا درست نہیں ۔
'شب چرا' اور بھی زیادہ قابلِ غور ہے، جو ضروری نہیں کہ اسپ ہو۔ اس کا اطلاق اس گاؤ پر بھی ہو سکتا ہے جو شب چراغ کی مالک ہے اور رات کے وقت اس کی روشنی میں چرتی ہے جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں۔

'شب چرا' ایسا لفظ ہے جس کا وجود مشتبہ ضرور ہے۔ مولانا نظامی کے ہاں سکندر نامے میں ایک شعر آتا ہے:

بشب زنگی آں شب چراگشت مست
چو مہ آمدہ شب چراغی بدست

(صفحہ ۱۰، سکندر نامہ)

شعر ہذا براق کے ذکر میں بیان معراج میں آتا ہے۔ اس کی تشریح دو طرح سے کی گئی ہے:

(۱) اگر 'شب چرا' کو مبتدا اور 'مست' کو خبر مانا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ وہ شب چرا یعنی براق رات کی گھپ سیاہی دیکھ کر بہت محظوظ ہوا جس کے سبب سے چاند سا شب چراغ (مراد ذاتِ رسول اللہ صلعم) اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

(۲) اگر پہلا مصرع سوال اور دوسرا مصرع جواب مانا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ وہ رات اپنی تاریکی پر اس قدر کیوں نازاں تھی؟ جواب دیا جاتا ہے کہ چاند کا سا شب چراغ (ذاتِ رسول) اس کے ہاتھ آگیا تھا۔ اس صورت میں 'شب' علاحدہ اور 'چرا' استفہامیہ ہے اور 'شب چرا' بحیثیت لفظ غائب ہو جاتا ہے۔ عہدِ مغلیہ کے لغت نگار شب چرا بمعنی چرندۂ شب لیتے ہیں نہ بمعنی اسپ جو خالق باری میں لئے گئے ہیں۔

خالق باری کی عالم گیر مقبولیت کچھ اس کے داخلی محاسن پر موقوف نہیں ہے جس قدر اس عقیدے کی بنا پر کہ وہ حضرت امیر خسرو دہلوی کی یادگار ہے۔ اس کی تائید میں خاتمہ کا شعر نقل کیا جاتا ہے، جو قدیم و جدید نسخوں میں بالکل مختلف ہے۔ مطبوعہ نسخوں میں اس کی شکل یوں ہے:

مولوی صاحب سرن پناہ گدا بھکاری خسرو شاہ

قدیم مخطوطوں میں جو بارھویں صدی ہجری کے ربع دوم سے تعلق رکھتے ہیں، اس طرح مرقوم ہے:

خالق باری بھئی تمام دوں جگ رہا خسروؔ کا نام

انڈیا آفس کے ایک نسخے میں، جو سنہ ۴ جلوس محمد شاہی یعنی سنہ ۱۱۳۴ھ کا نوشتہ ہے، ذیل کی صورت میں ملتا ہے:

خالق باری بھئی تمام چل خسرو گھر آپنے (بھئی) شام

ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ وہی شعر، جو امیر کے نام کی مہر کا حامل ہے، قدیم و جدید نسخوں میں اس قدر اختلاف کے ساتھ ملتا ہے۔

خالق باری کا اثر بعد کے نصابوں پر: "نصاب الصبیان" کی طرح خالق باری کا اثر بعد کے نصابی لٹریچر پر بے حد ہے۔ نہ صرف اردو نصاب اس کے شرمندۂ احسان ہیں بلکہ پنجابی، پشتو، گوجری، دکنی، برج و تلنگی زبانوں پر بھی اس کا اثر کارفرما ہے، گزشتہ دو صدیوں میں یہ کتاب ہندوستان کے اکثر صوبوں میں داخل درس رہی ہے۔ ہندوستان، پنجاب، گجرات و دکن کے سرکاری و غیر سرکاری درس گاہوں میں شامل نصاب رہی ہے اور اس قدر مقبول رہی ہے کہ پنجاب و دکن نے اس پر مقامی رنگ چڑھا دیا ہے۔ اہلِ قلم نے اس کی تقلید میں نصاب طیار کئے ہیں۔ بعض نے اس کے قبول عام سے مرعوب ہو کر اور اس کے مقابلے میں اپنے نصابوں کو سرسبز نہ ہوتا دیکھ کر خود خالق باری کی ترمیم و اصلاح شروع کر دی ہے مثلاً (۱) ترمیم شدہ خالق باری از منشی محمد یلاقی (۲) از ابو الخیر محمد زبیر اجمیری (۳) نصاب خسرو معروف بہ خالق باری از مولانا نذیر احمد مرحوم۔

بعض نے اس کی ترتیب عروضی اوزان کے اعتبار سے کی ہے ملاحظہ ہو "مطبوع صبیان" از صفی بعض نے اپنی تصنیف کے واسطے یہی نام اختیار کیا ہے مثلاً خالق باری از اکرم، خالق باری از سیّد غلام علی شاہ امروہوی۔ صرف اردو کے میدان میں ذیل کی کتابوں کے نام بہ تقلید خالق باری رکھے گئے ہیں:

(۱) "صمد باری" از عبد الواسع ہانسوی (۲) "اللہ باری" از احسن (تالیف سنہ ۱۲۰۷ھ) (۳) "رازق باری" از دالہ (۴) "ایزد باری" (۵) "قادر باری" از فیاض عسکری (سنہ ۱۲۱۰ھ) (۶) "حمد باری" از عبد السمیع رام پوری

(۷) "فیض جاری" از میر شمس الدین محمد

پنجابی زبان میں یہ نام خالق باری کے تتبع پر رکھے گئے ہیں:

(۱) "واحد باری" تالیف (سمت ۱۶۷۹ یا سمت ۱۶۸۳) (۲) "رازق باری" از اسماعیل (سنہ ۱۰۷۱ھ) (۳) "ایزد باری" از کھرل پسر سائیں داس سنامی (سنہ ۱۱۰۵ھ) (۴) "صنعت باری" از گنیش داس بڈھیرہ قانون گوے (سنہ ۱۲۲۰ھ) (۵) "واسع باری" از یک دل (سنہ ۱۲۳۱ھ) (۶) "اللہ باری" (۷) "ناصر باری" (۸) "اعظم باری" (۹) "صادق باری"۔

یہ کہنا مبالغے میں داخل نہیں کہ اُردو کی نشر و اشاعت میں اس تالیف نے ایک نہایت قابلِ قدر خدمت کی ہے، جس کی نظیر دوسری زبانوں میں موجود نہیں۔ ہندوستان میں مطابع کے قیام نے اس کی عالمگیر مقبولیت کو بے حد ترقی دی ہے اور کمپنی کے زمانے سے اب تک سینکڑوں مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ چناں چہ مشتے نمونہ از خروارے میرے کتب خانے میں، جو اب پنجاب یونیورسٹی کے خزانے میں محفوظ ہے، خالق باری کے ذیل کے قلمی اور مطبوعہ نسخے موجود ہیں۔

قلمی نسخے

(۱) نمبر ۳۵[1]: خالق باری، خاتمہ: "تمت تمام (شد) نصاب ہندوی زبان تصنیف امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ بتاریخ بیست و پنجم جمادی الثانی سنہ ۱۱۳۵ھ"۔

(۲) نمبر ۱۱۷: خالق باری بہ دستخط غلام محبوب الٰہی سنہ ۱۲۰۳ھ۔

(۳) نمبر ۹۸۴: خالق باری بہ دستخط شیو دیال کپاہی متوطن آستانہ متبرکہ پاک پٹن سمت ۱۸۸۷ بکرمی۔

(۴) نمبر ۹۸۷: خالق باری بپاس خاطر ثمرۂ شجرۂ آمال و امانی ......۔

(۵) نمبر ۹۸۸: خالق باری ناقص الاول۔

---

[1] یہ اور آنے والے نمبر میری کتابوں کی فہرست سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۶) نمبر ۱۰۰۱ : خالق باری از غلام علی شاہ امروہوی۔

(۷) نمبر ۱۰۰۲ : خالق باری نوشتۂ حافظ احسن اللہ لاہوری مصنف "مفتاح الافواہ" (سنہ ۱۱۹۶ھ) و "ذوق الصبیان" (تالیف سنہ ۱۲۰۷ھ)۔

(۸) نمبر ۱۰۱۱ : خالق باری نوشتہ سنہ ۱۱۷۸ھ بہ خط قدرت اللہ۔

(۹) نمبر ۱۱۰۱ : خالق باری بہ خط غلام محی الدین، کتابت قرن دوازدہم ہجری، بر کاغذ نیلگوں شل ابری۔

(۱۰) نمبر ۱۱۰۸ : خالق باری بہ خط فارسی و ہندی و گورمکھی بر کاغذ کشمیری، تقطیع کلاں بطرز بہی۔

(۱۱) نمبر ۱۱۱۳ : (۳) خالق باری نوشتۂ قرن سیزدہم۔

(۱۲) نمبر ۱۱۱۵ : خالق باری ناتمام۔

(۱۳) نمبر ۱۲۲۲ : خالق باری ناقص الآخر قرن سیزدہم۔

(۱۴) نمبر ۱۲۲۴ : (۳) خالق باری نوشتہ سنہ ۱۲۱۲ھ

(۱۵) نمبر ۲۳۲۲ : خالق باری ناقص الآخر بہ خط عبدالرحمٰن خاں بن محمد روشن خاں جو غالباً سنہ ۵۳ - ۱۲۵۴ھ کے درمیان نقل ہوئی۔ کاتب مشہور مطبع نظامی کان پور کے مالک تھے۔

(۱۶) نمبر ۲۲۷۷ : (۴) خالق باری بپاس خاطر محمد بخش (غالباً سنہ ۱۲۶۷ھ کی نوشتہ ہے)۔

مطبوعہ نسخے

(۱) نمبر ۱۳۴۳ : خالق باری، مطبع مصطفائی محمد مصطفےٰ خان، ہفتم شہر صفر المظفر سنہ ۱۲۵۷ھ بیت السلطنت لکھنؤ، زیر اکبری دروازہ محلۂ محمود نگر۔

(۲) نمبر ۱۳۴۷ : خالق باری، بتاریخ چہارم شہر جمادی الاول سنہ ۱۲۶۵ھ در مطبع مصطفائی، باہتمام محمد مصطفےٰ خاں ولد حاجی محمد روشن خاں مرحوم، در بیت السلطنت لکھنؤ، زیر اکبری دروازہ بہ محلۂ محمود نگر۔

(۳) نمبر ۱۳۴۸ : خالق باری بہ خط نیاز نمط میر محمد بخش، واقع دار الخلافہ شاہ جہان آباد، مقام چھتہ

موم گراں، در مطبع میرزائی، باہتمام حافظ پیر خاں، بست چہارم ماہ ربیع الاوّل سنہ ۱۲۶۶ھ۔

(۴) نمبرہ ۱۳۴۵ : خالق باری، مطبع مصطفائی باہتمام محمد مصطفےٰ خاں ولد حاجی محمد روشن خاں مرحوم درکتب کان پور محلہ ٹپکا پور، دہم ماہ صفر سنہ ۱۲۶۹ھ۔

(۵) نمبر ۱۳۴۶ : خالق باری، مطبع مصطفائی، باہتمام محمد مصطفےٰ خاں ولد حاجی محمد روشن خاں مرحوم بتاریخ نہم شہر شوال سنہ ۱۲۶۹ ہجری، در شہر کان پور بہ محلہ ٹپکا پور۔

(۶) نمبر ۱۳۴۹ : خالق باری، بفرمائش مسٹر جان انگلس، بہ مقام سیالکوٹ، در مطبع چشمۂ فیض باہتمام لالہ دیوان چند، ماہ ستمبر سنہ ۱۸۵۴ء۔

(۷) نمبر ۱۳۵۰ : خالق باری، سنہ ۱۲۷۲ھ، در مطبع عزیزی۔

(۸) نمبر ۱۳۵۱ : خالق باری، سنہ ۱۲۷۴ھ ہجری نبوی، در مطبع عزیزی، باہتمام خواجہ عبد اللطیف۔

(۹) نمبر ۱۳۵۲ : خالق باری، در مطبع نظامی واقع کان پور، باہتمام محمد عبد الرحمٰن ولد حاجی محمد روشن خاں بتاریخ نہم شہر شعبان سنہ ۱۲۷۵ھ، در شہر کان پور محلہ ٹپکا پور۔

(۱۰) نمبر ۱۳۵۲ : خالق باری، مطبع نظامی واقع کان پور، باہتمام محمد عبد الرحمٰن، در ماہ رمضان سنہ ۱۲۷۷ھ۔

(۱۱) نمبر ۱۳۶۹ : خالق باری، سنہ ۱۲۸۶ھ، مطبع نظامی، واقع کانپور۔

(۱۲) نمبر ۱۳۵۴ : خالق باری، سنہ ۱۲۸۸ھ، مطبع اسدی، لکھنؤ، حسب فرمائش محمد عبد الستار خاں۔

(۱۳) نمبرہ ۱۳۵۵ : خالق باری، حسب الحکم کپتان ہالرائڈ بہادر، ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن ممالک پنجاب سنہ ۱۸۷۱ء

(۱۴) نمبر ۱۳۵۶ : خالق باری، باہتمام منشی ماکی مل، در مطبع دامن گیر واقع لاہور، سنہ ۱۸۷۴ء۔

(۱۵) نمبر ۱۳۷۰ : خالق باری، مطبع عزیزی، واقع کانپور، باہتمام محمد عبد العزیز مالک مطبع و فرمائش سید اشرف علی (قبل ۱۸۸۷ء)۔

(۱۶) نمبر ۱۳۵۸ : خالق باری، مدارس احاطۂ پنجاب کے لئے، مطبع لارنس پریس لاہور میں، باہتمام غلام محمد پرنٹر

(۱۷) نمبر ۱۳۵۹ : خالق باری، مدارس احاطۂ پنجاب کے لئے حسب فرمائش میاں حفیظ اللہ تاجر کتب ساکن لاہور، مطبع گنیش پرکاش میں باہتمام گوبند سہلئے۔

(۱۸) نمبر ۱۳۵۷: خالق باری سنہ ۱۳۱۷ھ م ۱۸۹۹ء در مطبع نامی لکھنؤ، ساتویں مرتبہ، ماہ سپتمبر سنہ ۱۸۹۹ء۔

(۱۹) نمبر (؟): خالق باری، در مجموعۂ فارسی مطبع فتح الکریم بمبئی سنہ ۱۳۰۲ھ۔ ایضاً، مطبع کریمی بمبئی، سنہ ۱۳۱۸ھ۔ ایضاً، مطبع کریمی سنہ ۱۳۲۰ھ۔

(۲۰) نمبر ۱۳۶۰: خالق باری، مطبع مفید عام لاہور، پیلا کاغذ تاریخ ندارد۔

(۲۱) نمبر ۱۳۶۱: خالق باری، مطبع مفید عام لاہور، بے تاریخ۔

(۲۲) نمبر ۱۳۷۰: (۲) خالق باری، سنہ ۱۳۲۵ھ م ۱۹۰۷ء، مطبع مفید عام لاہور۔

(۲۳) نمبر ۱۳۶۲: خالق باری، سنہ ۱۳۲۶ھ، مطبع کریمی واقع بمبئی۔

(۲۴) نمبر ۱۳۶۳: خالق باری، اگست سنہ ۱۳۲۸ھ، الیکٹرک ابو العلائی پریس، چوراہہ نائی منڈی آگرہ۔

(۲۵) نمبر ۱۳۶۴: خالق باری، سنہ ۱۳۳۷ھ، حسب فرمائش شیخ برکت علی محسن علی تاجران کتب لاہور، باہتمام ملک چراغ دین مالک کیکسٹن پرنٹنگ الیکٹرک ورکس لاہور۔

(۲۶) نمبر ۱۳۶۶: خالق باری، مطبع ابو العلائی، آگرہ، سنہ ۱۳۳۸ھ۔

(۲۷) نمبر ۱۳۶۷: خالق باری، الیکٹرک ابو العلائی پریس آگرہ، سنہ ۱۹۲۱ء

(۲۸) نمبر ۱۳۷۱: خالق باری، مطبع مجتبائی، لکھنؤ، حسب فرمائش مینیجر صاحب مجتبائی پریس حافظ محمد عبد العزیز ابن حاجی محمد عبد اللہ صدیقی۔

(۲۹) نمبر ۱۳۷۲: خالق باری، باہتمام محمد ولی اللہ تاجر کتب مراد آباد، بازار منڈی و مالک مطبع گل زار احمدی مراد آباد۔

(۳۰) نمبر ۱۳۷۳: خالق باری، تاریخ و نام مطبع ندارد (غالباً بمبئی)۔

(۳۱) نمبر ۱۳۷۴: خالق باری، حسب فرمائش سعیدی کمپنی کان پور، محلہ ٹپکاپور، باہتمام غنی احمد ابن حاجی عبد الصمد مرحوم، مطبع رزاقی کان پور۔

(۳۲) نمبر ۱۳۷۵: خالق باری، مطبع جوالا پرکاش واقع میرٹھ (کتبہ مشتاق احمد تلمیذ ثمر لکھنوی)۔

(۳۳) نمبر۱۳۷۶ : خالق باری (جلی قلم) نگارش قلم منشی نتھو صاحب شیریں قلم لاہوری، مطبع مفید عام واقع لاہور، سنہ ۱۹۱۱ء تقطیع کلاں۔

(۳۴) نمبر۱۳۷۷ : خالق باری (جلی قلم) نگارش منشی محمد شمس الدین اعجاز رقم لکھنوی، مطبع منشی نول کشور واقع حضرت گنج، بار شانزدہم، سنہ ۱۹۱۱ء۔

(۳۵) نمبر۱۳۷۸ : خالق باری، بال کشن مشین پریس، سنہ ۱۹۲۷ء۔

(۳۶) نمبر۱۳۸۱ : ترمیم شدہ خالق باری مع شرح (ادرا فیونوں کی کریما از بیان و یزدانی) تصنیف منشی بلاقی مدرس مدرسہ بلیرہ رام پور ضلع مظفر نگر، مطبع حدیقۃ العلوم، میرٹھ۔

(۳۷) نمبر۱۳۶۶ : خالق باری در مطبع قیومی واقع کان پور، ترمیم شدہ از ابو الخیر محمد زبیر اجمیری، سنہ ۱۳۱۲ھ

(۳۸) نمبر۱۳۶۵ : خالق باری باہتمام محمد عبد الصمد نبیرہ حاجی محمد مصطفےٰ خاں، مطبع رزاقی، کان پور، سنہ ۱۳۱۴ھ، ترمیم شدہ مطابق روزمرہ حال از ابو الخیر محمد زبیر اجمیری۔

(۳۹) نمبر۱۳۸۲ : نصاب خسرو معروف بہ خالق باری، از مولوی نذیر احمد ایل۔ایل ڈی، مطبع انسٹی ٹیوٹ گزٹ، سنہ ۱۳۳۷ھ م ۱۹۱۹ء۔

دیباچۂ دوم خالق باری

میں گزشتہ سطور سے، جو خالق باری کے ایک نئے ایڈیشن کے واسطے بہ طور دیباچہ تحریر ہوئی تھیں، فارغ ہوا ہی تھا کہ محترمی ڈاکٹر مولانا عبدالحق، معتمد انجمن ترقی اردو، نے انجمن کے کتاب خانے سے خالق باری کا ایک مخطوطہ، جو سنہ ۱۱۸۷ھ کا نوشتہ سورت تھا، مجھے دکھایا۔ اس نسخے کی ابتدا میں ایک مختصر دیباچہ بھی تھا، جس نے میری تمام توجہ اپنی طرف منعطف کر لی۔ یوں تو خالق باری کے ساتھ میں کئی دیباچے دیکھ چکا ہوں، جو ان کے نامعلوم مرتبین نے اپنے اپنے ایڈیشنوں کے واسطے لکھے ہیں، لیکن یہ دیباچہ خصوصیت کے ساتھ کئی وجوہ سے جاذب توجہ تھا۔ اس دیباچے میں، جیسا کہ محتاط مصنفین کا دستور ہے، مصنف نے اپنا نام اور کتاب کا نام، تاریخ تصنیف اور مقصد تالیف بیان کیا ہے بلکہ جس ہندی زبان میں وہ لکھ رہا ہے۔ اس کا اور محرک تالیف کا نام بھی دے دیا ہے۔ الغرض تمام ضروری اطلاع جو خالق باری کے سلسلے میں قیمتی معلوم ہوتی ہے اس چند سطری دیباچے میں درج ہے۔ میں یہاں وہ دیباچہ نقل کرتا ہوں:

"سپاس بی قیاس باصناف لغات [۱] علی راسزد کہ بہ تعلم "وَعَلَّمَ آدَمَ الاَسْمَاءَ کُلَّھَا" اولاد او را بانواع الفاظ مختلفہ گویا گردانید و درود نامحدود باکمال خضوع بران موصوف وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی و بر اولاد و احباب او کہ ہر یک فصیح اللسان و بلیغ البیان اند باد۔ [۔ امّا] کہ بعد خیر خواہ شعرائی شیرین گو ضیاالدین خسرو باستدعای عزیز الفواد بابا اسحٰق قنّاد چند الفاظ عربی و پارسی را بزبان ھندی گوالیاری کہ ارباب روزمرہ را ناگزیر است ترجمہ نمودہ و در بحور مختلفہ بطریق ریختہ بہ نظم آوردہ تا مبتدیان را در محاورات فارسی فی الجملہ مہارتی باشد و در حفظ و یاد گرفتنی آسان نماید۔ لہذا بحفظ اللسان موسوم و در سال "نصیحت آخر" تاریخ بدیہہ مرقوم گردید طبوع باد۔"

اس دیباچے سے کئی امور پر روشنی پڑتی ہے۔ یعنی یہ کہ کتاب بچوں کو فارسی زبان سکھانے کے مقصد سے لکھی ہے، اس کا نام حفظ اللسان[1] ہے، اس نام میں اشارہ ہے کہ کتاب طلبہ کو حفظ یاد کرائی جائے، روزمرہ کے

---

[1] یہ نام خاتمے کے شعر ذیل میں وارد ہوتا ہے:

عاقبت انجام و آخر چہ دیدا انصرام　　　کردایں حفظ اللسان را خسرو آخر والسلام

استعمال کے عام الفاظ اس میں جمع ہیں، بحریں مختلف رکھی ہیں، بابا اسحٰق علوائی کی فرمائش پر یہ تالیف وجود میں آئی، مصنّف کا نام خسرو اور لقب ضیاء الدین ہے، جس سے ظاہر ہے کہ وہ مشہور یمین الدین خسرو نہیں ہے بلکہ کوئی اور جس کو طوطی ہند کے ساتھ نام میں اشتراک کے سوا کوئی اور وجہ مماثلت نہیں، سال تصنیف سنہ ۱۰۲۱ھ ہے، جو مادۂ تاریخ 'نصیحت آخر' سے برآمد ہوتا ہے، حضرت امیر خسرو سنہ ۷۲۵ھ میں وفات پاتے ہیں اور یہ خسرو سنہ ۱۰۲۱ھ میں بعہد جہانگیر اپنی تالیف تیار کرتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ہمارے بزرگوں نے بہ بنائے مشارکت اسمی اس خسرو کو زیادہ مشہور امیر خسرو تصوّر کر کے خالق باری کو غیر مستحقانہ قدامت دے دی ہے۔

اس کی زبان گوالیاری ہے جو قدما کے بیان کے مطابق افصح السنہ ہند ہے۔ آج ہم زبان کی حیثیت سے گوالیاری کا نام بالکل بھول چکے ہیں۔ محمد شاہ کے عہد سے اس کا استعمال متروک ہو چلا ہے۔ خان آرزو آخری بزرگ ہیں جن کی تصانیف میں یہ لفظ ملتا ہے۔

اکبر، جہاں گیر، شاہ جہاں اور عالمگیر کے عہد میں گوالیاری کا نام عام رواج میں آرہا ہے۔ اس زمانے میں وہ خصوصیت کے ساتھ ادب و شعر اور موسیقی کی زبان تھی۔ راجامان کے وقت سے بڑے بڑے اہلِ کمال اس کی نشو و نما اور ارتقاء میں حصّہ لیتے رہے ہیں۔ شاہ جہاں کے عہد میں ابن سید علی مرزا بیگ "زمزمۂ وحدت" میں، جو موسیقی پر ایک موجز رسالہ ہے، اس زبان کے واسطے لکھتے ہیں:

"قریب صد و پنجاہ سال باشد کہ مدار خواندن و ساختن تصانیف ہندی بر خیال و دھرپت و بشن پت بزبان فصیح و بلیغ گوالیار است۔"

در کام خلق وصف و بیان از لب تو ہست

شیرین و خوش لسان چو زبان گوالیار

عالم گیر کے زمانے میں ولی "گلزار حال" گوالیاری سے فارسی میں ترجمہ کرتے ہیں اپنے دیباچے میں کہتے ہیں:

"گلزار حال ترجمۂ فارسی پربودھ چندر ناتک کہ در زبان گوالیاری تالیف سوامی ننددا س کہ اصلاً بزبان سنسکرت کشن داس بھٹ تصنیف کردہ بود، بنوالی المتخلص بہ ولی بہ امداد بھوانی داس در فارسی ترجمہ کرد۔"

خان آرزو غرائب اللغات کے نئے مرتبہ میں کئی موقعوں پر گوالیاری کا ذکر کرتے ہیں۔ لفظ 'اَگل' کی تشریح میں کہتے ہیں :

"بزبان گوالیار کہ افصح زبان ہائے ہندی است 'بیندہ' گویند۔"

اور 'جیلی' کے ذیل میں فرماتے ہیں :

"امّا در ہندی متعارف گوالیار کہ افصح السنۂ ہندی است 'پچانگرا' گویند۔"

لیکن محمد شاہ کے زمانے سے جدید نام 'بھاکائے برج' استعمال میں آنے لگا۔ عنایت خاں راسخ بن نواب شمس الدولہ لطف اللہ خاں صادق اپنی ہندی تصنیف "کارستان" کی زبان کو "زبان بھاکائے برج زبان اسلام آباد متھرا" بیان کرتا ہے۔ چناں چہ آج بھی یہی نام بادنیٰ تغیر یعنی برج بھاشا مقبول عام ہے۔

اس مطالعے سے اس قدر ظاہر ہے کہ دیباچہ میں لفظ "گوالیاری" کا استعمال دیباچے کے قدیم ہونے کی دلالت کرتا ہے کیونکہ زبان کے مفہوم میں اس کا رواج محمد شاہ کے عہد سے متروک ہے۔

دیباچۂ ہذا میں "بہ طریقِ ریختہ" کا استعمال بھی عجیب ہے۔ یہاں ریختہ سے مقصد زبانِ ریختہ یا اشعار اردو نہیں ہے، جو مفہوم دلی اورنگ آبادی اور قدیم شعرائے دہلی کے ہاں پایا جاتا ہے، بلکہ اس سے مراد الفاظ و عبارت کی ایسی ترکیب ہے جس میں مختلف زبانوں کے الفاظ یا فقرے ملے جلے استعمال ہوئے ہوں یہ ریختہ موسیقی کے ریختہ کے بہت قریب ہے بلکہ اسی سے ماخوذ ہے۔ "زمزمۂ وحدت" میں ریختہ کی تشریح یوں دی ہے :

"ریختہ در اصطلاح علمی (تصنیفی) را گویند کہ در اصول سبک تمام شدہ باشد مثل او فرد غیرہ وگاہ باشد کہ خانہا در میان خانہا دباز گو و الفاظ عربی یا ترکی یا ہندی داخل عبارات فارسی کردہ باشند و این تصنیف بسیار خوش نما و دل رُبا است۔"

خالق باری اسی قسم کی کھچڑی زبان میں ہے۔ ہندی فارسی و عربی الفاظ کے علاوہ کہیں تشریحی زبان فارسی ہے کہیں ہندی ہے۔

مخدوم بہاءالدین برناوی کے نزدیک "ریختہ" کی تعریف یہ ہے :

"ہر فارسی کہ با مضمون و خیال ھندی مطابق باشد والفاظ ہر دو زبان را در یک تال ویک راگ بربست نمودہ باشند وانضمام واتصال دادہ سرایند آن را ریختہ گویند واین ریختہ را بر ہر پردہ می بندند ذوق ولذتی افزون می دھد۔" (چشتیہ بہشتیہ، تالیف سنہ ۱۰۶۵ھ)

قصہ مختصر اس دیباچے سے وہ تمام عقدے، جن سے خالق باری کے سلسلے میں ہم دوچار ہوتے ہیں، بڑی حد تک حل ہو جاتے ہیں۔

ضیاءالدین خسرو اگرچہ شاعری کا دم بھرتا ہے لیکن وہ کسی خاص شہرت کا مالک نہیں۔ نہ اس کا ذکر کسی تذکرے میں آتا ہے۔ شمع انجمن میں ایک خسرو جون پوری ملتا ہے۔ لیکن اس کا زمانہ معلوم نہیں۔ خالق باری کے مطالعے سے یہ بات قیاس میں آتی ہے کہ اس کا مصنف کوئی باکمال اور صاحب فضیلت شخص نہیں۔ اس کے مضامین کی بے ربطی اور اوزان و معانی کی خامیوں اور اسقام سے، جو ہم اوپر دیکھ آئے ہیں، یہی رائے قائم ہوتی ہے۔ بہ ظاہر حالات وہ ایک معلم معلوم ہوتا ہے، جس کو مبتدیوں کی مشکلات کا تجربہ ہے۔ اس سے زیادہ فی الوقت اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

خالق باری میں کوئی ایسی داخلی شہادت موجود نہیں جس سے (دیباچہ سے قطع نظر) اس کے عہد کا پتا چل سکے۔ لیکن گزشتہ سطور میں ہم دیکھ آئے ہیں کہ خالق باری "مؤید الفضلا" سے، جو بہ قول بلاخمین سنہ ۹۲۵ھ کی تالیف ہے، موخر ہے کیوں کہ مؤید کے بعض خصوصی بیانات کا پرتو اس میں موجود ہے۔ اس لحاظ سے اس کی تصنیف ہمیں عہدِ مغلیہ میں ماننی پڑے گی۔ اسی قسم کا ایک قرینہ ہمارے پاس یہ بھی ہے کہ خالق باری میں شعر ذیل آتا ہے:

دانگ فلوس جو آہے پیکا[1] جیتل دمڑا جان دام واچہ کیسہ کھیسہ جان مینش تان

[1] 'پیکا' شمس سراج عفیف نے تاریخ فیروز شاہی میں 'پکہ' لکھا ہے "فیروز شاہ فرمان فرمود کہ ہر نیم جیتل کہ آن را ادھ گویند وہر دانگ جیتل کہ آن را پکہ خوانند وضع کنند۔" صفحہ ۳۴۴) 'پکہ' بالفاظ دیگر پیسہ ہے جو فی زمانہ آنہ کا چوتھا حصہ مانا جاتا ہے۔ فیروز شاہ کے دور میں جیتل کا چوتھا حصہ 'پکہ' کہلایا۔ دانگ کا اطلاق (اور معنوں سے قطع نظر) چوتھے حصے پر بھی ہوتا ہے شمس سراج کے ہاں 'دانگ جیتل' سے اور خالق باری میں 'دانگ فلوس' سے وہی چوتھائی مراد ہے۔ اکبری عہد میں مسی سکہ 'فلوس' کہلاتا تھا۔

یہاں 'دام' اور 'دمڑا' جن کا رواج اکبری عہد میں شروع ہوتا ہے ۔ قابلِ غور ہیں ۔ اکبر کے ھاں مالیہ کی وصولی چاندی کے رُپے کے بجائے تانبے کے جدید الرائج سکّے 'دام' کے ذریعے سے ہوتی تھی سلطنت کے تمام صوبوں کی آمدنی، منصب داروں اور ملازموں کی تنخواہ ، اجناس کا نرخ وغیرہ داموں میں مقرر تھے دام کا وزن ایک تولہ آٹھ ماشے اور سات رتی یا پانچ ٹانک تھا ۔ ایک رُپیہ کے چالیس دام شمار ہوتے ۔ ذیلی تقسیم میں آدھا، چوتھائی ، پانچواں ، آٹھواں ، دسواں ، بارھواں اور سولھواں حصّہ شامل تھے ۔ ان کے علاحدہ علاحدہ سکّے ہوتے ۔ آدھے کو نصفی ، ادھیلہ یا نیم دام ، چوتھائی کو دمڑا یا پاؤلہ اور آٹھویں حصّے کو دمڑی کہتے ۔ دام کا مضاعف تنگہ تھا ۔ دمڑا ، الغرض ' دام کا چوتھا حصّہ اور تنگہ کا آٹھواں حصّہ ہے ۔ راقم کے مجموعۂ مسکوکات میں اکبری دمڑا موجود ہے اس کا وزن ۹ ، ۷ ، ۸۰ جو یا گرین کے مابین ہے ۔ اس کے ایک رُخ پر "دمرا" اور دوسرے رُخ پر "سنہ ۴۴ الہٰی" درج ہے ۔ دمڑے کا عکس کلکتہ میوزیم کی "فہرست مسکوکات شاہان مغلیہ" از نیلسن رائٹ' طبع سنہ ۱۹۰۸ء میں دیا گیا ہے

بہر حال 'دام' اور 'دمڑا' اکبری دور سے قبل نامعلوم تھے ۔ جب خالق باری میں یہ الفاظ موجود ہیں تو ظاہر ہے کہ اکبر کے عہد کے بعد اس کی تالیف عمل میں آئی ہوگی ۔ اس لئے دیباچے کا یہ بیان کہ خالق باری سنہ ۱۰۲۱ھ میں تالیف ہوئی میرے نزدیک قابلِ قبول ہے ۔

عہد قبل مغل میں ذریعۂ تعلیم فارسی رہی ہے اس کا ثبوت ان فرہنگوں سے ملتا ہے جن کے نام گذشتہ صفحات میں دیئے جا چکے ہیں ۔ ان فرہنگوں کی تشریحی زبان فارسی ہے، تاہم اجناس و ادویہ کے سلسلے میں ہندی مرادفات سے بھی کام لیا گیا ہے ۔ ان فرہنگوں کا عام دستور ہے کہ ہر ایسے لفظ کا' جو طبی تشریح کا محتاج ہے' ہندی مرادف ضرور دے دیا ہے ۔ اس طرح ہندی کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے ۔ لیکن یہ اکبر کا زمانہ ہے' جب عربی کو نصاب تعلیم سے خارج کر کے تمام تر توجہ فارسی پر مبذول کی گئی ہے اور کوئی تعجب نہیں اگر اس انقلاب سے ہندی کو بھی فائدہ پہنچا ہو اور خالق باری کی طرز کے نصاب تیار ہونے لگے ہوں ۔ فی الحقیقت ہمیں ایک ایسے نصاب کا پتہ ملتا ہے ، جو خاص اکبری عہد

یعنی سنہ ۹۹۰ھ میں تیار ہوتا ہے، اس کا نام "مقبول صبیان" ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ[ا] برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ بدقسمتی سے یہ نسخہ اب تک طبع نہیں ہوا ہے۔

اس مرتبہ کی تیاری میں جن قلمی نسخوں سے امداد لی گئی ہے اور مقابلہ کیا گیا ہے، ان کی فہرست مع صراحت ذیل میں عرض ہے:

نسخۂ "ا"

انڈیا آفس کے کتاب خانے کا مخطوطہ نمبر ۲۵۲، فہرست ہندوستانی مخطوطات از بلوم ہارٹ سنہ ۱۹۲۶ء اگرچہ بے تاریخ ہے لیکن متعدد نسخوں کے مقابلہ کے بعد میں نے اس کو بنیادی نسخہ قرار دیا ہے جو اکثر نسخوں سے رسم الخط کے اعتبار سے قدیم ہے اور بارھویں صدی ہجری کے نصف اوّل کا نوشتہ معلوم ہوتا ہے۔ اشعار کی تعداد دو سو پینتیس (۲۳۵) ہے اور چار چار اشعار کی اٹھاون فصلوں میں منقسم ہے تین شعر بعض فصلوں

ا "مقبول صبیان" کے متعلق ذیل کی صراحت محترمی سید ہاشمی صاحب، نائب معتمد انجمن ترقی اردو نے فہرست برٹش میوزیم سے نقل کر کے ارسال کی ہے:

"نمبر ۱۰۵ (ایڈ ۵۶۲، الف) از صفحہ ۱ تا صفحہ ۲۸ "مقبول صبیان" فارسی الفاظ کا ایک منظوم فرہنگ (نصاب)، جس کی تشریح ہندوستانی زبان میں کی گئی ہے، باعتبار مطالب اس کی بیس فصلیں ہیں۔ ابتدا:

بسم اللہ خدا ے کا ناو لامکاں نا ہیں وہ ٹھانو

جیسا کہ آخری سطر میں کہا گیا ہے، یہ رسالہ سنہ ۹۹۰ھ مطابق سنہ ۱۵۸۲ء میں ختم ہوتا ہے۔ آخری تین فصلیں کہا جاتا ہے کسی اور مصنف نے اضافہ کی ہیں۔ کاتب کا نام کتاب کے خاتمے سے معلوم ہوتا ہے جس میں تاریخ کتابت بھی ۲۶ رجب سنہ ۱۱۵۸ھ درج ہے۔

یہ رسالہ ایک مجموعہ رسائل میں شامل ہے جو عظیم آباد میں سنہ ۱۱۵۳ھ و سنہ ۱۱۵۸ھ کے مابین تحریر ہوتا ہے اس کی تقطیع ۹½ × ۶ انچ ہے فی صفحہ تقریباً ۱۸ سطریں۔ اس حساب سے اندازاً ایک سو باسٹھ کے قریب اشعار کی تعداد ہوگی" (فہرست ہندی و پنجابی و ہندوستانی مخطوطات "کتاب خانہ برٹش میوزیم" از جے ایف بلوم ہارٹ، سنہ ۱۸۹۹ء)۔

میں زیادہ ہیں، ورنہ کل تعداد ابیات دو سو بتیس ہوتی ۔ رائے ہندی اور دال ہندی کو رائے مہملہ اور دال مہملہ کی صورت میں لکھا ہے ۔ تائے ہندی پر چار نقطے دیئے ہیں ۔ نون غنّہ کا زیادہ استعمال ہے ۔ چکناں، ہسناں، چاندیں، کہنیں (کہنی)، تہوں (تہو)، تاناں، باناں، توں، کوں، پانیں (پانی)، اوڑانیں، دماماں (دمامہ)، رونکہ (رو کھ)، پیٹنہ (پیٹھ) پونچہ (پوچھ) ۔

ہائے مخلوطہ کا استعمال قلّت کے ساتھ ہوا ہے، یعنی بھوکہ (بھوکھ)، اوکہ، مورک (مورکھ)، پڑھودیں، پرناں (پڑھنا)، تیڑی (ٹیڑھی)، داری (داڑھی)، ماری (ماڑھی) براپا (بڑھاپا) چولا (چولھا)

بعض الفاظ میں محاورۂ حال کے برخلاف ایک حرف علّت زیادہ کر دیا گیا ہے ۔ جیسے کیلی (کلی)، بیلی (بلی)، پیچھان (پہچان)، بیچھو (بچھو)، موکی (مکی) کوتا (کتا) ۔

اور خصوصیات میں دیہ (دے)، جانیہ (جانیئے)، پہچانیہ (پہچانیئے) کا املا قابلِ ذکر ہے ۔ لیکن میں نے اپنے قاریوں کی سہولت کے خیال سے نسخہ زیرِ طبع میں بڑی حد تک زمانۂ حال کے املا کے مطابق ترمیم کر دی ہے ۔

اس نسخے کے ساتھ کسی نامعلوم مرتّب کا ایک دیباچہ بھی ہے، جس میں کتاب کا نام "مطبوع الصبیان" رکھا گیا ہے ۔ دیباچے کی ضروری عبارت ہے :

"این چند کلمۂ عربی و فارسی ہر یک با ترجمۂ ہندی برائے تعلیم صبیان بر طریق ریختہ منظومہ ساختہ آمد تا خاطر ایشاں رغبت نماید و یاد گیرند و لغات ہر یک دریابند و نام این کتاب مطبوع الصبیان نہادہ شد و بر پنجاہ و شش فصل مرتب گردانیدہ آمد ۔"

نسخہ ہٰذا کے اردو یا ہندی کلمے اور فقرے، جو اس عہد کی زبان پر روشنی ڈالتے ہیں، یکجائی طور پر یہاں درج کر دیئے جاتے ہیں :

(۱) سرجن ہار (۲) ایک بڑا کرتار (۳) جان بسیٹھ (۴) بولے جو میٹھ (۵) ارتھ تہوں کا بارگ جان (۶) کالا اُجلا (۷) پیلا نیلا (۸) تاناں باناں (۹) چور ہے جان (۱۰) ہے استری (۱۱) ہے مری (۱۲) توں دیکھ (۱۳) اسکوں لیکھ (۱۴) مولا جان (۱۵) آپیں اڑ گیا (۱۶) سوی و تاگ (۱۷) کال رات جو گئی (۱۸) آج

رات جو بہی (۱۹) ہے پانی (۲۰) دھول جو باڈ اوڑانی (۲۱) ہیں تجھ کہیا (۲۲) توں کٹ رہیا ۔
(۲۳) آدرسے بھائی (۲۴) بیس ری مائی (۲۵) کستوری کپور (۲۶) ہندوی آنند (۲۷) کپڑ ٹاٹ ٹپڑ
(۲۸) کرٹائی دتوا (۲۹) پاتھر جانیے (۳۰) ہندوی گھوڑا چلاڈ (۳۱) ہندوی ہے ہنس لور (۳۲) چپنی
جانیئے (۳۳) ہے دھواں (۳۴) ہندوی کھانڈا کھاوے ، اتون (۳۵) چیل ہے (۳۶) گھاس کاٹی
جانیئے (۳۷) اینٹ مائی (۳۸) موتی جانیئے (۳۹) زاتی کلی پہچانیئے (۴۰) ہے نراس (۴۱) مور کہیئے
(۴۲) ہے بُرا (۴۳) ہندوی مکٹ (۴۴) توں جان کاگ کٹ (۴۵) پرتھی سینسار جگ (۴۶) رات
رین نس (۴۷) گڑھ جان (۴۸) ہے ہیا (۴۹) جو کہ نانو (۵۰) ہے کتا (۵۱) متھر جانی اینٹھ (۵۲) ہندوی
بول جو کہے سیانا (۵۳) جو کہیے کھانا (۵۴) پرگٹ ویلے (۵۵) جاڑی تاپ (۵۶) سرکی پیڑا (۵۷)
ہے دھاپ (۵۸) منج کپال (۵۹) کھوپڑ بتاؤں (۶۰) ہے تانبا (۶۱) جو کھارا کہیے (۶۲) سمندر کہیے جس
کی ناہیں تھاہ (۶۳) ہے دھان (۶۴) ہے پان (۶۵) ڈاڑھی کہیے (۶۶) درانتی جو کہ نانو (۶۷) ہندوی
لونکڑی (۶۸) میٹھا کھائے دیکھ (۶۹) کھٹا چاکھ دیکھ (۷۰) چرچر جیب جانئے یہ بچار (۷۱) کاگل لیکھیے
(۷۲) لیکھن لیکھیے (۷۳) موتی جانیئے (۷۴) ہے کلی پہچانیے (۷۵) ہے بلد (۷۶) سو دوس ہندوی
(۷۷) سو ردس ہندوی (۷۸) ہے پیوسی (۷۹) جو کہیے کسی (۸۰) :

کماں تیر دصابوں یہی نانو راکھو   اگر پارسی یا پراکرت بھاکھو

(۸۱) تمیں جیب آکھو (۸۲) رو کھ بھاکھو (۸۳) جھوٹھ جانو (۸۴) بڑا جان مانو (۸۵) گھر ہے (۸۶) ڈر
ہے (۸۷) چاڈ کہیے (۸۸) پاؤ کہیے (۸۹) بار جانو (۹۰) اونٹ بھاکو (۹۱) دیس من دھر پچھانو (۹۲)
بہت کوں جو کہیے صحی جانیوں توں (۹۳) آگ ہیں جیو کیڑا (۹۴) نابلر ہندوی (۹۵) رات اندھاری
(۹۶) جانیو تم جیونا (۹۷) کیڑا چمکنا (۹۸) روٹی ہندوی (۹۹) چھیہ ہے (۱۰۰) ہے کان (۱۰۱) کھل
ہے جان (۱۰۲) بدھ پچھان (۱۰۳) ہندوی اجان (۱۰۴) ہے رو ج (۱۰۵) چاند بتیا رات کا (۱۰۶) تین
رین چاند نہیں (۱۰۷) تیرویں چودویں پندرویں (۱۰۸) بھوک ہے (۱۰۹) اوکہ ہے (۱۱۰) ہندوی ٹھوڑی
(۱۱۱) اہے کرج (۱۱۲) ہندوی گھینچ (۱۱۳) جیونا جان (۱۱۴) پیونا جان (۱۱۵) بندر کہیجے (۱۱۶) سیال

بھی جان لیجئے (۱۱۷) ہے لکیر (۱۱۸) سونالا کیلی (۱۱۹) جو کہیے بیلی (۱۲۰) ہے لاج (۱۲۱) لید گھوڑے کی آہے (۱۲۲) کہوں پارسی جے کو چاہے (۱۲۳) بول جو کوہے (۱۲۴) گوہ دموت یہ ہندوی ہودسے (۱۲۵) سونٹھ آہے پوچھ لیجیں (۱۲۶) سودکھی جان (۱۲۷) جوی کا بھائی (۱۲۸) جوی کا ہے باپ جن جائی (۱۲۹) ہے ماموں (۱۳۰) ہے جو چچا (۱۳۱) ہے بھانجا (۱۳۲) جاگتا ہے (۱۳۳) سودتاہے (۱۳۴) کہوں گا ہوں (۱۳۵) کہے گا توں (۱۳۶) کروں گا ہوں (۱۳۷) کرے گا توں (۱۳۸) ہوں آؤں گا (۱۳۹) توں آدے گا (۱۴۰) جاؤں گا ہوں (۱۴۱) جادے گا توں (۱۴۲) بیٹھوں گا ہوں (۱۴۳) بیٹھے گا توں (۱۴۴) دھوؤں گا ہوں (۱۴۵) دھوئے گا توں (۱۴۶) ہوں ماروں گا (۱۴۷) توں مارے گا (۱۴۸) ہوں دیکھوں گا (۱۴۹) توں دیکھے گا (۱۵۰) دیوں گا ہوں (۱۵۱) دیوے گا توں (۱۵۲) دوڑوں گا ہوں (۱۵۳) دوڑے گا توں (۱۵۴) توں سر جن میرا (۱۵۵) توں جیو ڑا میرا (۱۵۶) توں میری آنکھ (۱۵۷) توں میری پانکھ (۱۵۸) جو کال گیا ہے گا (۱۵۹) جو کال آدے گا (۱۶۰) جو پرسوں کہیئے (۱۶۱) جو پرسوں بہیے (۱۶۲) منس کہیے جوی کا (۱۶۳) ہے پوپٹا (۱۶۴) آکھ پر لیا (۱۶۵) سواُس کا ہے (۱۶۶) سو تیرا ہے (۱۶۷) سواِس کا ہے (۱۶۸) سو میرا ہے (۱۶۹) سو کس کا تھا (۱۷۰) چھینن لیا تھا (۱۷۱) پاچھا دیا (۱۷۲) سوآپیں لیا (۱۷۳) :

دو ستگانی دہ پیالہ دورا پنیں کا جو دیہ

منترا پنے کاج بھر یا نیہ دھر توں جان لیہ

(۱۷۴) دہ بہرا بھیا (۱۷۵) آپیں اڑگیا (۱۷۶) لیٹ اوپر ہے بچھانا (۱۷۷) ہندی سنبھلا (۱۷۸) نرلی سولست ہے کلا (۱۷۹) ہے دھوبی (۱۸۰) ٹھانو پڑھنے کی کہے نیسال (۱۸۱) سار آدھا (۱۸۲) آدھی رات دوپہر (۱۸۳) بھو کا پیاسا (۱۸۴) کپڑا آہے (۱۸۵) جنبھائی و ہچکی (۱۸۶) جالا و مکڑی (۱۸۷) ستور چھپلی (۱۸۸) ھسنا جان، تھوک (۱۸۹) پسینا ہندوی (۱۹۰) آہے آتھ، اناتھ (۱۹۱) ہے کھیر (۱۹۲) دینا دیا (۱۹۳) میں کیا (۱۹۴) بول باچ (۱۹۵) ہے بچارا (۱۹۶) ہول اچنبھا (۱۹۷) ہے جھونپڑا (۱۹۸) ہے اندھار (۱۹۹) پگ کا چوڑا (۲۰۰) آہے تھال (۲۰۱) جو

آہے پیکا جیتیں دمڑا جان (۲۰۲) آہے کچھوا، چھائی (۲۰۳) سوتل پیچھان (۲۰۴) توں سن (۲۰۵) میں سنوریا (۲۰۶) جو بہرا کہیے (۲۰۷) اونی پھونک کہیجے (۲۰۸) سو آہے اناج (۲۰۹) کہے سودھی چھُری پیچھان (۲۱۰) ٹیڑھی چھری سو جان (۲۱۱) ہے گلی (۲۱۲) ہو سوار (۲۱۳) آہے گود (۲۱۴) لکھیا ہے (۲۱۵)

خالق باری بہی تمام   دوہوں جگ ہیا خسرو نام

نُسخہ "ب"

اس کا نمبر فہرست انڈیا آفس مذکورہ بالا میں (۲۵۲) ہے، اشعار کی تعداد (۱۳۶) ہے اور خاتمہ ہے:

"تمام شد بتاریخ بیست و چہارم شہر ربیع الثانی سنہ ۲ محمد شاہی مطابق سنہ یک ہزار و یک صد دسی و چہار روز چہار شنبہ وقت نماز ظہر در بلدۂ فاخرۂ اکبر آباد۔

نُسخہ "ج"

میرا ذاتی نُسخہ ہے جو اب پنجاب یونیورسٹی کے کُتب خانہ کی ملک ہے تاریخ کتابت سنہ ۱۱۳۵ھ ہے میری فہرست میں اس کا نمبر (۳۵) ہے۔ قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ دکن میں لکھا گیا ہوگا۔ رائے ہندی اور دال ہندی کے نیچے چار چار نقطے اور تائے ہندی پر چار نقطے دیئے ہیں۔ تعداد اشعار ایک سو چھپن ہے۔ بائیس شعر بعد میں کسی نے حاشیے پر اضافہ کئے ہیں۔ خاتمہ:

"تمت تمام (شد) نصاب ہندوی زبان تصنیف امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ بتاریخ بیست و پنجم جمادی الثانی سنہ ۱۱۳۵ھ" کتاب پر ایک مہر ہے جس میں سنہ ۱۱۳۹ھ اور یہ سجع درج ہے:

از محمد مرتضیٰ   بوالفتح شد

نُسخہ "د"

میرا ذاتی نسخہ ہے جو اب پنجاب یونیورسٹی کے کتاب خانہ میں ہے۔ ناقص الطرفین مگر صحت کے لحاظ سے معتبر ہے۔ بارھویں صدی ہجری کے وسط کا نوشتہ معلوم ہوتا ہے۔

نسخہ "ہ"

انجمن ترقی اردو کا مذکورہ بالا نسخہ نمبر ۸:۸۴۶، تعداد اشعار ۲۲۳، فی صفحہ ۱۳ سطر۔ خاتمہ "کاتبہ فقیر سید یٰسین ولد سید طاہر عرف خوب صاحب میاں بن میاں سید یٰسین مرحوم۔ سورت بندر تاریخ بیست چہارم ماہ رجب المرجب سنہ ۱۱۸۷ھ۔

نسخہ "و"

محترمی سید نجیب اشرف، پروفیسر اسمٰعیل کالج اندھیری بمبئی کا مملوکہ اور قابلِ اعتبار نسخہ ہے۔ تائے ہندی پر چار نقطے لگانے کا دستور ہے۔ ڑے اور ڈال بصورت مہملہ مرقوم ہیں مگر بعض وقت ڑے پر چار اور ڈال پر تین نقطے لگاتے ہیں۔ غنہ کا استعمال مثل "ا" بکثرت ہے۔ مثلاً جاییں، پہچانیں، توں، کوں، پاہناں (مہمان)، چیتنیاں، دماماں، ڈھانکناں، مانگناں، کہیں، بھرنجیں، لکھیں، پیکھیں وغیرہ۔ اشعار کی تعداد دو سو بتیس (۲۳۲) ہے۔ منظوم خاتمے میں کتاب کا نام "نصاب ظریفی" بتایا گیا ہے۔ کاتب ایک پارسی ہے۔ منظوم خاتمہ کے اشعار ہیں:

"چو بگرفت این نسخہ طرز نوی — ز تصنیف آن خسرو پہلوی
ز اتمام عاشورہ یک ھفتہ شد — کہ ایں گوھر بی بہا سفتہ شد
امید است از فضل حق کریم — بخوانند و گردند طفلاں علیم
بتاریخ نیکو سرانجام یافت — نصاب ظریفی نکو نام یافت
ز ھفتصد فزوں سی و شش سال بود — کہ طبع از خرد دستیاری نمود
کہ صبیان بر آیند از دام جہل — شود فیض و الفاظ اشکال حل"

اس خاتمہ پر اگر اعتبار کیا جائے تو ہمیں ماننا ہوگا کہ خالق باری سنہ ۷۳۶ھ میں تصنیف ہوئی لیکن ان اشعار کی خامیوں پر نظر رکھتے ہوئے امیر خسرو کی طرف ان کا انتساب ناممکن ہے۔ "آن خسرو پہلوی" کا قائل کوئی اور ہے نہ امیر خسرو۔ یہ خیال کہ خسرو پہلوی کوئی پارسی ہوگا جس نے سنہ ۷۳۶ھ میں یہ کتاب تصنیف کی، پھر نا قابلِ قبول ہے۔ بھلا ایک پارسی کو ہندوستان کے انتہائی گوشہ میں سمندر کے کنارے بیٹھ کر ایسا

نصاب لکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی ؟ دوسرے شعر میں نیکو کا دوبار استعمال غیر فصیح ہونے کے علاوہ زبان کی خامی کی طرف دلالت کرتا ہے ۔ مصرع

"کہ طبع از خرد ہشیاری نمود"

بہ حالتِ موجودہ بے معنی ہے ۔ نمود کی جگہ اگر یافت ہو تو مصرع معنی دے جائے گا یا "از" کی جگہ واو عاطفہ آنا چاہئے ۔ "حق کریم" کی جگہ "ربّ کریم" یقیناً بہتر ہے ۔ "گر دند طفلاں علیم" اور "الفاظ اشکال حل" بالکل کم زور اور بے محاورہ فارسی ہے ۔ ہمارا خیال ہے کہ خالق باری کا کاتب ان اشعار کا مالک ہے ۔ اس کو امیر خسرو کا صحیح زمانہ معلوم نہ تھا ۔ اس لئے سنہ ۷۳۷ھ اس نے خالق باری کی تصنیف کا زمانہ مان لیا ۔ حالاں کہ امیر خسرو اس تاریخ سے بارہ سال قبل سنہ ۷۲۵ھ میں انتقال فرما چکے ہیں ۔

کاتب کا خاتمہ ہے :

"تمت تمام شد کتاب نصاب ظریفی مشہور بکتاب خالق باری بتاریخ ہشتم شہر ربیع الثانی ۔ کاتب الحروف من بندۂ حقیر نوروز بن موبدان شاپورجی معروف شایستگاں" باقی چار سطروں پر سیاہی پھیر دی گئی ہے ، جس میں سے صرف خط کشیدہ عبارت پڑھی جاتی ہے :

"معروف بہ دیوانی نواب مستطاب عالی جناب شجاعت شعار ۔ سایۂ لطفِ ربانی ۔ پر نور رحم یزدانی"

کتاب غالباً سورت یا کھمبات وغیرہ علاقوں میں نقل ہوئی ہے ۔ یہ امر دلچسپی کا موجب ہے کہ کاتب ایک پارسی ہے ۔

متن خالق باری

فصل اوّل

(۱) خالق باری سرجن ہار　　واحد ایک بڑا کرتار

(۲) اسم اللہ خدا کا نانو　　گرما دھوپ سایہ چھاؤنو

(۳) رسول پیغمبر جان بسیٹھ　　یار دوست بولے جو میٹھ

(۴) راہ طریق سبیل پچھان　　ارد تھ،تہوں کا مارگ جان

فصل دوم

(۵) سیر مہ نیر خورشید　　کالا اجلا سیاہ سپید

---

(۱) بداء (ب)، بدا (د)، برا (ہ)، بڑا (ج، و)۔

(۲) سایہ ہے (ب)، ناؤں چھاؤں (ج)، ناؤ سایہ ہے چھانو (د)، ناؤں۔ چھاؤں (ہ)، ناوں۔ چھانوں (و)۔

(۳) یار دوست بولی جے امیتھہ (ب)، یار دوست بولی جو امیٹھ (ج)، جو بولی امیتھہ (د)، بولیجے امینٹھ (ہ)، بولیجے میٹ (و)۔

(۴) طریق و پچھان۔ ارتھ۔ تہونکا (ب، د)، ارت۔ تھوکا (ج)، ارتھ تہونکا (د)، تنوکا (ہ)۔

(۵) ششدھر۔ دنکر۔ اوجلا۔ سیاہ و (ب)، مہ ونیر (ج، د)، سیر ونیّر (ہ، و)۔

(۶) نیلا پیلا زرد کبود — تانان بانان تار و پود

(۷) قوت نیرو زور پران — سارق دزد چور ہے جان

(۸) مرد منس زن ہی استری — قحط دو کال دبلہے مری

فصل سیوم

(۹) اقراء بخواں پڑہیں توں دیکھ — بنویس ایں را سکوں لیکھ

(۱۰) صعوہ سیر یچہ ممولا جان — کوآ زاغ کلاغ پچھان

(۱۱) خود پرید رفت آپیں اڑ گیا — سیس سر تن جنڈی آمد کیا

(۱۲) موش چوہا گربہ بیلی مار ناگ — سوزن در رشتہ بہنڈی سوی تاگ

فصل چہارم

(۱۳) دوش کال رات جو گئی — امشب آج رات جو بہی

(۱۴) آتش آگ آب ہے پانیں — خاک دھول جو باد اڈرانیں

---

(۶) زرد — تانا بانا تنست (ب، ج، د) نیلا پیلا — تنا پود (د)، نیلا پیلا (ہ، و)۔

(۷) ج، د، ہ، و متفق۔

(۸) قحط کال (د)، دکال (ہ، د)، دوکال (و، ج)۔

(۹) تمام نسخے متفق۔

(۱۰) صعو صریچ — زاغ (د، ب) صعو سر یچ (د)۔

(۱۱) اپیں (د)۔

(۱۲) ناگہ — بہنڈی سوی تاگ (ب، د) سوئی (ط)۔

(۱۳) کالہ بہی (ب)، جو بہئی (د)، بھئی (ط، د)۔

(۱۴) پانی اودرانی (ب، ط، د) پانی — اڑانی (ج) پانی — خاک دھور جو باد اوڈانی (د، ط) و ندارد۔

(۱۵) ترا بگفتم ہیں تجھ کہیا   کجا بماندی توں کت رہیا

(۱۶) بیا برادر آ ورے بھائی   بنشیں مادر بیس ری مائی

فصل پنجم

(۱۷) مشک و کافور ست کستوری کپور   ہندوی آنند شادی و سرور

(۱۸) اسپ گھوڑا فیل ہاتھی شیر سیہ   گوشت ہیڑا چرم چمڑا شحم پیہ

(۱۹) شیر وجغرات آمدہ دود دہی   روغن آمد گھیو دوغ آمد مہی

(۲۰) زر بود سنا د سیم و نقرہ روپ   جامہ کپڑا تات تپڑ دبّ کوپ

فصل ششم

(۲۱) دیگ ہانڈی کفچہ ڈوئی بے خطا   تابہ کزغان و کڑائی دلوا

(۲۲) سنگ پاتھر جانیہ برکن اتھاو   اسپ میراں ہندوی گھوڑا چلاؤ

(۲۳) چالنی غربال چاکی آسیا   دیگداں چولاؤ کندو کوٹھیا

---

(۱۵) توجہ۔تو (ب)، تجہ (ج، ہ، د)، تجہہ (و)۔

(۱۶) بیتھہ ری مائی (ب، ج، و، ہ)۔

(۱۷) مشک کافور۔شادی ہے (ج)، مشک کافور (د، ہ)، 'و' شل 'ا'۔

(۱۸) ششینہ (ب، ج، د)، سینہہ (ہ)، 'و' مثل 'ا'۔

(۱۹) شیر جغرات آمدو (ب، ج)، گھی (ہ، و)۔

(۲۰) سناد۔روپا۔دبّہ۔کوپا (ب، و)، زرّ ("بود" برحاشیۂ ب، و 'ندارد)، زپا (ب)، کپّا (ج)،
سونا سیم جینل۔روپا دبّ کیا (د)، روپ۔دبّہ۔کوپ (ہ)، روپا۔کوپا (و)۔

(۲۱) دیک و (ب)، کزغان است (ج)، دیک ہانڈی۔تاب کزغان است کراھی (د)، تابہ کزغان (ہ، و)۔

(۲۲) ادتھاد (ب)، پتھر۔جانئی۔اتھا۔چلا (ج، ہ)، پیتھر (د)، جانییں (ہ)۔

(۲۳) چولہا (ب، د)، چھالنی۔کوٹھیا (ج) چھاننی۔دھپنی ڈ (د)۔

(۲۴) سرد سیلا گرم تتا چیرہ سخت　　نرم کنولا نیش ڈنکھ اور نگ تخت

فصل ہفتم

(۲۵) غلّہ افشان چھاج می افشاں پچھوڑ　　جوئی شوہر ہے ہندوی ہے تمس لوڑ

(۲۶) ڈھپنی سرپوش وچپنی جانیہ　　ہے دھواں دود و دخاں پچھانیہ

(۲۷) مُوسَلَہ معروف یادن ادکھلی　　چیز عنّی فحل نرآمد بلی

(۲۸) پارسی[1] آدنگ چھینکا ہندوی　　لیک مقبیل[2] است زبان پہلوی

فصل ہشتم

(۲۹) خنجر و شمشیر و صمصام است تیغ　　ہندوی کھانڈا کہادی انون میغ

---

(۲۴) برد سیرا - تاتا کرہ - ڈنکہ (ج) سرد سیتیل - ضعب سخت - کولانیش ڈنک (د)، تاتا چیرہ سخت (ہ، و)۔

(۲۵) چھاج ہے، شوی وشوہر - تم منس (ب)، چھان - پچھور - ہندوی مونس توں پور (ج)، چھاج ہے - شوئی زن بیشک - تومنس دجوی لور (د)، چھلج ہے (ہ، و) -

(۲۶) ڈپھینی - چھپّنی جلنیے - پچھانیے (ج) ڈھپنی سرپوش چپنی جانیے - دود دہواں اور دخان پچھانیے (د)، ہنبن (ہ)، ہنبیاں (و)، جانیں پہچانیں (ہ) -

(۲۷) موسل است (ج)، موصل است - اکہلی (د) موصلہ (ا، و)، موصل است (ہ) -

(۲۸) فارسی آدنگ چھینکا ہندوی (ج، ہ، و) متقتل داں (ج) چھکّا - پہلوی (و)، متمیل از (و)، مقبل از (ہ)۔

(۲۹) ادنوں میغ (ب، و)، آنوؔ (ج) شمشیر صمصام - ہندوی کھنڈا - ابر میغ (د)، آنوں (ہ) -

---

[1] یہی آدنگ چھینکا در ہندوی (ا)۔

[2] "لیک منقول ہست زبانی پہلوی" (ضمیمۂ خالق باری از ادریس احمد در جواہر خسروی)۔

(۳۰) خاں تل باشد غلیواز دزغن — چیل ہے درگوش کُن گفتار من

(۳۱) ارض دھرتی فارسی باشد زمین — کوہ در ہندوی پہاڑ آمد یقین

(۳۲) کاہ ہیزم گھاس کاٹھی جانیہ — اینٹ ماٹی خشت گل پچھانیہ

فصل نہم

(۳۳) جاروب سوہنی وسبد ہست ٹوکرا — مقراض کترنی کہ بود استرا چھرا

(۳۴) درد مروارید موتی جانیہ — ہم بسد راتی کلی پہچانیہ

(۳۵) امید آس باشد (نومید[1]) بے نراس — چرخ وسپہر ہم فلک آسماں اکاس

(۳۶) بادہ شراب وراوق وصہبا است مد — گر جرعہ زاں خوری تو کنی کار نیک بد

---

(۳۰) چیلہہ ہے (ب ، د) ، چھیل ہے (د) ۔

(۳۱) ہندی پہاڑ (ا ، ب ، ج ، د ، ہ ، و متفق) ۔

(۳۲) گھاس و ۔ اینٹ و ۔ خشت د (ب ، د) ، کاٹھی ۔ جانیے ۔ پھچانیے (ج ، د)
کاہ د ہیزم پچھانیے (د) ، جانیں ۔ اینٹھ ۔ پہچانیں (ہ) ۔

(۳۳) کہ سبد است (ج) سوہنی سبد د (ا ، ہ ، و ۔ متفق) ۔

(۳۴) کولی پہچانیہ (ب) ، درّ مروارید ۔ جانیے ۔ رابھی پھچانیے (د) ، جانیں ۔ پہچانیں (ہ) ،
یہ شعر ج ، و میں نہیں ہے ۔

(۳۵) نومید ۔ سپہر فلک بود (ب) ، نومید ۔ اکاس (ج) نومید ۔ چرخ و فلک سپہر بود (د) ، باشد (د ، ہ) ۔

(۳۶) مدہ ۔ جرعۂ ازاں ۔ نیک بد (ب) ، شراب راوق ۔ است د مد ۔ جرعہ ۔ (ج) ، جرعہ (د) ،
صہبا شراب ۔ بادہ ۔ نیک بد (و) ۔

---

[1] نامید (ا) ۔

(۳۷) رایت لوا علم بود نیزه ہست بھال　　لب آب ندی حوض دگر سر ورست تال

فصل دہم

(۳۸) نی نیزہ بانس چوب لکڑ استخوان ہاڑ　　دیوانہ باؤلا (د)، دگر غمزہ ناز لاڑ

(۳۹) طاؤس مور (کہیے[1]) دراج تی ترا　　خوب ذنکو بھلا و بد وزشت ہے بُرا

(۴۰) دیہیم و تاج و افسر در ہندوی مکٹ　　زاغ بریدہ پر (زا[2]) تو جان کاگ کٹ

(۴۱) گیہان و دہر دنیا گیتی دگر جہان　　در ہندوی تو پرتھی سنسار جگ بدان

فصل یازدہم

(۴۲) شب گیر لیل شب تو بدان رات رین نس　　فانید[3] و قند و شکر گڑ جان ز بر بس

---

(۳۷) لوای نیزہ بود علم ہست ڈھال - سر ورست (ب) لوا و نیزہ بو - علم ہست ڈھال (ج)، سپر - لوائی نیزہ بود علم ہست دھال (و)، آب دان ندی (و - ہ)، لوا و نیزہ علم بھال سپر ڈھال - آب دگر جوئی ندی (د) -

(۳۸) بانس باشد چوبین لکڑا - استخواں ہا دو دیوانہ بادلا (ب) ھاڑ استخواں باشد (ج)، بانس باشد چوبین لکڑا - چون استخوان ہا دو دیوانہ بادلا (د) باشد بھی چوب لکڑا - استخوان ہاڑ باشد و دیوانہ باورا (د)، باشد چوبینہ لکڑا - ہاڈ (ہ) -

(۳۹) مور باشد (ب)، باشد و (ج، و) مور باشد - بھلا ہے (د) باشد و دراز (ہ) -

(۴۰) بریدہ پر را (ب) بریدہ پران - کاک کٹ (ج)، دیہیم تاج افسر - بریدہ پر را (د) -

(۴۱) و گیتی دنیا - پرتھی و سنسار (ب، ج)، گیہان دہر گیتی - پرتھی (د)، گیتی دنیا (ہ، د) -

(۴۲) دلیل - رات و رین - فانیند (ب)، فانیند قند شکر (ج، د)، ولیل را رات و (د)، دلیل و شب - رات و شکر و (ہ) -

---

[1] کہی (و)　[2] پران (و)　[3] فانیز

(۴۳) جان وروان و جیو تن کالبد کیبا — عادت جو خوی سہج بداں عافیت میا

(۴۴) دل ہی ہیاؤ خاطر اندیشہ (چتینا) — مہمان و ضیف راتو بدانی کہ پاہنا (ورق ۳)

(۴۵) اُمّ الکتاب فاتحہ الحمد جو کہ نانو — اُمّ القریٰ تو مکہ بداں قریہ دیہ گانو

فصل دوازدہم

(۴۶) حربا گرگٹ کژدم بیچھو راسو نول — سگ ہے کوتا ماہی مچھلی لقمہ کول

(۴۷) دشمن بیری کوس دماماں باراں مینہ — عشق و محبت عاشق منتر جانی اینہ

(۴۸) عالم دانا ہندوی بول جو کہیے سیا(ناں) — طعم سواد طعام خورش جو کہیے کھاناں

(۴۹) سینہ چھاتی پستان چوچی بینی ناک — ظاہر پیدا پرگٹ دیسے طاہر پاک

فصل سیزدہم

(۵۰) تپ لرزہ در ہندوی آمد جاڑے تاپ — دردسر آمد سر کی پیڑ اینگ ہی دھاپ

---

(۴۳) تن و (ب)، رواں سو جیو (ہ)، رواں جیو تن د (و) ۔

(۴۴) اندیشہ چتینا ۔ پاہونا (ب)، اندیشہ چتینا مہمان ضیاف (ج)، اندیشہ ماننا (د)، ہیاؤ خاطر (ہ، و)، چتیناں ۔ پاہناں (ہ) ۔

(۴۵) جاکو ناؤ (ب)، جاکو نانوں ۔ گانوں (ا، ج، د، ہ متفق)، جوک (ہ، و) ۔

(۴۶) گھر گٹ ۔ نیول ۔ کتّا (ب)، کتّا د ج)، نول ۔ کتّا (د، ہ)، کوتا (و) ۔

(۴۷) دونوں مصرعوں میں تقدیم و تاخیر ہے ۔ منترا ۔ میہ (ب)، جانی نیہ (ج)، ویری عشق محبت ۔ منترا ۔ جانی نیہ (د)، عشق محبت عاشق منترا جانی نیہ (ہ)، عاشق منتر عشق و محبت جان نیہ (و) ۔

(۴۸) دونوں مصرعوں میں تقدیم و تاخیر ہے (ب، ج، د)، طعم سواد طعمہ ۔ کہیے کھانا ۔ کہیے سیانا (و، ب)، طعام خورش (د)، مزہ سواد و طعام خورش جو کھانا جان ۔ عالم دانا ہندی بول جو سیانا مان (ہ، و) ۔

(۴۹) ظاہر و (ب)، دسے (د)، پرگھٹ (و) ۔

(۵۰) جوڑی تاپ (ب، ج)، جوڑی تاپ ۔ دھاب (د، ہ)، در قول ہندوی (ہ) ۔

(۵۱) بامہ کا چک منجہ کپال جائے ہے ٹھانو   چون تو بہندی مرابہ پرسی کھوپڑ بتانو

(۵۲) دودہ کاجل سرمہ انجن قیمت مول   چاکر سیوک بندا چیلا قول سو بول

(۵۳) مس ہی تانبا روئیں کانسا آہن لوہ   تیشہ بسولا تبر کہارا غضب زدہ

فصل چہاردہم

(۵۴) گوک مغاک جو گہارا کہیے کواہ چاہ   دریا بحر سمندر کہیں جس کی ناہیں تھاہ

(۵۵) گندم گیہوں نخود چنا شالی ہی دھان   جرت جواری عدس مسوری برگ ہے پان

(۵۶) ابرو بھنواں سبلت موچھاں دنداں دانت   ریش محاسن داری کہیے ردوہ آنت

(۵۷) کنیت سینگ خلال جو کہیے لوالیاس   کنیت فرج ززناں راشنو لوادراس

---

(۵۱) منجہ کپار ۔ کرہے پانو (ب)، چوں کر ۔ کھوپری ناؤں (ج)، مرا پرسی کر ہے پانو (د)، مانجہ کپال جو چاہے ٹھاؤں ۔ پا ہے پاؤں (ہ)۔

(۵۲) بندا چیرا (ج)، بندہ چیرا (ب، د، ہ، و)۔

(۵۳) کودھارا (ب)، تبیر کپرا کہیے کذب دروغ (ج)، روئیں کانسی ۔ غضب آمد ہندوی زدہ (د)، کہارا (د، ہ، و)۔

(۵۴) جو گدھا کہیں کونوا چاہ ۔ سمندر کہیے جاکی ۔ ناہیں (ب)، گھپڑ ۔ کوا بھو چاہ ۔ ناہیں (ج)، غوک مغاک جو تو نہ کھوہا ۔ کہیے صراط ہے راہ (د)، جو گہارا کہیے کوا (و)، گہارا (ہ)۔

(۵۵) جرت جوندری ۔ مسور برگ ہے (ب، ج)، نخود چنے شالی دھان ۔ برگ ہے پان (د)۔

(۵۶) ابرو بھونہں سبلت مونچھ دنداں ہی دانت؛ داڑھی کہیے (ب)، داری کہی (ج)، بھواں ۔ مچھان ۔ داڑھی کہیے (و)، دھاڑی (ہ) بھویں ۔ مونچھیں ۔ داڑھی (د)۔

(۵۷) یہ شعر کسی نسخے میں درج نہیں۔

فصل پانزدہم

(۵۸) منجل است و داس درانتی جوکہ ناتو　　ترب مولی دار سولی جاہے ٹھانو

(۵۹) پارسی روبہ بہنڈی لونکڑی　　ماکیاں را نیز میخواں کوکڑی

(۶۰) کوکڑہ میخواں خُرُوسِ صبح خواں　　نیز میخواں دیک دتنازی زبان

(۶۱) قصر و کشک و حصن کوٹ آمد حصار　　حجرہ کوٹھری بام ماڑی در ودار

فصل شانزدہم

(۶۲) عذب شیرین است میٹھا کھائے دیکھ　　تلخ کڑوا ترش کھٹا چاکھ دیکھ

(۶۳) زفت انیٹھن چرب چکن شور کھار　　تیز چرچر جیب جانے یہ بچار

(۶۴) کاغذ و قرطاس کاگل لیکھیے　　ہم قلم ہم خامہ لیکھن پیکھیے

(۶۵) در (د) مروارید موتی جانیہ　　غنچہ زہرہ ہے کلی پچھانیہ

---

(۵۸) داس دانتی جاکو ۔ جای تھانو (ب)، جاکو ناتوں (ج)، دانری ۔ جاء (د)، دانتی جوک (ہ، د) جای ٹھاؤں (ہ) ۔

(۵۹) فارسی روباہ ہندی وکھری (ب، د)، روبہ است لوکری (ج) روباہ ہنڈی لونبری (د)، ہندی لونکڑی (ہ) ۔

(۶۰) مرغ درتازی (ج)، کوکرو میخواں (ا، د، ہ، و، متفق) ۔

(۶۱) حصن درتازی حصار ۔ کوٹھا بام ماڑی در دیوار (ب)، قصر کوشک (ج، ہ، و)، بام مھاڑی (ج)، کوٹھہ بام ماری (ہ)، "و" میں دونوں مصرع مقدم موخر ہیں ۔ کوٹھا ۔ ماڑی (د) ۔

(۶۲) کھای ۔ چاکھ دیکھ (ب)، چاک دیک (ج)، دونوں مصرعوں میں تقدیم وتاخیر ہے، کھٹا جان لیکھ (ہ) ۔

(۶۳) انیٹھن ۔ چیکن (ب، د)، تیز چرپر ۔ جیبہ (ب)، چرب چکنا ۔ تیز چرچر (ج، ہ، د) چرچرہ (ا) ۔

(۶۴) کاکد دیکھیئے ۔ لیکیے (ب)، کاکد دیکھیے ۔ بیکھیے (ج)، لیکھیئں پیکھیئں (ہ)، لیکھ ۔ لیکھیے (د) ۔

(۶۵) مصرع دوم: ہم لبدرائی کولی پہچانیہ (ب)، جانیئے لبدرا بھی کلی پہچانیے (ج)، راتی (ہ، د)، جانییں پہچانییں (ہ) ۔

فصل ہفدہم

(۶۶) ثور ستور گاؤ ہے بلد خواہی لادن خواہی آلدَ

(۶۷) شہد وانگبیں عسل کہیجے سوم بہندوستان بھنیجے

(۶۸) ذنب گناہ سو دوس ہندی خشم وغضب سو روس ہندی

(۶۹) سرگیں گو بر فلہ (ہے) پیوسی جان گُلَنَد جو کہیے کتی

فصل ہژدہم

(۷۰) کمان تیر و صابون یہی نانو راکھو اگر پارسی یا پراکرت بھاکھو

(۷۱) بزرگی بڑائی و پیری بڑا پا نکوئی بھلائی جوانی تنا پا

(۷۲) لسان و زبان راتمیں جیب آکھو درخت و شجر دوحہ ہم رونکھ بھاکھو

(۷۳) دروغ و دگر کذب تم) جھوٹ جانو بزرگ و کلاں را بڑا جان مانو

---

(۶۶) خواہے لادُو (ج) ، لادھن (ہ) ، یہ شعر 'د' میں درج نہیں، ثور و (ہ)

(۶۷) کہیجّے - مدہ - بھنجّے (ب) کہیجے - بھنجّے (ج) ، شہد انگبیں (ہ، د) کہیجیں - بھرنیجیں (ہ) -

(۶۸) بہندی - بہندوی (ب) گناہ دوس ہے ہندوی - خشم غضب روس ہے ہندی (ج) ، ذنب د - دوس ہے ہندی (ہ) ، جو دوس ہے ، ہندی (د) -

(۶۹) فل ہی پیوسی (ب ، ج) - فلہ پیوسی (د) ، کوسی (ہ) -

(۷۰) تیر و صابون یہی نام - بہندی . زبان یا (د ، ہ) یہ شعر 'ب' اور 'ج' میں درج نہیں -

(۷۱) بورھاپا (ب) ، پدھاپا - ترناپا (ج) بڈھاپا (ہ) ، پرھاپا (د) -

(۷۲) تمہہ جیبھ شجر راتمیہ روکھ (ب) ، آکھو - شجر راتمیں روک بھاکو (ج ، ہ) ، شجر راتہیں روکھ (د) -

(۷۳) دروغ و دگر کذب تم (ب ، د) ، دروغ و دگر کذب را جھوٹ - بڑا (ج ، ہ) ، کذب و دروغ و زرق (د) -

فصل نوزدہم

(۷۴) ہندی زبان خانۂ و بیت گھر ہے   جو خوف و دگر بیم و ہم ترس ڈر ہے

(۷۵) تمنّا و ہم آرزو چاؤ کہیے   ید و دست ہاتھ و قدم پانْو کہیے

(۷۶) چراغ است دیوا فتیل است باتی   بود جد دادا نبیـرہ است ناتی

(۷۷) کدو خربزہ ہر دو معروف میداں   خیار است ککڑی و ہم کھیرہ میخواں

فصل بستم

(۷۸) در و باب و دہلیز را بار جانو   شتر اونٹ بھاکو فرس اسپ مانو

(۷۹) گرہ عقد باشد بتازی ولیکن   بہندی بود گانٹھ ہم از شک امین

(۸۰) نہار و دگر یوم روز است جانو   بہندی زبان دیس من دھر پچھانو

(۸۱) کثیر و فراواں و بسیار افزوں   بہوت (کوں) جو کہیے صحی جانیو توں

---

(۷۴) ہنددی زبان بیت ہم خانہ - بیم ہم (ج)، خانہ ہم بیت - دگر ترس و ہم بیم (ہ، و)۔

(۷۵) قدم پاد (ب، د)، دست ہات و (ج، ہ)، پاؤں (ہ)۔

(۷۶) فتیلہ (ب)، نبیرہ است ناتی (ا، ج، د، ہ، و، متفق)۔

(۷۷) خورپزہ - ککڑی و بادرنگ کھیرہ بخواں (ب)، ہ، و با ا، متفق)۔

(۷۸) اونٹ گھورا (ب)، باب و ہیز - اونٹ گھوڑا (ج، ہ، و)۔

(۷۹) بہندی بود گانٹ (ج)، بہندی زبان گانٹھ از دزد امین (ہ، و)۔

(۸۰) نہار و دگر - بہندی (ب، ج)، نہار است یوم و دگر روز - بہندی زبان دیس ہے جان مانو (ہ)، بود ہنددی دیس (و)، نہار است (ا)۔

(۸۱) بسیار بو - بہت کوں جو کہیے سہی جان (؟) توں (ب)، را کہیے ہور سبھی جان توں (ج)، بود بہت ہندی سبھی جان تون (د)، بسے بھوت کہیے صحیح جان توں (ہ)، "ا" "کوں" ندارد۔

فصل بیست و یکم

(۸۲) آئینہ آرسی کہ درو ردی بنگری   سیوا بہنڈی تو بداں نام چاکری

(۸۳) سندان علات اہرن قطیس تیکرا   میداں ہتوڑہ نام تو ہچوں بے چرا

(۸۴) چیونٹی ست نام مورچہ پیپوست نام کیک   وانکو پیام و نامہ برد قاصد است دیپک

(۸۵) میدان سبو گھڑا و سبوچہ بداں گھڑی   چوبینہ سقف باشد در ہنڈی کڑی

فصل بیست و دوم

(۸۶) تگرگ است وہم سنگچہ ژالہ اولا   چو زیرک سیانا و نادان بھولا

(۸۷) ہژبر است ناہر پلنگ یوز چیتا   جو گرگ ست بھیٹی دگر گست گینڈا

(۸۸) سمندر بود آگ میں جیو کیڑا   بود دور معروف و نزدیک نیڑا

(۸۹) تو اکھروٹ جوز خراساں بدانی   دگر جوز نالیر ہندی بخوانی

---

(۸۲) ا ، ب ، ج ، ہ ، د ، متفق۔

(۸۳) ہتورہ ازمن بے چوں (ب) ، پتکرا۔ ہتورہ باشد (ا ، ج ، ہ ، د ، متفق)۔

(۸۴) چیتی پیہوست نام۔ آنکو۔ دیپک (ب) ، چمنٹی۔ پیھواست۔ آنکو پیام آورد قاصد بدان تو (ج) ، آنکو دیپک (د ، ہ) چینتی (ہ)۔

(۸۵) چوبین (ب ، ج) ، کھپری (د)۔

(۸۶) سنگچہ ژالہ۔ سیانا د (ب ، د) تگرگ است سنگچہ دہم (ا ، ج) ، زیرک ہے (ج) تگرگ است دہم سنگچہ و (ا)۔

(۸۷) پلنگ است چیتا (ب ، ہ ، د) ، بھریا (ب ، ج) بھیرتی [لاندکا] (ج) ، بھرٹی (د) ، پھٹی (ہ)۔

(۸۸) معروف نزدیک (ب) ، اھی آگ میں کا جو (ج) ، سمندرا ہے (د) ، سمندر ہے۔ میں جیونا (ہ)۔

(۸۹) اخروٹ۔ جوز۔ بدان۔ دگر ناریل جوز ہندی بخواں (ب) ، اکھروٹ را۔ جوز را نالیر ہندی (ا) ، تو اکھروٹہ جوز خراساں بدانی (ہ) ، دگر ناریل جوز ہندی بخوانی (د)۔

فصل بیست وسیوم

(۹۰) نمک ملح لونست شیریں است میٹھا   بہندوی زبان بےمزہ ہست پھیکا

(۹۱) پدر باپ باشد چو ماہست مادر   سناں بھال برگستوانست پاکھر

(۹۲) ذباب دگمس ماکھی و پشّہ ماچھر   بود ریگ بیلو وسنگریزہ کانکر

(۹۳) فرومایہ سفلہ بتازی بخوانش   دلی لترہ خوانند یعنی کمانش

فصل بیست وچہارم

(۹۴) بیا آد نشین بیٹھ برو جبا   بہ بیں دیکھ بدہ دے بخور کھا

(۹۵) درآ پیٹھ بکش کھینچ بچش چاکھ   بزن مار بدر پھاڑ بنہ راکھ

(۹۶) بدم پھونک بماں) اچہ بجو لوڑ   بشو دھو (بدو دوڑ) بہل چھوڑ

(۹۷) گلو حلق دہن مکھ سخن بول   شکم پیٹ نظر دیٹھ دہل ڈھول

---

(۹۰) ملح ہے لون ۔ سیٹھا (ب)، بہندوی زبان مزدیہ است بیٹھا (ج)، ماسرس بداں لون نیٹھا۔ بہندی زبان مزدبہ ہست پیٹھا (ہ)، نمک ملح ہے لون سرس ۔ بہندی زبان مزبا ہست پیٹھا (و)۔

(۹۱) چو است مادر (ب، ج)، ماں ہست (و)۔

(۹۲) مانکھی و پشّہ مانچھر ۔ ریگ ۔ بالو (ب، و)، ماکھی ۔ ساچھر ۔ بالو (ج)، بالوی و (ہ)۔

(۹۳) بتازی زبانش (ب، ہ)، سفلہ است تازی (ج، و)۔

(۹۴) آد ۔ برو جاہ ۔ بدہ دیہہ بخور کھاہ (ب)، بیا آ (ج)، بنشیں ۔ بدہ دہ (د)۔

(۹۵) چاکھ ۔ راکھ (ب)، ہ، و، متفق با ا۔

(۹۶) اچھ ۔ دھو بدو دوڑ (ب) آچہ بخواہ لوڑ ۔ بدو دور بہل (ج) بماں رکھ (ہ)، بماں رہ (و) 'د' میں 'بدہ دہ' بجائے 'بدو دوڑ'۔

(۹۷) دہن موکھ پیٹ ۔ نظر دیتھہ (ب)، نظر ڈشٹ (ج)، پیہٹ نظر دیکھ (ا)، پتیہ نظر دیہٹہ (ہ)، نظر دیہٹہ (و)۔

فصل بیست و پنجم

(۹۸) طبیب و حکیم است بید اے برادر — بود باد باد و دگر آگ آذر

(۹۹) جگر ہست کلیجا سپرزاست تلی — جو پہلو بہندوی بود پانسلی

(۱۰۰) نصیحت دگر وعظ و اندرز پند — بہندی بود سیکھ در کار بند

(۱۰۱) خرابست ویران تو اوجڑ بخوانی — تو معمور آباد بستا بدانی

فصل بیست و ششم

(۱۰۲) لیل اللیل است در تازی زبان — رات اندھاری تو نیکو تر بدان

(۱۰۳) آفت و آسیب ہے رنج و بلا — جیّی و زندہ جانیو تم جیوتا

(۱۰۴) شانہ و مشط است در ہر دو زبان — کنگھی من پیش تو کردم بیان (ب)

(۱۰۵) کرم شب تاب است کیڑا چمکنا — نیز گویند آتشک اینہم بدان

---

(۹۸) باد باؤ (ب، ج)، طبیب و پچشک است (د)۔

(۹۹) جگر ہیں (ب، ج، ه)، کہ پہلو بہندوی بود پاسلی (ج)، تو دھیرک بدانی۔ دلاسا نسلی (ه)، بخواں ضلع را پہلو د پانسلی۔ قصیب نے بود ہندوی بانسلی (د)۔

(۱۰۰) ز من گوش کن وعظ۔ بہندوی بود سکہ (ب)، دگر گوش کن (ج، ه، د)۔

(۱۰۱) اوجڑ ہی خوان۔ معمور و۔ بہی دان (ب، ج) اوجڑ بدانی۔ چو معمور و۔ بخوانی (ه، د)۔

(۱۰۲) لیل شب تار است۔ اندھیاری (ب)، لیل شب تاریک۔ اندھاری (ج)، لیل و شب تاریک در ہر دو زبان (ه)، تو الیل شب تار ہر دو (د)۔

(۱۰۳) جانیوں (ب)، جیّی زندہ جانی تم اس (ج، ه)، و متفق با (ا)۔

(۱۰۴) مشانہ مشاط است در تازی (ب)، ج شل و۔ شانہ و مشاط (ه)۔

(۱۰۵) چمکنا۔ آتشک اورا بدان (ب)، آتشک اورا (ج، ه، و)، کیرا مچگنا (د)۔

فصل بیست و ہفتم

(۱۰۶) نان بتازی خبز روٹی ہندوی — ہندوی مخلوج را میداں روئی

(۱۰۷) پس بہندوی پنبہ را میداں کپاس — نسر کرگس بوم الّو بوی باس

(۱۰۸) بادبیزن بادکش پنکھہ بخواں — غوک وضفدع مینڈکی بےشک بداں

(۱۰۹) عاقبت انجام آخر کار ہم — (چھیہ ہے) در ہندوی اے محترم

فصل بیست و ہشتم

(۱۱۰) دستور وزیر ہست پردھان — بشنو تو دکہ، اذن گوش ہے کان

(۱۱۱) کنجارہ عصارہ کھل ہے جان — عقل و خرد است بدھ پچھان

(۱۱۲) کالیوہ (د) احمق است نادان — مورک بزبان ہندی اجان

(۱۱۳) زاری وبکا وُگریہ ہے روج — میدان اثر او سراغ وپلے کھوج

---

(۱۰۶) گوبیند روئی (ج)، میداں تو روئی (ہ)، ا، ج، د، متفق۔

(۱۰۷) ا، ج، د، متفق۔بہندوی (ج)، پس بہند ی (ہ)۔

(۱۰۸) پنکھہ (ب)، پنکہ بدان۔اورا بخواں (ج)، ہ، د مثل ا۔

(۱۰۹) انجام و۔درتازی زبان (ب)، درتازی زبانی (ج)، ہست درہندوی زبان اے محترم (ا)، چھیہ در (د)، چھیہ ہے درہندوی (ہ)۔

(۱۱۰) تو کہ اذن کوش (ب)، عقل وخرد است بدھی، پھچان (ج)، ہ، د مثل ا۔

(۱۱۱) کنجار عصار۔مورکھ بزبان ہندوی اجان (ب)، ہم گول احمق است نادان (ج)، بدھ پہچان (ہ، د)۔

(۱۱۲) کالیوہ احمق است ہم نادان (ا) گول ابلہ ودد)، مورکھ بزبان ہندوی جان (ہ، د)۔

(۱۱۳) زارو۔وپلے ہے کھوج (ب)، پیاپے کھوج (ج)، اثر است وپلے کی کھوج (ا)، اثر است پلے ہے (ہ)، اثر و سراغ وپلے کھوج (د)۔

فصل بیست و نہم

(۱۱۴) رہ زن و قاطع طریق اے نامور — بٹ پڑہ باشد ترا کردم خبر

(۱۱۵) ہست ظہر و پشت پیٹہ اے ہوشیار — ہودہ حق بیہودہ را باطل شمار

(۱۱۶) ہست ابن اللیل ماہ آسمان — چاند بشنو رات کا تازی زبان

(۱۱۷) مرغ معرفست ہدہد اے جواں — پہلوی گویند پوپو ہم بداں

فصل سی ام

(۱۱۸) بعض شب ہست یقین واں زمر — سیزدہم چار (د) ہم پانزدہ

(۱۱۹) بعض کہوں تین رین چاند نیں — تیرھویں چودیں پندردیں

(۱۲۰) پور پسر پوت ہہندی سخن — اب پدر باپ بداں جان من

(۱۲۱) جوع دگر گرسنگی بھوکہ ہے — نیشکر از من بشنو اوکہ ہے

---

(۱۱۴) ا ، ب ، ج ، ہ ، و ، متفق ۔

(۱۱۵) پیٹہ ۔ ہوی حق (ب) ، پشت پیٹ ۔ ہودہ حق (ج)،
ا ، ہ ، متفق ۔

(۱۱۶) رات کا بے شک بداں (ب ج)، ات کا ہندی زبان (ہ ، و)

(۱۱۷) ا ، ب ، ج متفق ۔ ہندوی گویند پوپو (ہ ، د) ۔

(۱۱۸) ا ، ب ، ہ متفق ۔ سہ شب را تو یقین (د) ۔

(۱۱۹) چاندنی ۔ پندریں (ب ا)، ج متفق ۔ تیرہیں ۔ چودہیں ۔ پندرہیں (ہ)، چاند ہنی
تیرہن چودہن پندردین (د) ۔

(۱۲۰) پورو (ب)، ابّ و (ب ، د)، ہہندوی (ج)، ا ، ہ متفق ۔

(۱۲۱) بھوکہ ۔ تو شنو اوکہ (ب)، بھوک ۔ اوک ہے (ج ، د) بھوکہ ۔ اوکہ (ہ) ۔

فصل سی ویکم

(۱۲۲) زنخ را بہندوی ٹھوڑی ہمی دان — ذقن را نیز در تازی ہمی خوان

(۱۲۳) تو مرآرنج را کہنیں بدانی — جو قبضہ دست را پنجہ بخوانی

(۱۲۴) جو ساق و کلک پا پنڈلی شتالنگ — اہے کرج سُرین چوتڑ گھوڑہ لنگ

(۱۲۵) تو زانو را بہندی گونٹھن خوانی — فخذران را بہندی چاپلنہ دانی

فصل سی و دوم

(۱۲۶) عنق گردن بود در ہندوی گھینچ — ہم اہل ہند گفتہ مرگ را میچ

(۱۲۷) حیات در زندگانی جیونا جان — تو آشامیدن اے دل پیونا جان

---

(۱۲۲) بہندوی تو تہوڈی بداں ۔ تو سر راس در لفظ تازی بخواں (ب ، ج)؛ زنخ را بہندی تو ا ٹھوری ہمی خواں (ہ)؛ تو سر را راس در تازی ہمی دان (ہ ، د)؛ زنخ در ہندوی ٹھوڈی (و) ۔

(۱۲۳) یہ شعر ب ، ج ، د ، میں درج نہیں ۔ 'ہ' میں دونوں مصرعوں میں تقدیم و تاخیر ہے ۔
چو قبضۂ دست را پونچہ بخوانی (ہ ، و) ، کوہنی (ہ) ، کہنی (و) ۔

(۱۲۴) دیگر شتالنگ (و)، چو ساق و کلک پا پنڈلی شتالنگ بدان ٹخنہ دگر کھورہ بود لنگ (ہ ، د متفق) کھدرہ بو (د)، گونٹھن ہمی دانی (و)، تو زانو بہندوی گھوٹنا بدانی ۔ فخذران عقب بہندوی خوش بخوانی (ضمیمۂ خالق باری، صفحہ ۲۲ ، از ادریس احمد، در جواہر خسروی، طبع علیگڑھ) ۔

(۱۲۵) فخذران در ہندوی جانگ دان — تو زانو بہندوی گھونٹہ بخواں (ج)
تو زانو ہندوی گھوٹن بخوانی — فخذ را ہندوی توں جانگ دانی (د ، ہ)

(۱۲۶) عنق ۔ گینچ ۔ ہے میچ (ب)، عنق گردن ۔ ہم اہل گفتہ اند مرک را مینچ (ج) ہم اہل ہندی گویند مرگ میچ (عنق گردن در ہندوی کہنچ — ہمہ اہل ہند گفتہ اندر مرکرا پنچ
ضمیمۂ خالق باری، صفحہ ۲۲، از ادریس احمد)

(۱۲۷) دگر زندگی جیونا ۔ اے جوان پیونا (ب)، تو نوشیدن اے جواں ہے پیونا (ج) جیونان جان اے جان پیوناں (ہ ، و) ۔

(۱۲۸) پلک پاپن مژہ راگودہ میدان — تو گرد چشم را پیغولہ می خواں (ب)

(۱۲۹) کپی بوزنہ نام بندر کہیے — شغال است سیال بھی جان لیجے

فصل سی وسیوم

(۱۳۰) [چو کلک وخامہ قلم ہندوی تو لیکھن دان — دوات را تو بہر سہ زباں دوات بخواں]

(۱۳۱) حمار واقمر اگر (پرسیم) سفید خراست — بہندوی بشمر خر گدھ کہ بار براست

(۱۳۲) دراز گوش ہمی گفتہ اند نام ورا — کہ جنس اوست شدہ مرکب رسول خدا

(۱۳۳) تو پنبہ دانہ بداں حب قطن (ہم) تو نازی — ولی بنولہ بود چوں بہندوی اندازی

---

(۱۲۸) مژہ را نیز میدان (د)، نیز میخواں (ہ)، ب، ج، د، میں یہ شعر درج نہیں۔

(۱۲۹) باندر جو کہیں۔ دگر یوز چینا خرس ریچھ کہیں (ب)، کپی بوزنہ قرد باندر۔ دگر یوز چیتا خرس ریچھ بھیجے (ج)، کپی د بوزنہ باندر بدانی (ہ)، کپی بوزنہ قرد باندر بدانی (د)، شغال آمد سیال ایں ہم بخوانی (ہ، د)۔

(۱۳۰) ب، ج، د میں یہ شعر موجود نہیں، چو کلک وخامہ قلم را بداں بہر دو زباں (ہ) قلم ہندوی تو لیکھن داں (د)، دوات را تو بہر سہ زباں دوات بخواں (ہ، د)، دوات را ہمی داں دویت خوان ستاں۔ ولی کھریہ خوانند در ہندوی زباں (ا)۔

(۱۳۱) حمار اگر پرسند چیست بگو خراست۔ در ہندوی خر گدّہ (ب)، حمار ابیض۔ شمر (ج)، حمار ابیض اگر پرسیم (د)۔

(۱۳۲) دراز گوش گفتند نام اورا۔ اوشدہ (ب) دراز گوش گفتہ اند اورا۔ اوشدہ (ج)، نام اورا اوشدہ است (د)۔

(۱۳۳) بدان قطن (ج) بداں قطیب در (ا)، بداں حبّ قطن در (ہ، د) بہندی اندازی (ہ)، بہند اندازی (د)۔

فصل سی و چہارم

(۱۳۴) کنیت می آمد (ہ) بنت الکرم — آمِ خبایث تو بداں گفتہ ام

(۱۳۵) بنت کرم ام خبایث مدام — بہر شراب آمدہ ایں ہر سہ نام

(۱۳۶) شعر دگر موی بداں کیس بال — بیخ جڑ و میوہ پھل و شاخ ڈال

(۱۳۷) د جع و دگر درد بہندوی است پیڑ — خط دراز ار بکشی ہے لکیر

فصل سی و پنجم

(۱۳۸) انگشتری انگوٹھی پیرابہ ابہرَن — خرگوش سسہ باشد و آہو بود ہرن

(۱۳۹) بشنو تو نام چرخہ بیچارہ پیرزن — گویند نام رہنیۂ در ہندوی سخن

(۱۴۰) دوک است نام تکلہ آوردہ ام بیان — پیچک بداں تو پونی و پاغندہ گالہ داں

(۱۴۱) دیگر کلادہ آنیشی و ہم ریسمان سوت — انسان شمار مانس و پندار دیو بھوت

---

(۱۳۴) آمدہ - ام الخبایث تو بداں من گفتہ ام (ج) تو بداں نیز ہم (ہ ، د)۔

(۱۳۵) ا ، ج ، ہ ، د ، متفق۔

(۱۳۶) شعر بود موی (ا ، ج ، ہ ، د ، متفق)۔

(۱۳۷) وجع دگر دردزہ ہندوی - توس کمان است دگر سہم تیر (ج) ، ا ، ہ ، د ، متفق۔

(۱۳۸) پیرابہ ابرہن - خرگوش کمرہ (سسہ) باشد آہو (ب) ، انگوٹی - پیرہن (ج) ابرہن (ہ)۔
ابہرن - ستسا (د)۔

(۱۳۹) گفتند رہتہ باشد (ب) گفتند نام رھٹ (ج) گفتند رینہٹیہ ہمہ در (ہ) گفتند رہنٹہ باشد (د)۔

(۱۴۰) دونوں مصرعے مقدم و موخر ہیں (ب) مصرعوں میں تقدیم و تاخیر - پونی پاغندہ گالہ دان (ج)
پاغندہ - مصرعوں میں تقدیم و تاخیر (ہ ، د)۔

(۱۴۱) کلادہ ککری ہم - مانس پندار (ب) ، - کلادہ ککری ہم - مونس پندار (ج) کلادہ کوکری و (ہ ، د)
است سوت (ہ)۔

فصل سی و ششم

(۱۴۲) قفل و کلید سو نالا کیلی — خیبطل گربہ جو کہیے بیلی

(۱۴۳) شرم ہے لاج پوشیدن ڈھاپنا — کار ہے کاج خواستن مانگنا

(۱۴۴) ریدلبید گھوڑے کی آہے — کہوں پارسی جے کو چاہے

(۱۴۵) منی و غائط بول جو گوہے — گوہ و موت یہ ہندی ہووے

فصل سی و ہفتم

(۱۴۶) ہندوی پیپل بود فلفل دراز — مرچ را گویند فلفل گرد باز

(۱۴۷) جوز بویا جای پھل خوش بوی داں — ہم قرنفل لونگ در ہندی بخواں

---

(۱۴۲) "نالا کلی" خیبطل - کہیے بلی (ب)، "تالا ہے - معروف ہرّہ گربہ اس جو کہے بلی (ج)، ا، ہ، متفق گربہ کہہ توں بیلی (د)۔

(۱۴۳) شرم لاج پوشیدن ڈھاکنا (ب، ہ) شرم لاج - پوشیدن دھکنا - خواستن منگنا (ج)۔ ڈھانکناں - مانگناں (ہ)، قرض ادھار خواستن مانگنا (د)۔

(۱۴۴) زبل لید (د، اور ضمیمۂ خالق باری صفحہ ۲۴)، ریدلید (ا، ہ) جو کوئی چاہے (ہ، د) باقی نسخوں میں یہ شعر نہیں ملا۔

(۱۴۵) منی غایت - ذکراست کیر موت راجوئی (ب)، منی غایط - جو کہے کوے - گوہ موت در ہندوی ہوئے (ج)، منی و غائط بول جو کہیے - نجاست گرفتی ہندو چھی چھی (ضمیمۂ خالق باری صفحہ ۲۳) ہ، د، میں یہ شعر نہیں۔

(۱۴۶) پیپل - پلپل - مورچ فلفل گرد را گویند باز (ب)، پلپل بود پلپل دج، مرچ فلفل گرد را گویند باز (ہ، و)، پلپل گرد (د)۔

(۱۴۷) بے شک بداں - لونگ لکری را بخواں [در ہندوی بخواں] (ب)، جوز بویہ - لونگ راخوشتر بخواں (ج)، لونگ خوشبوی خواں (ا) ہم قلنفر لونگ را ہندی بخواں (ہ)، ہم قرنفل لونگ راہندی بخواں (د)۔

(۱۴۸) زنجبیل وسندھی آمد شنگویز — سونٹھ آ ہے پونچہ بیھیں دلے عزیز

(۱۴۹) ہندوی میگو تو خرما را کھجور — داکھ (را) در پارسی میداں انگور

فصل سی وہشتم

(۱۵۰) بیمار و مریض سو دکھی جان — بر (گیر) اٹھاؤ باج ہے دان

(۱۵۱) ہشدار سنبھال خواب ہے نیند — ہوشیار سوچیت فکر ہے جینبد

(۱۵۲) چو پرسی خسر پورہ (کیست می دان) جوی کا بھائی

دگر از خسر پرسی جوی کا (ہے) باپ جن جائی (ب)

(۱۵۳) نیا و خال (ہے) ماموں (د) او در عم (ہے جو) چچا

برادر زادہ بھتیجا و خواہر زادہ (ہے) بھانجا

---

(۱۴۸) زنجبیل وستوہ آمد سونٹ نیز۔ چھاں لے اسے میت یعنی کو بہ بیز (ج)، آمد سونٹھ نیز۔
چھان لے یہ بول توں یعنی بہ بیز (ہ)، سونٹھ ہے نون چھان یعنی کہ بہ بیز (د)۔

(۱۴۹) پس بہندی دان تو۔ داک را بخواں (ج)، ہندوی گویند (ہ، د)۔

(۱۵۰) بیمار مریض و دکھیا جان (ج، ہ، د)، برگیر اٹھاؤ پن ہے دان، (ج)، مریض سو دکھی ہے
جان۔ برکن اٹھاؤ (د)۔

(۱۵۱) ہوشیا بیدار فکر ہے چیت۔ ہوشدار سنبھال دوست ہے میت (ج)، خواب ہے سونا
مزرع کھیتی کاشت ہے بوناں (ہ)، ہشیار سنبھال خواب ہے سونا۔ مزرع ہے کھیت و کاشت بونا (د)۔

(۱۵۲) خسر پور کیست جو کا بھائی — اگر از خسر پرسی کیست جو کا (ج، ہ، د، متفق)

(۱۵۳) نیا ماموں او در حساب عم چچا — برادر زادہ بھتیجا خواہر زادہ بھانجا (ج)

نیا و خال ماموں او در عم چچا — خواہر زادہ بھانجا برادر زادہ بھتیجا (د)

نیا و خال ہے ماموں او در عم ہے جو چچا — برادر زادہ بھتیجا و خواہر زادہ ہے بھانجا (ہ، د)

فصل سی و نہم

(۱۵۴) بیدار بداں کہ جاگتا ہے ہم خفتہ بداں کہ سو(و)تا ہے

(۱۵۵) کیوان زحل سنیسر آمد آدیت بپارسی خور آمد

(۱۵۵ب) (مہ سوم شداست اے دلارام بشنوز من ایں سخن بیارام)[1]

(۱۵۶) مریخ بہندوی است منگل رائی بہ زبان پارس خرد ل

(۱۵۷) سُکر (بہند) زہرہ را نام غنیا گر آسماں دلارام

فصل چہلم

(۱۵۸) برجیس چو مشتری برسپت قاضی سپہر در سعادت

(۱۵۹) بدھ است عطارد ار بخوانی او را تو دبیر چرخ دانی

---

(۱۵۴) سوونا ہے (ب) ا، ج، ہ، د، متفق۔

(۱۵۵) کیوان و سنیچر۔ بپارسی خور (ب)، کیوان زحل سنیچر عادی بپارسی خور (ج) کیوان و سنیچھر (د) آدیت بپارسی خور آمد (ہ، د)، آدیت پارسی ہم خور (ا) ۔

(۱۵۶) است منگل۔ فارسی (ب)، بھندوی است بدائی بزبان پارسی (ج) بہندوی ہست ۔۔ بہ زبان پارسی (ا) ۔

(۱۵۷) سکر بہندوی زہرہ را نام (ب) بہندوی زہرہ نام (ج)، شکر بہند (ہ) ۔

(۱۵۸) قاضی سپہر (ب)، برجیس بہ ۔ برھسپت قاضی سپھر (ج، ہ، د)، بھر سپت۔ باسعادت (ہ)، قاضی است سپہر (ا) ۔

(۱۵۹) است عطارد۔ چرخ خوانی (ب)، بدآں عطارد ار بدانی۔ دبیر فلک خوانی (ج)، ہ، د، متفق

---

[1] یہ شعرہ، د، سے نقل ہوا ہے۔ نسخہٗ ا میں درج نہیں۔

(۱۶۰) خواہم گفت کہوں گا ہوں خواہی گفت کہے گا توں

(۱۶۱) خواہم کرد کروں گا ہوں خواہی کرد کرے گا توں

فصل چہل ویکم

(۱۶۲) خواہم آمد ہوں آؤں گا خواہی آمد توں آوے گا

(۱۶۳) خواہم رفت جاؤں گا ہوں خواہی رفت جاوے گا توں

(۱۶۴) خواہم نشست بیٹھوں گا ہوں خواہی نشست بیٹھے گا توں

(۱۶۵) خواہم شست دھوؤں گا ہوں خواہی شست دھویگا توں

فصل چہل ودوم

(۱۶۶) خواہم زد ہوں ماروں گا خواہی زد توں مارے گا

(۱۶۷) خواہم دید ہوں دیکھوں گا خواہی دید توں دیکھے گا

(۱۶۸) خواہم داد دیوؤں گا ہوں خواہی داد دیوے گا توں

---

(۱۶۰) ا، ج، ہ، و، متفق۔

(۱۶۱) 'و' اور 'ج' میں مطابقت۔

(۱۶۲) خواہم آمد آؤں گا ہوں۔ آوے گا توں (ہ)۔

(۱۶۳) متفق۔

(۱۶۴) ا، ہ، و، متفق۔

(۱۶۵) متفق۔

(۱۶۶) ماروں گا ہوں۔ مارے گا توں (ہ)۔

(۱۶۷) دیکھوں گا ہوں۔ دیکھے گا توں (ج)، خواہی دید دیکھے گا توں۔ دیکھوں گا ہوں (و)

(۱۶۸) متفق۔

(۱۶۹) خواہم دوید دوڑوں گا ہوں　　خواہی دوید دوڑے گا توں

فصل چہل وسیوم

(۱۷۰) یار منی توں سریجن میرا　　جان منی توں جیوڑا میرا

(۱۷۱) چشم منی توں میری آنکھ　　بازو منی توں میری پانکھ

(۱۷۲) دی روز جو کال گیا ہے (گا)　　فردا روز جو کال آوے گا

(۱۷۳) اَور پریرُ جو پرسوں کہیئے　　بس فردا جو پرسوں بہیئے

فصل چہل وچہارم

(۱۷۴) بعل است شوہر منس کہیے جو یکا　　طوطی بقول ہندواں ہے پوپٹا

(۱۷۵) عقرب تازی کژدم بیچھو برج فلک　　بشمر سروش وہم فرشتہ را تو ملک

(۱۷۶) عنقاد سیمرغ آکھ پریورا　　ہم بارکشس ہم ریسمان جیوڑا

---

(۱۶۹) متفق۔

(۱۷۰) سرجن۔ دل منی توں ھیرا میرا (ج)، سرجن میرا۔ جیون میرا (د)، ا، ہ، متفق۔

(۱۷۱) انکھیاں میرا۔ جان منی توں جیوڑا میرا (ج)۔

(۱۷۲) کال گیا ہے (ا)، دیروز بداں جو کل گیا ہے۔ امروز جو آج اب بھیا ہے (د)۔

(۱۷۳) توپس فردا بداں پرسوں جہاں میں اب جو آوے گا۔ اگر پرسوں پریروز است جہاں سیں جو گیا ہیگا (ہ، د)۔

(۱۷۴) شوی شوہر منس۔ ہندی پرتیا (ج) بعل شوہر منس ہے دے جوی کار طوطی اندر قول ہندی پوپٹا
(ہ، د، متفق) بعل ست شوہر خصمش کہیے۔ طوطی بقول ہندوی کہیے (ضمیمۂ خالق باری صفحہ ۲۳)۔

(۱۷۵) بشمر سروش آواز فرشتہ ملک (ج) عقرب آمد کژدم دبرج فلک ہم سروش وہم فرشتہ داں ملک (ہ، د)،
عقرب بتازی بچھو کژدم برج فلک۔ بشمر تو سروش و فرشتہ ملک (خالق باری مطبوعہ)۔

(۱۷۶) آنکو پرپوار۔ انباز شریک۔ جوڑا (ج)، عنقا سیمرغ لک لک پرپوا (ہ)، عنقا سیمرغ داں پرپوا (د) ہم بار دبر
است میوہ میوا (ہ، د)۔

فصل چہل و پنجم

(۱۷۷) از آن او ست سو اس کا ہے — از آن تست سو تیرا ہے

(۱۷۸) ازاں ایں است سو اس کا ہے — از آں منست سو میرا ہے

(۱۷۹) از آں کہ بود سو (کسکا) ہے — ربودہ شدہ چھین لیا تھا

(۱۸۰) واپس دادہ پاچھا دیا — خود شدہ سو آپیں لیا

فصل چہل و ششم

(۱۸۱) دوست گانی وہ پیالہ دور اپنیں کا جو دیہ

منتز اپنیں کاج بھریا نیہ دھر توں جان لیہ

(۱۸۲) ریخت اندر گوش خود سیماب وہ بھرا بھیا

طیر شد میداں پریدہ رفت آپین اڑ گیا

(۱۸۳) داں نہالی بستر و بالین است بالش ہے جواں

غلط بالا لیٹ اوپر ہے . بچھانا گستراں

---

(۱۷۷) کہ اس کا ہے ۔ ازاں ایں است کہ اس کا ہے (ب) ۔

(۱۷۸) از آں من است کہ میرا ہے ۔ ازاں تست کہ تیرا ہے (ب ، ہ)، د کے مصرعوں میں تقدیم و تاخیر ہے ۔

(۱۷۹) از آں کہ بود سو اس کا تھا (ا) ۔

(۱۸۰) متفق ۔

(۱۸۱) اپنے کا جو دے ۔ اپنے جوگ ۔ کان دھر ۔ جان لے (ہ ، د) ۔

(۱۸۲) متفق ۔

(۱۸۳) بالین و بالش (ہ ، د)، ہے بچھانا تکیہ داں و ہم بچھادے گستران (ہ)، ہم بچھانا تکیہ د دیگر بچھادے گستراں (د) بچھانا (ا) ۔

(۱۸۴) زاد نوشہ ہست در گفتار ہندی سنبھلا

حلق شد نای گلو نرلی سو بست ہے گلا

فصل چہل و ہفتم

(۱۸۵) عطسہ چھینک و شاخ سینگ و کفشگر ہے کفش دوز

گاذر و خیاط (ہے) دھوبی (و) درزی سیئی دوز

(۱۸۶) داں کہ بے بخت است ابھاگا و دگر بخت (است) بھاگ

فارسی آمد سرود (و) ہند (و) ی گویند راگ

(۱۸۷) کور موش آمد چھچھوندر موش پراں گلہری

پھوک ضایع رائگان د دیو چہ ہے جوکھری

(۱۸۸) کینچوہ کرم خراطین سپکلی (ی) دان کرفش

پتین آمد پا نزار د باز نعلین است کفش

---

(۱۸۴) حلقوم شد (ا)، حلق شد (ہ)، حلق داں (د)، نای و گلو در ہندی باشد گلا (ہ، و) ۔

(۱۸۵) خیاط ہے (ہ، د) و درزی سیو دوز (ہ)، و درزی جامہ دوز (د)، نسخہ 'د' میں "سیو دوز" تھا۔ "سیو" کو کاٹ کر بعد میں کسی نے "جامہ" بنا دیا جو بالکل غلط ہے۔ صحیح "سیو" سینے کا امر ہے۔

(۱۸۶) ہم بداں تو بخت (ہ)، ہم بدانی بخت (د) ۔

(۱۸۷) پھوکٹ آمد رائگاں و مفت ینکو بنگری (ہ)، نسخہ 'د' میں ندارد۔

(۱۸۸) کھوہ ہے کرم سپکلی آمد (ہ)، سپکلی باشد (د)، پاپوش پائے را گویند نعلین است و کفش (ہ)، پاے پوش و پائے زیر و باز (د) ۔

فصل چہل و ہشتم

(۱۸۹) تختہ باشد پارسی (د) لوح در تازی زبان
ہندوی گویند پاٹی نام تختی جا و داں

(۱۹۰) مکتب و دیگر دبستان (است) در ہر دولسان
ٹھانو پڑھنے کی کہے نیسال در ہندی زبان

(۱۹۱) فارسی رو وجہ تازی چہر (ہ) دان
ہونہٹ در ہندی شفت لب ہی پچھان

(۱۹۲) انگلی انگشت و ناخن نکھ بدان
لیک فیروزی ظفر را جیت خوان

فصل چہل و نہم

(۱۹۳) بوزہ بگنی گوز پاد آروغ ڈکار ینگ بھنگ دست ماتا کام کار

---

(۱۸۹) تختی باشد لوح در تازی زبان ہندوی گویند پٹی جا و داں (ب)، تختہ بپارسی لوح ۔ہندوی زبان پاٹی اور اتو خوش بخواں (ج) تختہ باشد لوح در (ا، د) پاٹی جاوداں (ا، و)۔

(۱۹۰) دبیرستان ۔زبان ۔پڑھنے کا کہے پو سال (ب)،
دبستان ہم بداں مقام پڑھنےکی کہے ہندوی زبان (ا)
مدرسہ مکتب دبستان ہم بداں ٹھانو پڑھنے کا دنیسال اے جواں (د)

(۱۹۱) چہرہ (ب) فارسی روی ۔وجہ در تازی چہر دان (ا)، پچھان (ب)، فارسی رو وجہ تازی چہرہ جان ہونٹھ در ہندی شفت لب ہے پچھان (ا)۔

(۱۹۲) انگشت ناخن (ا)، ناخن ۔ہم بدں ۔نکھ فیروزی (د)۔

(۱۹۳) مست ماناد کلانہ کار (ا)، بنگ بھنگ مست و ماتا کام کار (ا)، شیریں میٹھا مست مایا کام کار (د)۔

(۱۹۴) پشتواره هست بھارا جبلہ سارا آدھ نیم ‏ ‏ ‏ صاف آچھا تیره گدلا (پیپ) ریم

(۱۹۵) نیم شب آدھی رات دوپہر میانہ روز ‏ ‏ ‏ مطہره ابریق و مجمر عود سوز

(۱۹۶) سیرا گھانا کور کانا بھید راز ‏ ‏ ‏ گرسنہ بھوکھا پیاسا تشنہ باز

فصل پنجاہم

(۱۹۷) اندھ نابینا و بینا دیکھتا ‏ ‏ ‏ کوبڑہ آہے کوژ غلطاں ڈھلکتا

(۱۹۸) میل در ہندی سلائی سرمہ جوی ‏ ‏ ‏ صولجان چوگان و فندق گیند گوی

(۱۹۹) دان پیاز آمد بصل بر دو زبان ‏ ‏ ‏ گفتہ بادنجان بیگن ہندوان

(۲۰۰) فازه جنبھائی و ہچکی دان ہکک ‏ ‏ ‏ ہے تنہ (جالا دمکڑی جولہک)

فصل پنجاه ویکم

(۲۰۱) دان سوور چھیلی تو خوک (و) گوسپند ‏ ‏ ‏ بھیڑ میش و بُز بود آپار گنہ

---

(۱۹۴) بستہ بھارا (ه)، پشتہ بھارا (و)، صاف اچھا (ه، و)، پیپ ریم (ﻫ، د)، پیہ ریم (ل)۔

(۱۹۵) ہم بدان دوپہر باشد نیم روز (ﻫ، د) بضرورت وزن "ل" میں "آدمی" کو "ادھ" پڑھنا ہوگا۔

(۱۹۶) گرسنہ بھوکا (ﻫ، د)۔

(۱۹۷) کوبرا ہے (ﻫ)، کوپرا ہے (و)، غلطاں ئیتا (ه، د)، کوژ پشت (ل)، قبر باشد گور غلطاں ئیٹتا (خالق باری مطبوعہ)۔

(۱۹۸) فندق ہست گوی (د)۔

(۱۹۹) کاندہ باد انجا (ن) بیگن ہم بدان (د)، ہست بادنجان و ہم بیگن بدان (ه)۔

(۲۰۰) ہے تنۂ شہ چال کمے ہم لیکہ (و)، ہے تنہ جالا دمکری جولہک (ﻫ، و، ضمیمہ خالق باری) جنبائی (ه)۔

(۲۰۱) بکری وسوہر چو (ه)، شوربکری چو (د)، بھیڑ میش آمد دگر ہم قید بند (ﻫ، د)۔

(۲۰۲) چہار پای کھت (د) پس کش آ دواں — بان راہم گفتہ اند چوں ریسماں

(۲۰۳) بانہہ بازد جبہ پیشانی کپال — کاکھ بغل و داو دشنام است گال

(۲۰۴) خندہ ہنسان جان تھوک آمد خوی — پارسی خوی است پسیناں ہندوی

فصل پنجاہ و دوم

(۲۰۵) چیچری میدان کنہ د گوش خزک — کنگورہ دان مسوی نیست شک

(۲۰۶) ناد دان موری و دیوار است د دال — گواہ شاہد ساکھیا د کلہ گال

(۲۰۷) دولت آہے آتھ نابود ن اناتھ — صحبتی ساتھی و صحبت ہست ساتھ

(۲۰۸) فارسی ارزیز ہندوی ہی کھیتر — بگل آمد لگ لگان بشگافت چیر

فصل پنجاہ و سیوم

(۲۰۹) کام تالو ناف دونتی نام نانو — ساغر و جام است پیالہ جای تھانو

(۲۱۰) دولہ ہے ڈولی کہارش دولہ کش — پالکی معروف چھتری سایہ کش

---

(۲۰۲) چارپائی کھاٹ و (د)، بان راہم گفتہ فارسی ریسمان (ہ ، د) ۔

(۲۰۳) ہم بغل کاکھ است و دشنام است گال (ہ ، د) ۔

(۲۰۴) مسخری و خندہ ہانسی رابدان ۔ ہم عرق ہم خوی را پرسیو خوان (د ، ہ)، پرسینہ (ہ) ۔

(۲۰۵) کنسلائی ہے یقیں میدان نہ شک (ہ ، د) ۔

(۲۰۶) ہے گواہ شاہد چو ساکھی (د) چو ساکھو د (ہ) ۔

(۲۰۷) دولت آمد آتھ (ہ) ۔

(۲۰۸) مصرع دوم : فارسی ارزیز و ہندی جان رانگ ۔ ہم بہل چھوڑ آمدہ آدیز تانگ (ہ) بشگافت (ا) ۔

(۲۰۹) اسم نام جائے مقام (ہ)، اسم نانو ۔ جام و ساغر ہے پیالہ (د) ۔

(۲۱۰) کہار ہے ۔ پالکی (ہ)، چو دولہ ہے ڈولی کہار است ۔ معروف و (د) ۔

(۲۱۱) موز کیلا انبہ نغزک (دارم رمّان) انار　　جوز مغز است کھوپرا (دنکیہ) در ہندی ادھار (ق۔۱۰)

(۲۱۲) دادنی دینا دیا دادہ است یار　　قرض دین و دام در ہندی اُدھار

فصل پنجاہ و چہارم

(۲۱۳) ساگ سبزی سرخ رتّا لعل لال　　سبز ہر یاداشت دھریا دام جال

(۲۱۴) فجر (صبح و ظہر) پیشیں عصر دیگر شام سانجھ　　داں زن زایندہ جنتی ہے ستر دن بانجھ

(۲۱۵) کھنی وآرنج (ہے) آوند بھانڈا است سانچ　　من بگفتم میں کیا ہے عہد پیمان بول باچ

(۲۱۶) آمد آیا است ڈھیلا (اور) اور تو ناہے سبل　　مشت مکی وطپانچہ ہے تماچا خیل دل

فصل پنجاہ و پنجم

(۲۱۷) حَبّ رتی ماہہ ماشہ سرب شیشا ہے بچار
پھوکنی دم گیر آہے جمر انگشت است انگار

---

(۲۱۱) دارم درمّان انار (د)، جوز مغزک کھوپرا دنکیہ در ہندی آدھار (ہ، و)، نغزک در رمّانست (ہ)، داں کہ رمّانست ۔ نسیہ (ا)۔

(۲۱۲) دادنی دینا جملہ دادہ است دیا چار بار (ا)، دادن دینا داد دیا فعل کار ۔ قرض و دام و (خالق باری مطبوعہ) کرد کیا داد دیا فعل کار (د)۔

(۲۱۳) ساگ سبزی سیر لہسن سرخ رانا لعل لال ۔ سبز ہر یاداشت دھریا ماند رہیا دام جال (ہ، د)، ساگ سبزی بھج شادی سرخ سوہا (خالق باری مطبوعہ) سرخ راتا (ہ)۔

(۲۱۴) فجر گہہ ظہر است و (ا)، داں کہ زایندہ است جنتی ہے عقیمہ جان (ہ)، جنتی ہے ستر دن جوی بانجھ (د)، جنتی ستر دن ہے (ا)۔

(۲۱۵) پینکہ کھنی وارنج آوند (ا)۔

(۲۱۶) دھیلا تونا ہے (ا)، دھیلا قلب کھوٹا تونرا ۔ طمانچہ بہ بھلا (ہ)، قلب کھوٹو ۔ طمانچہ ہے تھپیر (د)۔

(۲۱۷) رتی و ماہہ (ا)، سرب شیشا کن شمار (ہ، د)، داں وجمرہ و اخگر (ہ، د)۔

(۲۱۸) در شگفتم ہون اچنبا نا شکیبا نا صبور

دان شتاب ادتا ولا آہستہ دھیر ابعد دور

(۲۱۹) ژندہ کھندری صوف پشم (د) دلق جامہ بے بہا

پرنیاں جامہ منقش، ہمچو دیبائے خطا

(۲۲۰) خوشہ ہے جھونر ادخشخش کو کنار

روشنائی جوت (تیرہ ہے اندھار)

فصل پنجاہ و ششم

(۲۲۱) دست رنجن کہیے کنگن پائل ہی خلخال

پای رنجن پگ کا چوڑا پنگان آہے تھال

(۲۲۲) کرتہ د پیراہن پیہرن تکہ بند ازار

طوق ہانس طاقیہ پاگ دستار

---

(۲۱۸) من شگفتم (ہ، د) در شگفتہ ہوں۔ جلد شتاب ادتا ولا آہستہ دیر است پور (ضمیمۂ خالق باری)۔

(۲۱۹) صوف پشم و۔ ہمچو دیبائے خطا (ہ، د)۔

(۲۲۰) روشنائی جوت آہے پترلوں (ا)، خوشہ دندان دان (ہ)، خوشہ دو پا دان (د)، چھیرا ہے کنار (ہ، د)۔

(۲۲۱) دست رنجن ہست کنگن ہم سپر را دان تو دھال

پائے رنجن ہست پائل طشت را میداں تو تھال (ھ)، (د، مثل ھ،

لیکن 'دست برنجن' اور 'پا برنجن'؛ دست برنجن سپائے برنجن چوڑا کہیے خوبی حسن و جمال (خالق باری مطبوعہ)۔

(۲۲۲) کرتہ پیراہن جو کہیے تکہ ناڑا بند ازار طوق ہانس ڈگ چو دستار و کلہ ٹوپی بدار (د، ۷)، بڈار (د)۔

(۲۲۳) دانگ فلوس جو آہے پیکا جیتل دمڑا جان
دام دا خچہ کیسہ کھیسا جان میکش تھان

(۲۲۴) روغن گر سو تیلی کہیے آہنگر لوہار
بڑھئی دان کہ درودگر نعلین دوز چمار

فصل پنجاہ و ہفتم

(۲۲۵) باخہ سنگ پشت آہے کچھوا چھائی کلفہ دان
آرد آٹا آزخ مسا خال سو تل پہچان

(۲۲۶) باز کمہار کلال کہیے آہے خمّار کلال
پتّا زہرہ قدر اندازہ دلّالت دلال

(۲۲۷) خواندن پڑھنان بشنو توں سن دشوار دُہیلا
یاد گرفتم میں سنوریا آسانست سُہیلا

---

(۲۲۳) ہم فلوس آمد چو پیکا چوں درم جیتل بخواں ہست روپیہ روپتہ اشرفی را مہر دان (د، ہ)، دان فلوس آمد سو پیسا (ہ) خواہی پیکا چیتل دمڑی جان دام پھانسا کبہ باج ہے دھان (ضمیمہ)

(۲۲۴) ہست روغن گر سو تیلی ہست آہنگر لوہار - دان کہ نجّار است بڑہی چرم گر آمد چمار (ہ، د) تیلی باز آہنگر (د) روغن گر سو تیلی آہنگر ہے لوھار - برای درودگر نعل دوز چمار (ضمیمہ) -

(۲۲۵) باخہ و - کلفہ ندان - پچھان (د)، سنگ پشت و باخہ کچھوہ ہست جھائیں کلفہ دان - آزحرص و زخ مساؤ خال را ہم تل بخواں (د، ہ)، باخہ سنگ پشت کچھوا جانیئے کوس و مامہ خال تل پہچانیئے (ضمیمہ) -

(۲۲۶) باز خمار است کلال و ہم کمہار آمد کلال ہست زہرہ قدر اندازہ دلالست دلال (د، ہ) -

(۲۲۷) خواندن (ست) پھرناں شنو سن دان کہ دو مولیست کہل (ہ)، باز گفتم پھر کہاں میں دان آسانست سہل (د، ہ) -

(۲۲۸) کرا طرؤش جو بہرا کہیے کر ہم خارشس کھاج
ڈلل اونبی پھونک کہیجے غلہ سو آہے اناج

(۲۲۹) کزلک سکیں کارد کہی سودھی چھری پہچان
ساطور اندر ہند زبانست تیڑی چھری جان

فصل پنجاہ و ہشتم

(۲۳۰) کوچہ و کو ہے گلی بازار ہاٹ   خلق آمد لوگ بگر پیاست نانٹہ

(۲۳۱) پھول گل ہی خار کا نٹا گود کنار   نردبان سیڑی ویر شو ہو سوار

(۲۳۲) جان خرما ہندوی را آنبلی   مغز آہے گود گلیم است کاملی

(۲۳۳) بتکدہ بتخانہ و دیگر کنشت   دیہرہ میدان و لکھیا ہے بہشت

(۲۳۴) خالق باری بہی تمام   دو ہوں جگ رہیا خسرو نام

وقتی چاشت تمت تمام شد کار من نظام شد ۵۵

---

(۲۲۸) گرچہ اطرؤش است بہرا نیز خارش ہست کھاج۔ ہست ڈلل پھونک لچھیں ہاں و غلّہ دان اناج (د، ۸)، غلہ ہے اناج (۵)۔

(۲۲۹) کزلک دسکیں بداں سیدھی چھری۔ ہم بدان ساطور را تیدھی چھری (د، ۸)۔

(۲۳۰) کوچہ شد نام گلی۔ دوکان ہاتھ۔ خلق لوگ و سنگ میزان است باتھ (۵، د)، ہاٹ۔ باٹ (د)۔

(۲۳۱) پھول را گل دان و کانٹا ہست خار۔ نردبان سیری و سولی ہست دار (۸) کانٹا او کنار
ضمیمہ، دشل ۵۔

(۲۳۲) ہندوی ہے انبلی۔ مغز گودا ہے گلیم است کنبلی (۵)، دان صمغ گوند (ضمیمہ)، مغز گود ہے (د)۔

(۲۳۳) میدان و جنت ہے بہشت (۸)، رسور مرداں و لکیا ہے امن ست (ضمیمہ)۔

(۲۳۴) عاقبت انجام و آخر جیبہ دلوا[1] انصرام۔ کرد این حفظ اللسان را خسرو آخر والسلام (۸)۔

---

[1] "دلورا" در منقول عنہ۔

حصّہ دوم

عروض

رباعی کے اوزان یاد رکھنے کا ایک آسان طریقہ

(از اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۴۰ء و مئی ۱۹۴۰ء)

رباعی یا ترانہ ایرانیوں کی ایجاد ہے۔ بقول دولت شاہ تیسری صدی ہجری کے وسط میں بہ عہد یعقوب صفّار اور بقول شمس الدین محمد بن قیس اس صدی کے اواخر میں رباعی ایجاد ہوئی۔ دونوں روایتوں میں یہ امر مشترک ہے کہ ایک لڑکے کے منہ سے جوز بازی کے وقت یہ موزوں فقرہ اتفاقیہ ادا ہوا:

"غلتاں غلتاں ہمی رود تالب گو"

دولت شاہ کی روایت سے یہ فقرہ خود یعقوب صفّار کے فرزند کے منہ سے نکلا تھا اور یعقوب کو پسند آیا۔ اس پر اس کے دربار کے شعرا، ابودلف اور ابن الکعب نے تین مصرعے اور لگا کر رباعی کر دیا اور دوبیتی نام رکھا۔

محمد بن قیس، جو دولت شاہ سے اقدم ہیں، لکھتے ہیں کہ متقدمین شعرائے عجم میں ایک شاعر نے (میرا خیال ہے وہ رودکی تھا) اخرم اور اخرب کے اجتماع سے نیا وزن نکالا، جس کو وزن رباعی کہا جاتا ہے۔ یہ ایسا مقبول وزن ہے کہ طبائع سلیم اکثر اس کی شائق ہیں۔ اس کے استخراج کا باعث یہ کہا جاتا ہے کہ عید کے روز غزنی کی تفرّج گاہ میں وہ گشت کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک طرف کچھ لڑکے کھیل میں مشغول ہیں اور ان کے گرد تماشائیوں کا ہجوم ہے۔ شاعر بھی وہاں جا کر کھڑا ہو گیا۔ ان میں ایک لڑکا جس کی عمر دس پندرہ سال سے زیادہ نہ ہوگی، اخروٹوں سے کھیل رہا تھا۔ اسی اثنا میں ایک اخروٹ گچّی

سے باہر گرا اور پھر رجعت کرتا ہوا گَھی میں جا گرا۔ لڑکا حسین و جمیل ہونے کے علاوہ طبیعت میں موزونیت بھی رکھتا تھا اور اپنی مقفیٰ اور مسجع گفتگو سے حاضرین کو محظوظ کر رہا تھا۔ اخروٹ کو گَھی کی طرف رواں دیکھ کر بولا :

غلطاں غلطاں ہمی رود تا بن گو

اس کلمے سے شاعر نے ایک مقبول وزن معلوم کر لیا اور عروضی اصول اس پر استعمال کر کے ترانہ نام رکھا اور بحرِ ہزج کی فروع میں شامل کر لیا۔ (المعجم، صفحہ ۸۸، ۸۹)

لیکن میں ان روایتوں کا معتقد نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نظم کی وہ صنف خاص، جس کو ہم رباعی کہنے کے عادی ہیں، شخصی ایجاد نہیں ہے بلکہ قدرتی نتیجہ ہے چہار بیتی کا۔ عہدِ قدیم میں ایران میں ایک خاص قسم کی نظم، جس کو چہار بیتی کہا جاتا تھا، رائج تھی۔ اس کے اوزان عربی اوزان سے غالباً مستخرج نہیں ہیں بلکہ مقامی ہیں۔ قدما ہزج کے مربعات میں ان کا شمار کرتے تھے، اور صدر و ابتدا میں "اخرب" یعنی مفعول "اور کف" یعنی مفاعیل کا اختلاف روا رکھتے تھے اور یہ شعر بہ تقلید عرب معقد بھی ہوتے تھے یعنی مصرعِ اوّل کا ایک یا زیادہ حرف بہ ضرورت وزن شامل مصرعِ دوم ہوا کرتا تھا مثلاً بیت :

یک بارہ چنین جاہ+ل و آوارہ مباش

اس شعر میں 'جاہل' کا لام تقطیع کے وقت شامل مصرعِ دوم ہے۔ مثال دیگر بیت :

دانی کہ دل از تو نہ + شود سیر مرا

اس شعر میں 'نشود' کا 'ن' مصرعِ اوّل میں داخل ہے۔ اسی طرح یہ شعر ہے۔ بیت :

شتاب بر فتن ص+نما لختی باش

اس شعر میں 'صنما' کا 'صاد' مصرعِ اوّل میں شامل ہے۔

اشعارِ معقد کی یہ مثالیں میں نے معیار الاشعار محقق طوسی سے نقل کی ہیں۔ عربی میں اشعار معقد بکثرت موجود ہیں۔ فارسی میں ایسے اشعار قدما میں رائج تھے۔ متاخرین نے ان کو ترک کر دیا ہے۔ مندرجہ بالا مثالیں اوزان رباعی سے تعلق رکھتی ہیں۔ فی زمانہ ان کو ایک ایک مصرع کہا جائے گا اور داخل مثمنات شمار ہوں گے مگر قدما کے نزدیک داخل مربعات تھے، لہٰذا ہر مثال ایک ایک شعر ہے۔ قدما میں جب ہزج اخرب

یا اخر م میں ایسے چار شعر معقد یا غیر معقد جمع ہو گئے اور ہر شعر کے آخر میں قافیہ پایا گیا اس کا نام چار بیتی ہو گیا۔

یہاں بطور جملہ معترضہ ایک اور امر کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ عربی اور فارسی زبانوں میں ایک اہم مابہ الامتیاز یہ فرق ہے کہ عربی الفاظ میں توالی حرکات بکثرت ہیں۔ برخلاف اس کے فارسی میں سکنات موجود ہیں مثلاً گرشاسپ، ارجاسپ، پارس، خواست وغیرہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ عربی اشعار بہ وجہ کثرت حرکات عام طور پر مربع و مسدّس اوزان کے پابند ہیں۔ فارسی اشعار اکثر اوقات مثمن ہوتے ہیں اور یہی امتیازی اصول ہے جس کے اتباع نے بالاخر عربی و فارسی عروض میں اساسی تفریق پیدا کر دی ہے ورنہ عروض وہی ہے۔ دائرہ مجتلبہ کی بحریں عربی میں مسدس الارکان ہیں، فارسی میں مثمن شمار ہوتی ہیں۔ اسی طرح دائرہ مشتبہ کی بحریں جو عربی میں مسدس و مربع آتی ہیں، فارسی میں مثمن آتی ہیں۔ مگر فارسی شاعری میں یہ انقلاب کس وقت کار فرما ہوا، ہم کو اس کا کوئی علم نہیں۔ ظاہر ہے کہ سامانی عہد کے شعراء زیادہ تر مثمنات میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ مثلاً رودکی کا کلام اکثر مروّجہ مثمنات پر حاوی ہے۔ لیکن ایک زمانہ تھا جب ایرانی، بہ تتبع عرب، اپنے اشعار مربعات و مسدّسات میں زیادہ تر لکھتے تھے لیکن آج یہ ذخیرہ بالکل متروک و معدوم ہے۔ بہر حال مثمنات کی دریافت، میں سمجھتا ہوں تدریجی اور ارتقائی ہے۔

بالآخر ایک وقت آیا جب اصول مثمنات کے عمل نے ترانہ کو بجائے چار بیت کے دو بیتوں میں منتقل کر دیا، جو اس طرح ہوا کہ اشعار معقد کا رواج اڑا دیا گیا اور قدیم مربع شعر ایک مصرع مثمن قرار پایا یعنے اوپر کی مثال میں بیت:

یک بارہ چنین جاہل و خونخوارہ مباش

قدما کے ہاں ایک شعر تھا۔ متاخرین نے اس کو ایک مصرع قرار دیا اور یوں لکھا۔ ع:

یک بارہ چنین جاہل و خونخوارہ مباش

اس تبدیلی کا ایک اثر یہ ہوا کہ جہاں بہ صورت چہار بیتی ہر شعر کے آخر میں قافیہ لایا جاتا تھا اور چار قافیوں کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ اب بہ صورت دو بیتی تیسرے مصرع میں قافیے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی چنانچہ مصرع سوم کو خصی کیا گیا۔ چار بیتی کے متعلق میرے یہ بیانات محقق طوسی کے بیانات پر مبنی ہیں۔ محقق کی اصل

عبارت یہ ہے :

"و آنچہ ازیں وزنہا مانند یک مصراع مثمن است متاخران استعمال کمتر کنند و قدما بران شعر بسیار گفتہ اند و ایشاں ہر مصراعی را قافیہ می آوردہ اند و آن را بیتی می شمردہ مانند رجز مشطور یا بیتہای مقفد از اشعار تازیان کہ آن را منتصفی معین نباشد و بدین سبب ترانہ را قدما چہار بیت می گرفتہ اند و آن را چہار بیتی خواندہ اند و بتازی رباعی و در ہر چہار قافیہ آوردن لازم می شمردہ اند - امّا بہ نزدیک متاخّران چوں مربعات ایں اوزان مستعمل نیست ایں اوزان متروک است و ہر بیتی را ازین ابیات مصراعی می شمرند و رباعی را دو بیتی می خوانند و مصراع سوم را خصّی خوانند و قافیہ شرط نمی نہند ۔"

(صفحہ ۲۸، معیار الاشعار د میزان الافکار، سنہ ۱۲۶۴ھ، مطبع علوی)

اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے :

[مربّعات کے] ان اوزان میں سے ایسے وزن، جو ایک مصرع مثمن کے مانند ہیں، متاخرین میں غیر مستعمل ہیں - قدما نے ان اوزان میں کثرت سے اشعار لکھے ہیں - وہ ہر مصرع یعنی شعر مربع کے آخر میں قافیہ لائے ہیں اور اس کو ایک بیت شمار کرتے ہیں، رجز مشطور یا عربوں کے مقفد اشعار کی طرح، جن کا نصف معیّن نہیں ہوتا۔ اسی لئے قدما ترانے کو چار بیت مانتے تھے اور اس کو چار بیتی کے نام سے یاد کرتے تھے اور عربی میں رباعی کہتے اور چاروں شعروں میں قافیہ لانا ضروری سمجھتے تھے - لیکن متاخرین میں چونکہ ان کے مربع اوزان استعمال میں نہیں آرہے یہ اوزان متروک ہو چکے ہیں، وہ اب ان اشعار کے ہر بیت ایک مصرع مانتے ہیں اور رباعی کو دو بیتی کہتے ہیں اور تیسرے مصرع کو خصی رکھتے ہیں اور اس میں قافیے کی شرط ضروری نہیں سمجھتے -

قدیم چہار بیتی کے نمونے ہم تک نہیں پہنچے - سب سے قدیم نمونہ مجھ کو ابوشکور کے ہاں ملتا ہے، جس کا آفرین نامہ، شاہنامے کے وزن میں ایک مثنوی، بقول عوفی، سنہ ۳۳۶ھ[1] میں ختم ہوئی تھی - ابوشکور

---

[1] مگر لغت فرس میں سنہ ۳۳۳ھ دیا گیا ہے - دیکھو لفظ 'نیال' :

چنین داستان کس نگفت از نیال ابر سی صد و سی و سہ بود سال صفحہ ۹، (حاشیہ مصنف)

کی رباعی کی موجودہ شکل یہ ہے :

رباعی

ای گشتہ من از غم فراوان تو پست
شد قامت من ز درد ہجران تو شست
ای شستہ من از فریب دستان تو دست
خود ہیچ کسی بسیرت دستان تو ہست

لیکن اگر چہار بیتی کی شکل میں لکھی جائے تو اس کی صورت حسب ذیل ہوگی :

چہار بیتی

ای گشتہ من از غم	فراوان تو پست
شد قامت من ز در	د ہجران تو شست
ای شستہ من از فری	ب دستان تو دست
خود ہیچ کسی بہ سی	رت دستان تو ہست

اب یہ چہار بیتی کی بہت اچھی مثال ہے۔ اس کے چاروں شعروں میں قافیہ ہے۔ اگر دوبیتی ہوتی مصرع سوم خصّی ہوتا نہ مصرع۔ متقدمین میں جس طرح رودکی اور شہید غزل کے لئے مشہور ہیں۔ اسی طرح ابوطلب ترانے کے لئے مشہور ہے۔ فرخی۔ بیت :

از دلارامی و نغزی چون غزلہای شہید
وز دلاویزی و خوبی چوں ترانہ بوطلب

عنصری کے عہد تک چہار بیتی کا رواج رہا ہے۔ بعد میں دوبیتی زیادہ رائج ہوئی۔ ڈاکٹر محمد اقبال کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر خیام کے زمانے تک دوبیتی کو زیادہ فروغ رہا ہے۔

"تنقید شعر العجم کی پہلی قسط میں، جو اکتوبر سنہ ۱۹۲۲ء کے رسالۂ اردو، اورنگ آباد میں شائع ہوئی تھی، میں نے رباعی کے سلسلے میں تقریباً یہی بیان دیا تھا، جو اوپر درج ہوا۔ لیکن ہمارے ملک کے فاضل بزرگ

علامہ سیّد سلیمان ندوی نے اپنی قابلِ قدر تصنیف خیّام میں، جو سنہ ۱۹۳۲ء میں طبع ہوئی ہے ان میں سے اکثر بیانات کی تردید کی ہے۔ مثلاً میں نے معیار الاشعار کو خواجہ نصیر الدین طوسی کی تصنیف بیان کیا تھا۔ سیّد صاحب نے اس سے انکار کر دیا۔ میں نے لکھا تھا کہ رباعی ایرانی الاصل ہے یعنے اس کے اوزان ایران زا اور مقامی ہیں۔ سیّد صاحب مدعی ہیں کہ رباعی کہنے والے "قدماءِ عرب کے شاعر تھے"۔ میرا بیان تھا کہ رباعی ابتدائی مدارج میں چار بیتی کی شکل میں لکھی جاتی تھی، جس کے چاروں شعر ہم قافیہ ہوتے تھے۔ سیّد صاحب اس کو ایک بے سند دعویٰ بیان کرتے ہیں۔ میں نے کہا تھا سب سے قدیم رباعی اس وقت ابو شکور بلخی کی ملتی ہے۔ سیّد صاحب کا ارشاد ہے کہ ایسی قدیم رباعیاں دس بارہ سے زیادہ ہیں۔ میں نے فرخی کا ایک شعر اس کے دیوان سے ابوطلب ترانہ گو سے متعلق نقل کیا تھا۔ سیّد صاحب نے بدانست خود اس کی تصحیح کر کے اس کے وزن کو بدل دیا۔ اس کے علاوہ سیّد صاحب بعض جدید امور یا نئی تحقیقات بروئے کار لائے ہیں۔ ایک یہ کہ قدما قول، غزل اور رباعی میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ بالفاظ دیگر قول و غزل کی اصطلاح کا اطلاق رباعی پر کیا کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ابودُلف عجلی اور ابوطلب ترانہ گو ایک ہی شخص ہیں۔ اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ فارسی میں بھی اشعار معقد لکھے جاتے تھے۔ قدیم رباعی گویوں میں شیخ بایزید بسطامی، ابونصر فارابی اور بوعلی سینا کا نام لیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

بیشتر اس کے کہ میں اپنے مضمون میں آگے بڑھوں میرے لئے ضروری ہے کہ سیّد صاحب کے اعتراضات کا جواب دوں اور ان کے بیانات کو، جو کئی امور میں ہماری فنی روایات سے منحرف ہیں، نقد و نظر کی کسوٹی پر جانچ لوں۔ سب سے پہلے میں ان کے اعتراضات کو لیتا ہوں۔

معیار الاشعار خواجہ نصیر الدین طوسی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"تنقید شعر العجم کے فاضل مؤلف پروفیسر شیرانی نے اپنے مضمون کے پہلے نمبر میں اس کو کسی تذبذب کے بغیر محقق طوسی کی تالیف بتایا ہے۔ معلوم نہیں ان کے سامنے اس کی کیا سند ہے۔ دراں حالیکہ مشرق و مغرب کے فضلاء اس نسبت کے قبول کرنے میں تردد کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ عبدالوہاب قزوینی (کذا) نے معجم کے دیباچے میں (ھ) تصریح کی ہے کہ کتاب مرغوب معیار الاشعار است در علم عروض و قوافی کہ در سنہ ۶۴۹ تالیف شدہ مصنف آں معلوم نیست ...... (ی) (مفتی سعد اللہ مراد آبادی شارح المتوفی سنہ ۱۲۹۴ھ)

تالیف این کتاب را بہ خواجہ نصیر الدین طوسی معروف متوفی سنہ ۶۷۲ھ نسبت دادہ است ولی معلوم نیست از روی چہ ماخذی۔"

ڈاکٹر ریو نے برٹش میوزیم لائبریری کی فارسی کتابوں کی فہرست (۵۲۵ صفحہ) میں بعینہ یہی لکھا ہے اور بتایا ہے کہ محقق طوسی کی تصانیف کی فہرست میں یہ نام نہیں۔"

(خیام، حاشیہ صفحہ ۲۲۱)

میں عرض کرتا ہوں کہ ریو فہرست نگار مخطوطات فارسی برٹش میوزیم اور اس کے مقلد مرزا محمد بن عبدالوہاب کے دو نام گنا کر سید صاحب نے حکم لگا دیا کہ فضلائے مشرق و مغرب اس نسبت کے قبول کرنے میں تردد کرتے ہیں۔ گویا ان دو ناموں پر مشرق و مغرب کے فضلا کی فہرست ختم ہو گئی۔ سید صاحب سمجھ رہے ہیں کہ صرف مفتی سعد اللہ کی یہ رائے ہے۔ مگر اس بارے میں ان کو سخت سہو ہوا ہے۔ ہندوستان کے اکثر و بیشتر عروضی یہ رائے رکھتے ہیں کہ معیار الاشعار خواجہ نصیر الدین طوسی کی تصنیف ہے۔ مثلاً کچھ نام عرض ہیں:

(۱) منشی مظفر علی خاں اسیر، جو "زر کامل عیار" ترجمۂ معیار الاشعار (طبع اوّل، سنہ ۱۲۸۹ھ، نولکشور) کے مالک ہیں، اپنے ترجمے کے پہلے صفحے پر لکھتے ہیں:

"صحیفۂ رشیقہ اعنی کتاب معیار الاشعار تصنیف عالم کامل فخر اماجد و اماثل رئیس الحکماء استاد الکملائ محقق طوسی علیہ الرحمۃ" الخ۔

(۲) مرزا محمد جعفر اوج، اردو میں "مقیاس الاشعار" کے مصنف ہیں۔ اس تالیف میں صفحہ ۴۵ پر یہ عبارت درج ہے:

"محقق علیہ الرحمۃ نے معیار الاشعار میں چونتیس زحاف لکھے ہیں۔"

اور صفحہ ۱۹۰ پر یہ عبارت ملتی ہے:

"من خواجہ نصیر الدین طوسی علیہ الرحمۃ مفاعلتن مفاعلتن دو بار:

بدی چکنی بجای کسی | کہ از نکند بجای تو بد"

ہم سید صاحب کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ شعر "معیار الاشعار" میں بذیل بحر وافر، صفحہ ۴۲ پر موجود

ہے اور "زر کامل عیار" میں صفحہ ۱۲۹ پر (نولکشور، سنہ ۱۹۰۲ء) -

(۳) غلام حسنین قدر بلگرامی کی "قواعد العروض" میں تو کثرت کے ساتھ معیار اور محقق کا ذکر بار بار آرہا ہے۔ معیار کی اکثر و بیشتر امثال اس تصنیف میں موجود ہیں۔ میں صرف چند صفحوں کے حوالے دیتا ہوں:

۱۴۳، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۸، ۱۶۹ -

(۴) واجد علی شاہ بادشاہ لکھنؤ "ارشاد خاقانی" ("حکم اختر") تالیف سنہ ۱۲۶۹ھ میں صفحہ ۱۰۰ پر رقم طراز ہیں:

"اور خواجہ نصیر الدین طوسی رحمتہ اللہ علیہ نے معیار الاشعار میں کہا ہے -"

(۵) "روضات الجنات" (طبع ایران، سنہ ۱۳۰۶ھ) جو، جو محمد باقر خوانساری نے سنہ ۱۲۸۷ھ میں تالیف کی ہے، صفحہ ۶۰۶ پر محقق طوسی کی تصنیفات کے ذکر میں معیار کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔

ممکن ہے کہ سید صاحب کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ یہ مصنفین تو مفتی سعد اللہ کے مقلد اور متبع ہیں۔ ان کی سند چنداں مضبوط نہیں مانی جاسکتی۔ اس لئے ہم بطور دفع دخل مقدر اپنی تحقیقات کو مفتی صاحب سے سابق تر زمانوں میں لے جاتے ہیں -

(۶) شمس الدین فقیر بارھویں صدی ہجری کے ایک عمدہ شاعر اور مشہور مصنف ہیں ان کی تالیف "حدائق البلاغت" ہمیشہ درس میں شامل رہی ہے اور آج بھی شامل ہے۔ موصوف اپنے حدیقتہ الرابعہ کے شعبہ اول میں دربیان حروف قافیہ، ردف زائد کی تشریح کے موقع پر لکھتے ہیں:

"بعضی حرف بعد از ردف را داخل ردف شمردہ اند و آن را ردف زائد نام کردہ و خواجہ نصیر الدین طوسی رحمتہ اللہ علیہ در رسالۂ معیار الاشعار حرف مذکور را داخل روی شمردہ و آن را روی مضاعف خواندہ۔"

(۷) گیارھویں صدی ہجری میں ہمیں میر ابو الحسن فراہانی شارح انوری کا نام ملتا ہے، جو قافیۂ شایگان کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ:

"استاد المحققین خواجہ نصیر الدین محمد طوسی در رسالۂ عروض و قافیہ مسمّی بہ معیار الاشعار آوردہ -"

(۸) عبداللہ خاں ازبک والی توران جلال الدین اکبر کا معاصر ہے - اس کے دربار میں ایک زبردست

عروضی پاینده محمد بن محمد بن شیخ محمد موجود تھے۔ قضائیؔ تخلص کرتے تھے۔ سنہ ۹۹۹ھ میں فن عروض پر ایک تالیف ان کے قلم سے نکلی ہے جس کا نام، جو تاریخی بھی ہے "تنقید الدرر" ہے۔ اس تالیف کا ایک قریب العہد مخطوطہ نوشتہ سنہ ۱۰۰۶ راقم کے عروضی مجموعے کی زینت ہے۔ اس اہم تالیف میں کئی موقعوں پر معیار الاشعار کے حوالے آتے ہیں۔ چنانچہ :

" و خواجہ نصیر طوسی در معیار الاشعار فاصلہ را ازین ارکان رکنی علیحدہ نشمردہ بلکہ فاصلہ صغریٰ را مرکب از سببین ثقیل و خفیف و فاصلۂ کبریٰ را مرکب از سبب ثقیل و وتد مجموع داشتہ" (ورق ۳۷)

دیگر :

"و شیخ نصیر طوسی کہ صاحب معیار الاشعار است پس از روی بیش از یک حرف را از حروف قافیہ اعتبار نکردہ است" (ورق ۷۶)

(۹) "صنائع الحسن" ایک اور عروضی تالیف ہے جو دسویں صدی ہجری میں مشہور فخری مصنف تذکرۂ جواہر العجائب کے قلم کی یادگار ہے۔ یہ تالیف فخری اپنے سرپرست شاہ حسن (حسین ؟ - سنہ ۹۲۸، ۹۶۲ھ مطابق سنہ ۱۵۲۲ و ۱۵۵۲ع) والیٔ سندھ کے لئے لکھتا ہے۔ یہ مخطوطہ بانکی پور لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس کتب خانے کے فہرست نگار خان بہادر عبد المقتدر خان کہتے ہیں کہ ورق ۵ پر مصنف نے معیار الاشعار کو خواجہ نصیر الدین طوسی کی تصنیف بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو جلد نہم فارسی مخطوطات نمبر ۸۴۲ -

(۱۰) سلطان حسین بایقرا کے عہد میں دیگر علوم کے علاوہ عروض و قافیہ اور معما کا بہت رواج رہا ہے۔ مولانا جامی نے اپنی مصروفیتوں کے باوجود عروض و قافیے پر چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے ہیں۔ جامی کے شاگرد میر عطاء اللہ الحسینی مشہدی ہیں جو کتاب "تکمیل الصناعۃ" میں قافیے پر ایک رسالہ شامل کرتے ہیں۔ رسالۂ ہذا میں میر عطاء اللہ متعدد موقعوں پر معیار الاشعار کا نام لیتے ہیں۔ ان میں سے ایک مثال یہاں عرض کرتا ہوں :

" چنانکہ دریں بیت کہ در معیار الاشعار خواجہ نصیر الدین طوسی آوردہ۔ بیت :

صنم من زبر من گردی   دلک من نبری نشنوی

(۱۱) جامی کے رسالۂ قافیہ کا نام "مختصر دانی فی علم القوافی" ہے۔ اس پر ان کے ایک شاگرد نے، جس کے نام سے میں ناواقف ہوں، ایک شرح لکھی ہے۔ میرے عروضی مجموعے میں اس کا ایک مخطوطہ سنہ ۱۱۰۹ھ کا نوشتہ ہے، جس پر رسالے کا نام بدین الفاظ درج ہے :

"رسالۂ عروضیہ مسمّٰی بشرح مختصر دانی فی علم قوافی بر متن حضرت مولوی جامی۔"

رسالۂ ہذا میں کئی جگہ معیار الاشعار کے حوالے نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہاں نقل کیا جاتا ہے :

"د خواجہ نصیر الدین طوسی در کتاب معیار الاشعار حرف مقدم بر روی را منحصر در ردف داشتہ۔"

(۱۲) فخر الدین محمد ابن شاکر الکتبی متوفی سنہ ۷۶۴ھ نے اپنی تصنیف "فوات الوفیات" کے جزو ثانی میں صفحہ ۱۴۹ پر محقق طوسی کی تالیفات کے ذکر میں معیار الاشعار کو بالفاظ "العروض بالفارسیہ" یاد کیا ہے۔

(۱۳) صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی متوفی سنہ ۷۶۴ھ کی "الوافی بالوفیات" کے جزو اول میں صفحہ ۱۸۱ پر محقق کی تصنیفات کے ضمن میں "العروض بالفارسیہ" یعنے معیار الاشعار کا پھر ذکر آیا ہے۔

جب گزشتہ صدی سے لگا کر آٹھویں صدی تک کے تمام علمأ معیار کو محقق کی تصنیف مانتے آتے ہیں۔ تو میرا کیا قصور ہے اگر میں نے اسے خواجہ نصیر کی تالیف مان لیا۔

ایک موقع پر سیّد صاحب نے فرمایا ہے :

"سلسلۂ شعر العجم کے وسیع النظر ناقد پروفیسر شیرانی نے تنقید کے پہلے نمبر (رسالہ اردو اورنگ آباد دکن) میں رباعی کی بحث پر دو صفحے لکھے ہیں اور معیار الاشعار کی مذکورۂ بالا عبارت کے لفظ "قدما" سے اتنی وسعت پیدا کر لی کہ یہ دعوے کر دیا ہے کہ قدیم الایّام میں ایران میں ایک خاص قسم کی نظم، جس کو چہار بیتی کہا جاتا تھا، رائج تھی۔ اس کے اوزان عربی اوزان سے غالباً مستخرج نہیں ہیں بلکہ ایران زاد اور مقامی معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے ہر دعوٰی ثبوت کا محتاج ہے۔ اہلِ عروض داہلِ موسیقی کی روایات (قابوس نامہ کا حوالہ آتا ہے) کا جہاں تک تعلق ہے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ارباب فن کے ہاں یہ چیز نو پیدا تھی اور اسلام کے بعد اہلِ فن کے استعمال میں آئی ہے۔" (خیام، صفحہ ۲۲۲)

میں یہاں سر داستان ہی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ محترم سیّد اپنے اعتراض میں ایسے فقرات کے

استعمال سے کہ 'لفظ قدمائے سے اتنی وسعت پیدا کرلی ہے' ' ارباب فن کے ہاں یہ چیز تو پیدا ہی تھی اور اسلام کے بعد استعمال میں آئی، وغیرہ، میرے خلاف مدعا یہ امر ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں کہ میں رباعی کو اسلام سے قبل کی پیداوار مانتا ہوں۔ حالانکہ میرے زیر تنقید "شعر العجم" تھی جو خالصتہً فارسی شاعری بعد از اسلام کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے اور جو عربی شاعری کی تقلید میں شروع ہوتی ہے۔ فارسی شاعری اور رباعی تو ایسی فضا ہے جس میں ایامِ ظہورِ اسلام سے قبل کا تصور بھی ذہن میں نہیں آتا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا ہم الفاظ 'قدیم' 'قدما' 'قدیم الایّام' 'زمانۂ مابعد اسلام کے لئے استعمال نہیں کرسکتے۔ ان الفاظ سے میرا مقصد وہی ہے جو دنیا لیتی ہے۔ قدیم' جدید کے مقابلے میں' قدما' متاخرین کے مقابلے میں اور قدیم الایام، زمانۂ حال کے مقابلے میں آتا ہے۔

اب مجھے دو باتیں ثابت کرنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ عہد قدیم میں ایران میں چاربیتی کا رواج تھا۔ دوسرے یہ کہ چہاربیتی کے اوزان عربی سے مستخرج نہیں بلکہ ایران زا اور مقامی ہیں۔

پہلی شق کے لئے محقق طوسی کا بیان' جو میں مع ترجمہ اوپر نقل کر آیا ہوں، دھیان میں رکھنا نہایت ضروری ہے لیکن "معیار الاشعار" پر سیّد صاحب کا اضطراری اعتماد محقق طوسی کے بیانات کی اصل وقعت و اہمیت کے احساس سے انہیں باز رکھتا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ رباعی کسی شخصی ایجاد کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ وہ ارتقاء یافتہ شکل ہے، قدیم چہاربیتی کی جو ہزج مربع اخرم و اخرب میں لکھی جاتی تھی۔ ان ایام میں صدر و ابتدا میں اخرب و مکفوف' اخرب و مقبوض کا اختلاف جائز سمجھا جاتا تھا، جو چاربیتی کے ہر مصرع میں کارفرما ہے' جس کی بنا پر پہلے مصرع کے شروع میں مفعول کے مقابلے میں دوسرے مصرع کے شروع میں مفاعیل یا مفاعیلن یا مفاعلن آجاتا ہے۔ بحر ہزج عربی میں مربع الارکان مستعمل ہے۔ جب عربی عروض فارسی میں اختیار کی گئی تو ضروری ہے کہ ابتدا میں اشعار ہزج کے مربع میں لکھے جاتے ہوں۔ چنانچہ رباعی مربع میں لکھی گئی چونکہ اس میں چار شعر ہوا کرتے تھے اس بنا پر اس کا نام چہاربیتی رکھا گیا۔ ایک عرصہ دراز کے بعد' جب اصول مثمنات کی دریافت نے اہلِ ایران کو زیادہ خوش آیند اور شگفتہ اوزان سے آشنا کر دیا، مربعات ترک کر دیئے گئے اور مثمنات کو اختیار کر لیا گیا اور ترانہ' جو چار بیت مربع پر شامل تھا، دو بیت مثمن کے قالب میں ڈھل گیا اور دوبیتی کہلایا۔ یہی اصول' یعنی مربع کا مثمن کر دینا نہ صرف رباعی میں بلکہ دیگر اوزان میں بھی کام

کر رہا ہے۔ مثال میں ہزج مربع کا یہ شعر عرض ہے :

من بی تو چنین زار تو از دور همی خند

اس کا وزن ہے مفعول مفاعیل : مصرع اوّل، مفاعیل مفاعیل : مصرع دوم۔ یہ رباعی کا وزن نہیں ہے۔ یہاں ابتدا میں صدر کے مقابلے میں مفاعیل، بجائے مفعول لایا گیا ہے۔ ایران کی بعد کی خوش مذاقی کے دیکھتے ہوئے ایسا اختلاف ناقابلِ معافی ہے مگر جب اسی وزن مربع کو مثمن بنا لیا یعنی پورے شعر کا مصرع کر لیا بروزن ' مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیل ' تو ایک نہایت خوش آیند وزن حاصل ہو گیا چنانچہ :

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

ایک اور مثال دی جاتی ہے :

ای یار دل ربائی یکی بار همی بساز

جو بحر مضارع مربع اخرب موفور مقصور ہے یعنی مفعول فاعلات : مصرع اوّل اور مفاعیل فاعلات : مصرع دوم۔ یہاں صدر و ابتدا میں اخرب و موفور کا اجتماع ہے لیکن ان دونوں مصرعوں کو ایک مثمن مصرع مان لینے سے ایک نیا شگفتہ وزن ہاتھ آ گیا۔ مثال :

گر مرد همتی ز مروّت نشان مخواه
صد جا شهید شو دیت از دشمناں مخواه

تعجب ہے کہ ہمارے سلیمان اعظم نے جہاں رباعی کے مختلف ناموں کی فہرست دی مثلاً ترانہ، دوبیتی، قول، غزل، بیت وغیرہ، اس میں انہوں نے اس کے سب سے قدیم نام چہار بیتی کو شامل نہیں کیا اور محقق طوسی کا بیان بھی درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔ حالانکہ عروضی چہار بیتی کا برابر ذکر کرتے ہیں۔

" مقیاس الاشعار " میں مرزا اوج کہتے ہیں :

" ترانے کو قدما نے چار بیت قیاس کیا ہے اور اس کو ' چہار بیتی ' کہا ہے یعنی اس میں ہر مصرع ایک

بیت ہے اور نازی ہیں اس کو رباعی کہتے ہیں اور چاروں مصرعوں میں قافیہ لانا واجب جانتے ہیں لیکن نزدیک متاخرین جو مربعات اس وزن احزب کے مستعمل نہیں یہ وزن بھی متروک ہے ۔" (صفحہ ۷۱، مقیاس الاشعار)

غلام حسین قدر بلگرامی کا قول ہے :

" اور اس کو اسی وجہ سے چہار بیتی اور رباعی کہنے لگے لیکن متاخرین نے چار مصرعوں کو دو شعر فرض کرلیا اور اس کا نام دو بیتی رکھا ۔"

" قدمای فارس ترانہ را کہ از ہزج مربع اختراع کردہ اند چہار بیتی و رباعی می گفتند و ہر دو در چہار رکنی را قافیہ لازم می شمردند ۔ اما متاخرین شان چون ابیات مربع ہزج نزد ایشان متروک است ترانہ را از مثمن قرار می دہند و ہر دو در چہار رکنی را مصراعی می شمرند و مجموع را دو بیتی ۔"

(صفحہ ۶۵، رسالہ کیفیت ایجاد رباعی از مفتی سعد اللہ)

شق دوم ، یہ کہ چہار بیتی یا رباعی کے اوزان عربی سے متخرج نہیں ہیں بلکہ ایران زاد و مقامی ہیں۔

میں حیران ہوں کہ سید صاحب کو ایسے بدیہی واقعے کے ثبوت مانگنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟ ہم عروض کی جس قدیم و جدید کتاب کو اٹھا کر دیکھتے ہیں ہر مصنف یہی راگ الاپ رہا ہے کہ رباعی فارسی الاصل ہے ۔ میں بعض عروضیوں کے بیان یہاں نقل کرتا ہوں :

(۱) بدانکہ وزن رباعی کہ آن را دو بیتی و ترانہ نیز گویند از بحر ہزج بیرون می آید و آن را عجم پیدا کردہ اند و بر بیست و چہار نوع آوردہ ۔"

(عروض سیفی، تالیف سنہ ۸۹۶ھ، صفحہ ۵۳، طبع ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، سنہ ۱۸۷۲ء)

(۲) "باید دانست کہ وزن دو بیتی را کہ رباعی و ترانہ نیز می گویند آن را شعرای عجم از وزن احزم و احزب ہزج مثمن برآوردہ اند ۔" (ورق ۵۲، تنقید الدرر از قضائی، تالیف سنہ ۹۹۹ھ)

(۳) "بباید دانست کہ رباعی را شعرای عجم اختراع نمودہ اند و آن را ترانہ و دو بیتی نیز نامند ۔"

(صفحہ ۱۱۶، حدائق البلاغت، مطبع کریمی، لاہور، سنہ ۱۹۲۰ء)

(۴) کرامت علی ابن رحمت علی حسینی جونپوری، مسٹر شلز فرانسیسی کے لئے اپنے قیام تبریز کے زمانے میں

ایک رسالہ " قواعد عروض و قوافی پارسی " لکھتا ہے، جس میں مرزا ابوالقاسم قائم مقام کی طرف بھی خطاب کیا ہے۔ اس کا ایک نسخہ ٹائپ میں طبع شدہ میرے پاس ہے، جس پر تاریخ طباعت درج نہیں۔ اس۔ ا" رسالے کے صفحہ ۸۲ پر عبارت ذیل ملتی ہے :

" فصل شانزدہم در بحر رباعی و آن را دو بیتی و ترانہ نیز گویند و آن پیدا کردۂ عجم است۔"

(۵) " داوزان رباعی کہ آن را دو بیتی و ترانہ گویند اہلِ عجم از بحر ہزج برآوردہ اند۔"

(مخزن الفوائد، صفحہ ۱۶۶، سنہ ۱۸۸۴ء، مطبع انجمن پنجاب)

(۶) " وزن ترانہ کے مخترع شعرائے عجم ہیں"۔

(صفحہ ۱۲۲، قواعد العروض از قدر بلگرامی)

(۷) " اور یہ زحاف کہ اس وزن میں مستعمل شعرائے عجم ہیں اشعار عرب میں نہیں اور یہ وزن رباعی اشعار عرب میں نہ تھا۔" (صفحہ ۲۱۷، مقیاس الاشعار، سنہ ۱۲۹۲ھ)

(۸) " اور جان تو کہ رباعی نکالی ہوئی فصحائے عجم کی ہے اور بحر ہزج سے خصوصیت رکھتی ہے۔"

(تقویت الشعرا از امام دین طالب، سلطان المطابع لکھنؤ)

(۹) " و رباعی از مخترعات اہلِ عجم است و بہ بحر ہزج اختصاص دارد۔"

(صفحہ ۵۶، شجرۃ العروض از منشی مظفر علی اسیر، نولکشور، سنہ ۱۸۷۳ء)

یہاں ایک سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر رباعی ایرانی الاصل نہیں ہے تو پھر اس کی ایجاد کی توضیح کرنے والے قصے، جن میں صرف ایرانی حصہ لیتے نظر آتے ہیں اور جنہیں سید صاحب نے اپنی معزز تالیف میں نقل بھی کیا ہے، کیوں شہرت پاتے ؟ مثلاً رودکی کا ایک طفل جوز باز کو غزنین کے مرغزار میں جوشِ مسرت میں مصرع آیندہ پڑھتے سننا یا بقول دولت شاہ یعقوب بن لیث کے فرزند کا جوز کھیلتے ہوئے ایک نشاط آمیز لہجے میں کہنا کہ :

غلطان غلطان ھمی رود تا بن گو

"خیام کے صفحہ ۲۲۳ پر سید صاحب نے گزشتہ اعتراض سے ملتا جلتا یہ اعتراض کیا ہے :

" ناقد شعر العجم نے اپنے اسی پہلے سلسلے میں یہ بے سند دعویٰ کیا ہے، جس کا مدار ساتویں صدی کی معیار الاشعار پر ہے کہ قدما (کس عہد تک کے قدما؟) تمام تر چہار بیتی کہتے تھے، جس کے چاروں مصرع ہم قافیہ ہوتے تھے' اور اس سے نادر تر دعویٰ یہ ہے کہ چہار بیتی کی اب کوئی مثال نہیں پائی جاتی حالانکہ ایسی رباعیاں، جن کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں، عوفی کی لباب الالباب کے قدماء کے حالات میں دس بارہ سے زیادہ ہیں اور بعد کے شعرا کے یہاں ایسی رباعیاں ملتی ہیں ۔"

میں سید صاحب کی خدمت میں بصد ادب عرض کرتا ہوں کہ جب ان کو تسلیم ہے کہ میرے دعوے کا مدار ساتویں صدی کی "معیار الاشعار" پر ہے تو پھر میرا دعوٰے بے سند کیوں گردانا گیا ۔ سید مجھ پر سخت ظلم کر رہے ہیں کہ "معیار الاشعار" جیسی کتاب کی سند کے باوجود میرے دعوے کو بے سند کہتے ہیں ۔ میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ عروضی لٹریچر میں یہ تالیف آج بھی زبردست اہمیت کی مالک ہے ۔ گزشتہ سات صدیوں میں جس قدر کتابیں اس فن پر لکھی گئی ہیں ان سب پر اس کتاب کی افادی وقعت و افضلیت مسلم ہے ۔ ہر عہد میں اہلِ عروض اس کو مستند سمجھتے رہے ہیں ۔ اور اس کے حوالے دیتے آتے ہیں ۔ اس کی شرح تیار ہوئی ہے ۔ ترجمہ کیا گیا ہے ۔ مختصر یہ کہ عروضی مسائل پر قول فیصل مانی جاتی ہے اور یہ فن سے ہماری بیگانگی کا ثبوت ہوگا اگر ہم اس تصنیف کو قرار واقعی عزت نہ دیں ۔

اس کے بعد سوال کیا ہے 'کس عہد تک کے قدما' تمام تر چہار بیتی کہتے تھے' جس کے چاروں مصرع ہم قافیہ ہوتے تھے؟ یہاں بیت کی جگہ مصرع لکھنا سید صاحب کا سہو قلم ہے ۔ میں قدما کے متعلق اس سے قبل کچھ اشارہ کر آیا ہوں یہاں اسی قدر کہنا کافی ہوگا کہ ان قدماء کا زمانہ بھی وہی ہے جو ان قدما کا ہے جن کا ذکر خود سید صاحب نے اپنی تالیف میں کیا ہے ، جب فرمایا ہے :

(۱) " عوفی کی لباب الالباب کے قدماء کے حالات میں " وغیرہ (خیام، صفحہ ۲۲۳ حاشیہ)۔

(۲) " یہ رباعی (چہار بیتی) کہنے والے قدماء عربی کے شاعر تھے ۔" الخ (خیام، صفحہ ۲۲۲)۔

(۳) " قدماء کے کلام میں غزل و ترانہ کا لفظ ساتھ ساتھ آتا ہے ۔" (خیام، صفحہ ۲۲۷)۔

آگے بڑھ کر سید صاحب ارشاد کرتے ہیں :

"اور اس سے نادر تر دعویٰ یہ ہے کہ چہار بیتی کی اب کوئی مثال نہیں پائی جاتی۔ حالانکہ ایسی رباعیاں جن کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں، عوفی کی لباب الالباب کے قدماء کے حالات میں دس بارہ سے زیادہ ہیں۔"

مجھے افسوس ہے کہ سیّد صاحب میرا مطلب بالکل نہیں سمجھے اور نہ انہوں نے محقق طوسی کے بیان پر جو میرے دعوے کی سند ہے، کافی غور کیا۔ جن چار مصرعوں والی رباعیوں کو سید صاحب چار بیتیاں کہتے ہیں وہ تو دو بیتیاں ہیں۔ کیونکہ وہ مثمن شعروں کی صورت میں لکھی جاتی ہیں بحالیکہ چار بیتی چار مربع شعروں کی صورت میں لکھی جاتی تھی، جس طرح کہ میں نے تنقید شعر العجم میں (رسالہ اردو، صفحہ ۶۹۰، بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۲ء) ابوشکور کی رباعی کو لکھا ہے یا جس طرح خود سیّد صاحب نے میری تقلید میں صفحہ ۲۲۲ پر رودکی کی مفروضہ رباعی کو اور صفحہ ۲۲۳ تا ۲۲۵ عربی رباعیوں کو نقل کیا ہے، یہ ہے صحیح شکل چہار بیتی کی۔ اور جب چار بیتیاں اس طرح لکھی ہوئی نہیں ملتیں تو میں نے کیا غلط کہا جب یہ کہا کہ قدیم چہار بیتی کے اصلی نمونے ہم تک نہیں پہنچے۔ چار قافیوں والی رباعیاں مصرّع[1] دو بیتیاں ہیں جس طرح تین قافیوں والی خصّی رباعیاں ہیں۔

سیّد صاحب دعویٰ کرتے ہیں کہ چاروں مصرعوں میں قافیوں والی رباعیاں "لباب الالباب" میں قدماء کے حالات میں دس بارہ سے زیادہ ہیں۔ میں نے بھی قدماء کے ذکر ہی میں کہا تھا کہ سب سے قدیم رباعی مجھ کو ابوشکور بلخی کی ملی ہے۔ "لباب الالباب" موجود ہے اور میں سیّد صاحب کو دعوت دیتا ہوں اگر وہ اس میں سے دس بارہ درکنار ایک رباعی بھی ابوشکور کے عہد سے قبل کی نکال کر بتا دیں گے۔ مگر دشواری یہ ہے کہ ہمارے محترم ہر چار مصرعوں کو، عام اس سے کہ وہ رباعی کے وزن میں ہوں یا نہ ہوں، رباعی کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ ایسی رباعیاں بے شک وہ دس بارہ کیا درجنوں نکال دیں گے لیکن ادبی و عروضی نقطۂ نظر

---

(۱) مصرّع بیتی را گویند کہ ھر دو مصراع قافیت نگاہ داشتہ آید چنانک ابیات سرھای قصیدہ بود۔ خصّی دو بیتی را گویند کہ مصراع سوم او را قافیت نباشد۔"

(صفحہ ۸۵، حدائق السحر، رشید الدین وطواط، مرتبۂ عباس اقبال)

سے بلکہ رواجاً بھی رباعی وہی ہے، جو بحر ہزج کے اخرب واخرم شجروں کے چوبیس اوزان مقررہ میں سے ہو۔ مگر سید صاحب جو خیام کی رباعیوں پر مقدمہ لکھ رہے ہیں اس فروگزاشت کی مطلق پروا نہیں کرتے۔ ایک موقع پر رقم پرداز ہیں:

" لباب الالباب عوفی میں حنظلہ بادغیسی کی حسب ذیل دو بیتیں ملتی ہیں جو رباعی کے وزن پر ہیں:

یارم سپند اگرچہ بر آتش همی فگند

از بهر چشم تا نرسد مر ورا گزند

او را سپند و آتش ناید همی بکار

با روی همچو آتش و با خال چو[ن][1] سپند

(خیام، صفحہ ۲۳۰)

ان دو شعروں کو خود عوفی دو بیتی نہیں مانتا۔ چنانچہ اس نے "این دو بیت" (صفحہ ۲، جلد ۲ لباب الالباب) لکھا تھا۔ سید صاحب نے دو بیتیں تو عوفی کی تقلید میں لکھ دیا لیکن الفاظ " جو رباعی کے وزن پر ہیں" اپنی طرف سے اضافہ کر دیئے۔ حالانکہ یہ شعر رباعی کے وزن پر مطلق نہیں۔ رباعی کے اوزان بحر ہزج سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ ابیات بحر مضارع میں واقع ہوئے ہیں۔ ان کا وزن ہے:

مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

یعنے مضارع اخرب مکفوف مقصور، جو رباعی کے وزن سے کوسوں دور ہے۔

سید صاحب کی جلدبازی ملاحظہ ہو کہ حنظلہ کی اس مفروضہ رباعی کو دیکھ کر فوراً یہ نظریہ پیش کر دیا:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رباعی کی تاریخ رودکی بلکہ ابودلف اور ابن الکعب سے بھی پہلے شروع ہوتی ہے اور سامانی بلکہ صفاری کے بجائے طاہری دربار کو اس کی اولیت کا فخر پہنچتا ہے۔" (صفحہ ۲۲۳، خیام)

---

[1] قلمی نسخوں میں 'نون' میرا اضافہ ہے۔ اس کے بغیر وزن غلط ہو جاتا ہے (حاشیہ مصنف)

اب جب یہ ثابت ہو گیا کہ حنظلہ کی رباعی سچی رباعی نہیں تو یہ اولیت کا فخر کس دربار کی طرف منتقل کیا جائے گا ؟ سلیمان اعظم ارشاد فرمائیں ۔

تنقید شعر العجم (صفحہ ۴۹۰، اردو) میں ایک موقع پر میں نے فرخی کا ایک شعر بوطلب شاعر کی شہرت بحیثیت رباعی گو دکھانے کے لئے نقل کر دیا تھا، جو حسب ذیل تھا :

از دلارامی و نغزی چون غــزلہای شہید

وز دلاویزی و خوبی چون ترانہ بوطلب

اس کے تعلق میں سیّد صاحب ارشاد کرتے ہیں :

" پروفیسر شیرانی نے تنقید شعر العجم کے پہلے نمبر میں اس شعر کو کہیں سے نقل کیا ہے مگر اپنے متن کا ماخذ نہیں بتایا ہے، جو اسدی کے متن سے بہت کچھ مختلف ہے۔ شیرانی صاحب لکھتے ہیں :

از دلآویزی و نغــزی چون غزلہای شہید

وز دلآویزی و خوبی چون ترانہ بوطلب

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب نے کسی متاخر ماخذ کو سامنے رکھا ہے، جس نے فرخی کے قدیم الفاظ میں متاخرین کے محاوروں کے مطابق تصرّف کر دیا ہے ۔" (خیام صفحہ ۲۲۹)

کسی شاعر کا شعر نقل کرتے وقت ہمارے ہاں یہی دستور رہا ہے کہ شعر نقل کرنے سے قبل اس شاعر کا نام دے دیا جائے۔ چنانچہ میں نے بھی ایسا ہی کیا اور شاعر کا نام فرخی دے دیا۔ سیّد صاحب کو اعتراض ہے کہ اس شعر کو کہیں سے نقل کر دیا ۔ میں عرض کرتا ہوں کہ کہیں سے تو کیا نقل کیا ہو گا، شاعر کے دیوان ہی سے نقل کیا ہو گا ۔ اور دیوان سے بہتر ماخذ ہو گا بھی کیا۔ متاخرین کے محاوروں کے مطابق اگر کوئی تصرف ہوا تو خود سیّد صاحب اس کے ذمہ دار ہیں۔ میرے ہاں جہاں پہلے مصرع میں 'دلارامی' تھا، سیّد صاحب نے اس کی جگہ 'دلآویزی' بنا دیا۔ یہ تصرّف کیوں کیا گیا مجھے معلوم نہیں مگر یہ تصرف ہر حال میں صحیح نہیں کیونکہ دونوں مصرعوں میں 'دلآویزی' مکرر ہو جاتا ہے۔ سیّد صاحب نے حسب روایت لغت فرس اس شعــر کو یوں لکھا ہے ،

ز دلآویزی و نغزی چو غـزلہای شہید
وز غم انجامی و خوشی چو ترانہ بوطلب

میرا نقل کردہ شعر اگر اسدی کے متن سے نہیں ملتا تو اس میں میرا کیا قصور ہے ۔ میرے لئے ضروری نہیں کہ فرخی کے شعر کے لئے اسدی کے لغت کی ورق گردانی کروں ، جس حال میں کہ دیوان موجود ہے اور چھپ چکا ہے ۔

اصل یہ ہے کہ جس شعر کو سیّد صاحب صحیح اور مستند سمجھ رہے ہیں وہ یقیناً غلط ہے اس غلطی کے ذمہ دار خواہ ہمارے سیّد ہوں یا پال ہورن ، لغت فرس کا مرتّب یا خود اسدی ، لغت فرس کا مصنّف ۔ شعر ہذا کوئی تنہا شعر نہیں ہے بلکہ فرخی[1] کے قصیدے میں آتا ہے ۔ یہ قصیدہ بحر رمل مثمن محذوف میں ہے ، جس کا وزن ہے : فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن اور مطلع ہے :

دوست دارم کودک سیمین بر بی جادہ لب
ہر کجا زیشان یکی بینی مرا آنجا طلب

فرخی کا منقولۂ بالا شعر بھی ضرور ہے کہ اسی وزن میں ہو چنانچہ تقطیع :

اژ دلارا	می ئی نغزی	چو غزلہا	ای شہید
فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلات
وز دلاوی	زی ئی خوبی	چو ترانہ	بوطلب
فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلن

یعنی وہی رمل مثمن مقصور یا محذوف ۔ اب سیّد صاحب کے روایت کردہ شعر کی تقطیع ملاحظہ ہو :

---

[1] دیوان فرخی مرتبہ عبدالرسولی ، سنہ ۱۳۱۱ ، مطبوعہ مجلس ایران) ، صفحہ ۴ و دیوان حکیم فرخی صفحہ ۴ ، طبع بمبئی ۔

زدلاوی	زیٔ تزری	جُ غزلہا	ءِ شہید
فعلاتن	فعلاتن	فعلاتن	فعلات
دزغمنجا	م یُ خوشی	ج ترانا	بوطلب
فاعلاتن	فعلاتن	فعلاتن	فعلات

اور وزن ہے۔ بحر رمل مثمن مخبون مقصور بالفاظ دیگر وزن ہی بدل گیا ہے یعنے سالم سے مخبون ہوگیا۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ حشویات تمام قصیدے میں، جس کے پچاس سے زیادہ شعر ہیں، سالم آئیں اور ایک شعر میں مخبون ہوجائیں۔ لہٰذا میں تو اس شعر کو غلط کہوں گا۔

قولہ :" اہل عرب اس کو رباعی اس لئے کہتے ہیں کہ بحر ہزج جس میں رباعی کہی جاتی ہے چار اجزا سے مرکب ہوتی ہے اور اس لئے اس وزن کا ایک مصرع عربی میں دو جزء کا ایک شعر ہوجاتا ہے اور اس طرح چار مصرعوں میں چار شعر ہوجاتے ہیں۔ رازی کے اس بیان کی تائید 'معیار الاشعار' فارسی عروض کی ایک قدیم کتاب (سنہ ۶۴۹ھ) سے ہوتی ہے۔" (ص ۲۲)

میں یہ توجیہہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ چونکہ ہزج عربی میں مربع الارکان آتی ہے اس بناء پر اس کو رباعی کہنے لگے۔ ہزج دائرے میں مسدس ہے اگرچہ بنا میں مجزد ہے۔ دوسرے عربی میں ایک ہی بحر تو ہے نہیں جو مربع آتی ہے اس میں تو اکثر بحریں مربع استعمال ہوتی ہیں پھر ہزج کی کیا خصوصیت رہی اس کے علاوہ رباعی کی ابتدا فارسی سے ہوتی ہے نہ عربی سے اس لئے اس کا نام رکھنے میں عربی والوں نے چار بیتی کی تقلید کی ہے۔

محقق طوسی کی تالیف "معیار الاشعار" سیّد صاحب کے خیال کی تائید نہیں کرتی۔ اس میں مذکور ہے:

" ترانہ را قدماء چہار بیت می گرفتہ اند وآن را چہار بیتی خواندہ و بتازی رباعی۔"

یعنی قدما کے نزدیک رباعی چار بیتوں پر شامل تھی اس لئے اس کا نام چہار بیتی رکھ دیا اور عربی میں رباعی۔ لہٰذا سیّد صاحب کا یہ بیان کہ رباعی کا نام چار مصرعوں کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ چار مصرعوں کے چار شعر ہوجانے کی وجہ سے، بالکل بے بنیاد ہے۔ صحیح وہی ہے جو محقق طوسی کے بیان سے مستنبط ہوتا

ہے یعنی ایرانیوں نے اس کا نام چہار بیتی رکھا اور عربی والوں نے تقلیداً رباعی کہا۔

قولہ: "سوال یہ ہے کہ دو دو جزء کا اس طرح ایک ایک شعر ہو جانا آیا فارسی میں تھا اور اس لئے اس کو کبھی چہار بیتی کہتے تھے یا عربی میں اور اس لئے اس کو رباعی کہتے تھے۔ مؤلف معیار الاشعار نے صرف قدما یعنی پہلے لوگ لکھا ہے، جس سے فارسی و عربی کی تخصیص نہیں نکلتی" (خیام، صفحہ ۲۲۲)

مؤلف معیار الاشعار کے بیانات تو ہمیشہ راست بلاکم وکاست مبنی بر حقیقت ہوتے ہیں لیکن سید صاحب کی اس کتاب کے ساتھ عدم واقفیت نے بے شک انہیں غیر حقیقی الجھنوں میں مبتلا کر دیا ہے۔ محقق طوسی کی یہ تالیف فارسی کے ساتھ ساتھ عربی عروض کی بھی جداگانہ توضیح کر رہی ہے بلکہ مصنف کا قاعدہ ہے کہ پہلے ہر بحر کے عربی ضوابط و اوزان و امثال بیان کرتا ہے اور اس کے بعد فارسی اوزان اور امثال دیتا ہے۔ سید صاحب اس کو محض فارسی عروض کی کتاب (صفحہ ۲۲۱، خیام) بیان کرتے ہیں اسی لیے سید والا مرتبت کا یہ قول کہ "مؤلف معیار الاشعار نے صرف قدما یعنی پہلے لوگ لکھا ہے، جس سے فارسی و عربی کی تخصیص نہیں نکلتی۔" فاضل موصوف اس سے زیادہ اور کیا تخصیص کرتے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ دکھا دیا ہے۔ ہزج کے عربی اوزان میں انہوں نے رباعی کا مطلق ذکر نہیں کیا اور فارسی کے ذکر میں لکھا، جس سے پڑھنے والے پر صاف روشن ہے کہ رباعی فارسی الاصل ہے اور عربی سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ سید صاحب اس سے زیادہ اور کیا تخصیص چاہتے ہیں۔

قولہ: "مگر محمد ابن قیس رازی نے تصریح کی ہے کہ یہ رباعی (چہار بیتی) کہنے والے قدما عربی کے شاعر تھے کیونکہ اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ عربی کی طرح فارسی اہلِ عروض بھی ایک لفظ کے حرفوں کو توڑ کر کبھی دو مصرعوں میں بانٹتے تھے۔" (صفحہ ۲۲۲، خیام)

عروض کے میدان میں یوں تو کئی چیزیں عجمیوں کی دماغی پیداوار اور ذہنی یادگار کی حیثیت سے شمار کی جاسکتی ہیں مثلاً بحور قریب و جدید و متشاکل۔ نیز ان کی نو ایجاد اکیس بحریں جو دوائر منعکسہ و منغلقہ و منغلطہ سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ان کی افادی وقعت قابلِ ذکر نہیں۔ لے دے کر کوئی کام

کی چیز، جو جدید ایرانی اضافے کے طور سے تسلیم کی جا سکتی ہے، رباعی ہے۔ مگر دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے سیّد والاشان نے بیک جنبش قلم اس عزت سے بھی انہیں محروم کر دیا اور یہ ارشاد کر دیا کہ رباعی کہنے والے قدمائے عربی کے شاعر تھے۔ خوش قسمتی سے سید صاحب اس عقیدے میں بالکل تنہا ہیں حتیٰ کہ محمد ابن قیس بھی جس کی مبیّنہ تصریح پر سیّد صاحب یہ رائے قائم کرتے ہیں، ان کے بالکل برخلاف ہے۔ ذیل میں مصنّف موصوف کے تین مختلف بیان جن میں سے ہر ایک سیّد صاحب کے مزعومہ دعوے کے مخالف ہے، نقل کیے جاتے ہیں:

"لیکن بحکم آنکہ زحافی کہ درین وزن مستعمل است در اشعار عرب نبودہ است در قدیم برین وزن شعر تازی نگفتہ اند و اکنون محدثان ارباب طبع بران اقبالی تمام کردہ اند و رباعیاتِ تازی درہمہ بلاد عرب شایع و متداول گشتہ است" (صفحہ ۹۰، المعجم فی معاییر اشعار العجم) اس کا ترجمہ: لیکن چونکہ ایسے زحاف، جو اس وزن [رباعی] میں استعمال ہوتے ہیں، اشعار عرب میں نہیں آتے۔ عہدِ قدیم میں تازی گویوں نے اس وزن میں اشعار نہیں لکھے۔ البتہ عہدِ حاضر کے اربابِ ذوق نے اس کی طرف اقدام کیا ہے۔ چنانچہ عربی رباعیاں تمام ممالک عرب میں رائج اور مشتہر ہو گئیں۔

ایسے صاف اور صریح بیان کے باوجود سیّد صاحب کس طرح یہ دعوےٰ پیش کر سکتے ہیں کہ یہ رباعی گو قدمائے عربی کے شاعر تھے۔

شمس قیس کا دوسرا بیان یہ ہے:

"در حقیقت ہیچ وزن از اوزان مبتدع و اشعار مخترع کہ بعد از خلیل احداث کردہ اند بدل نزدیک تر و در طبع آویزندہ تر ازین نیست۔" (صفحہ ۹۰، المعجم)

شمس قیس کا تیسرا بیان رباعی کی ایجاد شاعر مشہور رودکی کی طرف منسوب کرتا ہے، جو ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

"ویکی از متقدمان شعرای عجم و پندارم رودکی واللہ اعلم از نوع اخرم و اخرب این بحر وزنی تخریج کردہ است کہ آن را وزن رباعی خوانند۔" (صفحہ ۱۸۸، المعجم)

جب رباعی کی ایجاد بروایت شمس قیس، رودکی کی طرف منسوب ہے تو پھر سید محترم کس طرح قدمائے عربی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ خود شمس قیس کو اپنے بے سند دعوے کا مدار علیہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد ابن قیس رازی نے تصریح کی ہے کہ یہ رباعی (چہار بیتی) کہنے والے قدمائے عرب کے شاعر تھے۔ میں سید صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ محمد ابن قیس کا دامن ہر ایسی تصریح سے پاک ہے۔

'عربی کی طرح فارسی اہل عروض بھی ایک لفظ کے ٹکڑوں کو توڑ کر کبھی دو مصرعوں میں بانٹتے تھے،' اس سے میں سمجھتا ہوں سید صاحب کا مطلب اشعار معقد سے ہے۔ ایسے اشعار عربی کی تقلید میں قدمائے فارسی میں رائج تھے، زیادہ تر انہی ایام میں، جب شعر گوئی کا مدار اکثر و بیشتر مربعات پر تھا۔ اشعار معقد میں مصرع اوّل مصرع دوم سے لفظاً و معناً وابستہ ہوتا ہے۔ ہر مصرع مرکب غیر مفید کا حکم رکھتا ہے جب تک دوسرا مصرع ساتھ نہ پڑھا جائے بات ناتمام رہتی ہے اس لئے کئی موقعوں پر ضروری ہے کہ دونوں مصرعوں کو ساتھ ملا کر مثل ایک مصرع مثمن کے پڑھیں۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار معقد ہیں جو فارسی میں اصول مثمنات کی دریافت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ جب مثمنات کی دریافت نے فارسی عروض میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا، اوزان مربع کا رواج متروک ہو گیا۔ ان کے ساتھ ہی اشعار معقد بھی جو مثنیٰ و مربع و مثلث ہوتے تھے، غائب ہو گئے۔ محقق طوسی نے ان کی بعض مثالیں اپنی تالیف میں محفوظ رکھی ہیں، جن میں سے کچھ اس سے بیشتر اسی مضمون میں نقل ہو چکی ہیں۔ بعض یہاں درج کی جاتی ہیں:

مثال ہزج مربع سالم:

بیار آن می کہ پنداری	روان یاقوت نا بستی
دیا چون برکشیدہ تیغ	پیش آفتابستی

آخری شعر میں تیغ کا 'غین' وزن کی رو سے دوسرے مصرع میں شامل ہے۔ رودکی کا یہ قطعہ بالعموم مثمن شکل میں لکھا جاتا ہے، جس سے تمام قطعہ مصرّع ہو گیا ہے۔ حتیٰ کہ حدائق السحر میں بھی اس کو مثمن ہی درج کیا ہے لیکن محقق طوسی نے مذکورہ بالا شعر مربع کی مثال میں نقل کئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قطعہ اصل میں مربع تھا اور مثمنات کے رواج کے بعد اس کو بھی مثمن بنا لیا گیا۔

مثال دیگر :

رہ شادیم   بہ بستی

یہ دو رکنی شعر ہے، جس کی تقطیع ہے :

رہ شادی   م ب بستی

فعلاتن   فعلاتن

یعنے میم ضمیر متکلم شامل مصرع دوم ہے۔

مثال دیگر :

ہر کہ بد خواند   ترا   از مردمی ہست او بری

اس شعر میں 'از' بہر تقطیع شامل مصرع اوّل ہے۔

مثال شعر مثلّث :

نو شد جہان زین نو بہار و سال نو

یہ تین رکن کا پورا شعر ہے، جس کا نصف متین نہیں۔ عربی تقلید میں بدیعی بلخی نے یہ قصیدہ لکھا تھا۔

قولہ : "چوتھی پانچویں صدی کے شعرار فارسی پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعوں کے ساتھ تیسرے کو بھی اکثر ہم قافیہ لایا کرتے تھے مگر اس کا قطعی لزوم ان کے ہاں بھی نہ تھا۔ چنانچہ رودکی فردوسی، عنصری وغیرہ کی رباعیوں میں کبھی تیسرے مصرع میں قافیہ ہے اور کبھی نہیں ہے۔"

اس بارے میں ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، پروفیسر فارسی، پنجاب یونیورسٹی کی رائے میرے خیال میں زیادہ وزنی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک رباعی جتنی زیادہ قدیم ہوگی گمان غالب ہے کہ وہ مصرّع ہوگی، جتنی متاخر ہوگی اتنی ہی خصی ہوگی میں غیر خصی کو مصرّع اور خصی کو غیر مصرّع کہوں گا چوتھی اور پانچویں صدی میں بالعموم مصرّع رباعیاں رائج تھیں مثلاً شعرائے عہد غزنہ کے دواوین میں سے عنصری کی ۴۰ رباعیوں میں سے ۳۴ فرخی کی ۳۷ میں سے ۳۶، ناصر خسرو کے ہاں ایک میں سے ایک، ابوالفرج رونی کے ہاں ۵۷ میں سے ۵۱'

قطران تبریزی کے ہاں ۱۵ میں سے ۱۱ اور مسعود سعد سلمان کے ہاں ۲۲۷ میں سے ۲۱۹ رباعیاں مصرّع ہیں۔ اس سے ہم یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ چوتھی اور پانچویں صدی میں مصرّع رباعیاں کہنے کا دستور لزوم کی حد تک عام تھا۔ ان میں غیر مصرّع رباعیوں کا شمول خالی از اشتباہ نہیں۔ جلد دوم لباب الالباب میں شعرائے آل سامان و شعرائے آل ناصر کی رباعیاں، جو بہ تفصیل ذیل ہیں، سب کی سب بلا استثنا مصرّع ہیں چنانچہ :

ابوشکور بلخی	۱	صفحہ ۲۱
عنصری	۱	صفحہ ۳۲
ابوعبداللہ محمد المعروف کے ہاں پانچ مختلف مصرّع شعر بروزن رباعی		صفحہ ۴۷
فرخی	۲	صفحہ ۵۰
ابو عبداللہ عبدالرحمٰن بن محمد العطاردی	۲	صفحہ ۵۷
ابوالحرث حرب بن محمد الحقوری الہروی	۱	صفحہ ۶۱
ابوالمنصور عبدالرشید بن احمد بن ابی یوسف الہروی	۱	صفحہ ۶۱
مسعود الرازی	۱	صفحہ ۶۳
ناصر لغوی	۱	صفحہ ۶۶

(یہ رباعی سنہ ۴۲۱ھ میں امیر محمد بن محمود کے قید کئے جانے کے موقع پر لکھی گئی ہے)

محسن قزوینی	۱	صفحہ ۶۷
۔۔۔۔ بن احمد البدری الغزنوی	۱	صفحہ ۶۷

لغت فرس میں تین رباعیاں میری نظر سے گزریں اور تینوں مصرّع ہیں پہلی 'لست' کی شرح میں، صفحہ ۶ پر، لبیبی کی۔ دوسری 'زدشیدن' کی تشریح میں صفحہ ۵۳ پر عسجدی کی اور تیسری ابوالموید کی 'تلک' کی تشریح میں،

جو حسب ذیل ہے :

صفرای مرا سود ندارد نلکا

درد سر من کجا شناسد علکا

سوگند خورم بھر چہ ہستم ملکا

کز عشق تو بگداختہ ام چون کلکا (صفحہ ۶۸)

لغت فرس میں تو یہ رباعی سب سے قدیم مانی جا سکتی ہے۔

رباعی کے وزن پر بعض شعر بھی اسی فرہنگ میں ملتے ہیں مثلاً "شیغازہ" کے ذکر میں، صفحہ ۲۷ پر، عمارہ کا شعر مصرع اور صفحہ ۳۸ پر "چغز" کے بیان میں ابوالفتح بستی کا مصرع بیت :

ہر چند کہ درویش پسر فخ زاید

در چشم تو انگران ہمہ چغز آید

اور صفحہ ۸۰ پر "مالہ" کے ذکر میں عمارہ کا شعر۔ لیکن دقیقی کا ایک شعر، جو اگرچہ وزن رباعی میں ہے، غیر مصرع ہے، جو صفحہ ۱۰۸ پر "سخن" کی تشریح میں دیا گیا ہے۔ چنانچہ :

ترسم کان دہم تیز خیزت رفزی

دہم ہمہ ہندوان بسوزت لسخون[1]

یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ شعر کسی رباعی سے لیا گیا ہے بلکہ فردیات سے تعلق رکھتا ہے۔ اوزان رباعی میں منفرد اشعار بھی لکھے جاتے رہے ہیں۔ میں ایک مثال رودکی کے ہاں سے دیتا ہوں :

اندر عجبم ز جان ستان کز چو توئی

جان بستد و از جمال تو شرم نداشت[2]

گلستان سعدی میں ایسے فردیات کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔

---

[1] صفحہ ۱۴-۹۰۳، روئداد اورینٹل کانفرنس اجلاس بڑودہ، طبع سنہ ۱۹۲۵ء۔

[2] احوال اشعار ابوعبداللہ جعفر بن محمد رودکی، جلد دوم صفحہ ۱۰۴، تالیف سعید نفیسی، طہران سنہ ۱۳۱۰ھ۔

علیٰ ہذا "دمیتہ القصر" میں باخرزی نے جو عربی و فارسی رباعیاں درج کی ہیں، تمام وکمال مصرع ہیں۔ ملاحظہ ہوں صفحات ۱۷۴، ۱۷۵، ۲۰۲، ۲۶۱، ۲۹۶۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ رودکی و فردوسی و عنصری وغیرہم کے ہاں غیر مصرع رباعیوں کا موجود ہونا اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ وہ ان شعرا کی اصلی رباعیاں نہیں ہیں بلکہ متاخرین نے سہواً ان کی طرف منسوب کر دی ہیں۔ رودکی کی جس قدر رباعیاں سید صاحب نے نقل کی ہیں یقیناً مشتبہ ہیں اور یہ انہیں خود بھی تسلیم ہے۔ اسی قسم کی ایک رباعی شمس قیس نے المعجم میں حسبِ ذیل دی ہے:

واجب نبود بکس بر افضال و کرم

واجب باشد ہر آئینہ شکر نعم

تقصیر نکرد خواجہ در ناواجب

من در واجب چگونہ تقصیر کنم

(المعجم، صفحہ ۳۰۲)

مگر یہ رباعی غیر مصرع ہونے کے علاوہ پچاس فی صدی عربی الفاظ پر شامل ہے جو یقیناً رودکی کے عہد کی زبان نہیں۔

جلد دوم "احوال و اشعار رودکی" میں سعید نفیسی نے رودکی کی ہجویات کی مثال میں یہ رباعی نقل کی ہے، جو شبہ سے خالی نہیں:

آن خر پدرت بدشت خاشاک زدی

مامات دف و دورویہ چالاک زدی

آن بر سر گور ہا تبارک خواندی

وین بر در خانہا تبوراک زدی

سنہ ۲۵۲ھ میں امیر ابوجعفر والیٔ سیستان کی وفات پر صانع بلخی یہ رباعی لکھتا ہے:

خان غم تو پست شدہ ویران باد
خان طرب همیشه آبادان باد
هموارہ سر کار تو با نیکان باد
تو میر شهید و دشمنت ماکان باد[1]

قولہ :" عربی کی رباعیوں میں چاروں مصرعوں کا ہم قافیہ لانا اس لئے ضروری تھا کہ اس کا ہر مصرع شعر ہوتا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ بعض جدّت پسندوں نے قافیے کے ساتھ ردیف کی بھی شرط کرلی تھی"۔ (صفحہ ۲۲۳، خیام)

رباعی کے معاملے میں عربی والے ہمیشہ فارسی کے مقلّد رہے ہیں۔ اس لئے جب رباعی چار شعروں کی صورت میں لکھی جاتی تھی یا جب دو شعروں کی صورت میں مرقوم ہوتی تھی، عربی خواں ہر حال میں تقلید شعرائے فارسی کرتے رہے ہیں۔ یہی کیفیت ردیف کی ہے، جو فارسی الاصل ہے اور عربی والوں نے تقلیداً اختیار کرلی ہے۔ محقق طوسی کتاب معیار الاشعار میں رقم طراز ہیں:

" و ردیف در اصل خاص بود بزبان پارسی و متاخران شعرای عرب از پارسی گویان فراگرفته اند و بکار می دارند۔" (معیار الاشعار و میزان الافکار، سنہ ۱۲۶۴ھ مطبع علوی)

قولہ :" ابوالحسن باخرزی المتوفی سنہ ۴۶۷ھ نے اپنی کتاب 'دمیۃ القصر' میں ذکر کیا ہے کہ 'میں نے اس طریقے پر اس سے پہلے رباعی نہیں سُنی تھی (لم اکن سمعت ھذہ الطریقۃ) یہاں تک کہ میرے والد نے ابوالعباس باخرزی کی چند رباعیاں اس طرز کی سنائیں۔"

(صفحہ ۲۲۴، خیام)

" لم اکن سمعت ھذہ الطریقۃ " کا ترجمہ سید محترم نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

---

[1] صفحہ ۲۲۴، تاریخ سیستان، تالیف در حدود ۴۴۵ ــ ۷۲۵، بہ تصحیح ملک الشعراء بہار، طہران، سنہ ۱۳۱۴ شمسی۔

" میں نے اس سے پہلے اس طریقے پر رباعی نہیں سنی تھی"۔ لیکن یہ ترجمہ درست نہیں معلوم ہوتا۔ عربی عبارت میں رباعی کا لفظ مذکور نہیں۔ میرے نزدیک اس کا ترجمہ یوں ہونا چاہیئے کہ "میں نے اب تک اس قسم کی نظم نہیں سنی تھی" اور مصنف کا مقصد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لئے عربی میں رباعی سننے کا عمر میں یہ پہلا موقع تھا، جب اس کے والد نے ابوالعباس باخرزی کی اس طرح کی رباعیاں سنائیں۔ باخرزی کی عبارت یہ ہے:

" ولم اكن سمعت هذه الطريقة حتى انشدنى والدى لابى العباس الباخرزى رباعيات على هذا النمط " (صفحہ ۱۷۴)

اگر میرا یہ اختلافی ترجمہ قابلِ قبول ہے تو ظاہر ہے کہ رباعی کا تعارف اگرچہ عربی میں ہو چکا تھا مگر اس کا علم خواص تک محدود تھا اور عام رواج میں نہیں آئی تھی کیونکہ باخرزی جیسا فاضل شخص اس کے وجود سے بے خبر تھا۔ باخرزی کا یہ بیان بجائے سید صاحب کی تائید کے ان کے اس قول کی کہ رباعی کہنے والے قدما عربی کے شاعر تھے واضح تردید کرتا ہے۔ بلکہ "دمیۃ القصر" میں اور موقعوں پر بھی فارسی کے ساتھ رباعی کے مربوط ہونے کی نسبت اشارے موجود ہیں چنانچہ ابونصر تمیم بن احمد الغزنوی کے حالات میں مذکور ہے:

" والغالب عليه لسان العجم ورباعية ۔" (صفحہ ۱۷۸)

محمد بن ابی نصر کے ذکر میں مرقوم ہے:

" وله رباعيات فى الفارسية رقيقة واختراعات فيها دقيقة (صفحہ ۲۶۵)

اسی طرح صفحات ۲۰۲، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۵ و ۲۹۶ پر فارسی کی متعدد رباعیاں اور ان کے عربی ترجمے منقول ہیں۔

اس کے بعد فاضل سید " دمیۃ القصر" سے عربی کی پانچ مصرع رباعیاں نقل کر کے فرماتے ہیں:

" آپ دیکھیں کہ ان سب رباعیات کے چاروں مصرعوں میں قافیے ہیں حالانکہ اسی عہد کی بلکہ

اس سے پیشتر کی فارسی رباعیوں میں اس کی پابندی مطلق نہیں ہے۔ عمّارہ مروزی، جو چوتھی صدی کے اواسط میں تھا، کہ اس نے سامانی اور غزنوی دونوں درباروں میں رسوخ پایا تھا، کہتا ہے:

آن می بدست آن بت سیمین من نگر

گوئی کہ آفتاب بہ پیوست با قمر

وان ساغری کہ سایہ ببفگند می برو

برگ گل سپید است گوئی بہ لالہ بر

تیسرا مصرع قافیے سے خالی ہے"۔ (صفحہ ۲۲۵، خیام)

چاروں مصرعوں میں قافیہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ اس عہد میں بہ تقلید چہار بیتی، دو بیتی یا مصرع رباعیاں کہنے کا دستور تھا۔ فارسی شعرا بھی اپنی دوبیتیوں میں چار قافیے ہی لاتے تھے جیسا کہ اس سے قبل گزارش ہو چکا ہے۔ سید صاحب کے ذہن میں جو تین قافیوں والی غیر مصرع رباعیاں ہیں وہ درحقیقت زمانۂ مابعد کی پیداوار ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ اوزان غیر رباعی کو اوزان رباعی کے ساتھ خلط بھی کر رہے ہیں۔ چنانچہ عمّارہ مروزی کے تین قافیوں والے اشعار بالا کو رباعی تصوّر کر رہے ہیں۔ حالانکہ رباعی کو ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ اصل میں بحر ہزج کے بارہ اخرب اور بارہ اخرم اوزان جن کی میزان چوبیس ہوتی ہے، اوزان رباعی کہلاتے ہیں اور رباعی کا اطلاق انہی اوزان پر محدود ہے۔ عمّارہ مروزی کے اشعار بحر مضارع میں ہیں۔ ان کی تقطیع ہے:

ا ا می ب	دست آ ب	ت سیمین	من نگر
مفعول	فاعلات	مفاعیل	فاعلن
گوئی ک	اا فتاب	ب پیوست	با قمر
مفعول	فاعلات	مفاعیل	فاعلن

اور وزن مضارع مثمن مکفوف و محذوف ہے۔

رباعی کے مختلف ناموں کے ذکر میں ہمارے سید والا شان قابوس نامۂ عنصر المعالی امیر کیکاؤس سے مثالیں دے کر غزل و ترانہ کو ایک ہی اصطلاح منوانے کی کوشش میں مصروف ہیں چنانچہ:

قولہ : " باب سی و پنجم اندر آئین و رسم شاعری، میں مختلف اصناف سخن کے سلسلے میں 'غزل و ترانہ' کہا ہے 'اگر غزل و ترانہ گوئی سہل و لطیف تر گوئی و بقوافی معروف گوئی'، پھر آگے چل کر ہے 'و غزل و ترانہ تر و آبدار گوئی' (صفحہ ۱۲۴، بمبئی)"

ع یہ ایسی دھری ہے کہ اُٹھائی نہیں جاتی

میں کسی حالت میں بھی سیّد صاحب کے ساتھ اتفاق نہیں کر سکتا کہ امیر کیکاؤس نے ان فقروں میں ترانے کو غزل یا غزل کو ترانہ سمجھا ہے۔ غزل و ترانے میں خبط کر دینا اور یہ سمجھنا کہ چونکہ دونوں معطوف و معطوف علیہ ہیں اس لئے معنوں میں شترک ہیں، صریح مسلمات سے انکار کرنا ہے۔ غزل و ترانہ سے عنصر المعالی کی مراد یہی مشہور دو اقسام نظم ہیں، جو غزل اور دوبیتی کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔ یہاں سیّد صاحب ایک شدید قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اسی سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

قولہ : " محمد بن قیس رازی نے معجم (سنہ ۶۱۴ھ - ۶۳۰ھ) میں ذرا ذرا سے فرق سے اس کے حسب ذیل نام بتلاتے ہیں :-

قول : ھر چہ ازان جنس برابیات تازی (عربی) سازند آن را قول گویند۔

غزل : و ھر چہ بر مقطعات پارسی باشد آن را غزل خوانند۔

ترانہ : اھل دانش ملحونات این وزن را ترانہ نام کردند۔

دوبیتی : و شعر مجرّد آن را دوبیتی خوانند برای آنک بنای آن بر دو بیت بیش نیست۔

رباعی : و مستعر بہ آن را رباعی خوانند از بہر آنک بحر ھزج در اشعار عرب مربع الاجزا آمدہ است پس ھر بیت ازین وزن دو بیت عربی باشد۔ (صفحہ ۹۰)

قدما کے کلام میں غزل و ترانہ کا لفظ ساتھ ساتھ آتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد تک غزل کی موجودہ اصطلاح پختہ نہیں ہوئی تھی۔" (صفحہ ۲۲۷، خیام)

سیّد صاحب قول و غزل و ترانہ کو مرادف شمار کر رہے ہیں۔ حالانکہ ایسی غلط فہمی نہ قدما میں تھی نہ متاخرین میں۔ یہ اصطلاحیں ہمیشہ جُدا جُدا مانی گئی ہیں، مانی جاتی ہیں اور مانی جاتی رہیں گی۔

ہمیں یقین ہے کہ سیّد والا مناقب کو ایک شخص بھی ان کی رائے کا موید نہیں ملے گا۔ اسی طرح میرے مخدوم، شمس قیس کا اصل مطلب سمجھنے میں قاصر رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان اصطلاحات میں شمس قیس نے ذرا ذرا سے فرق سے رباعی کے مختلف نام دیئے ہیں حالانکہ شمس قیس کی مراد بالکل مختلف ہے۔ مصنّف موصوف رباعی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

" درحقیقت ان تمام نو ایجاد اوزان میں سے جو خلیل کے بعد ایجاد ہوئے ہیں کوئی وزن، وزن رباعی سے زیادہ دلاویز اور مرغوب طبع عوام نہیں کیونکہ موسیقی کے فن کاروں نے اس وزن میں نفیس نفیس لحنین اور لطیف لطیف راہیں بٹھائی ہیں [اس کے بعد بطور جملہ معترضہ کہتے ہیں] اور دستور یوں چلا آیا ہے کہ اس جنس (لحنوں) سے جو کچھ عربی اشعار میں بٹھایا جاتے اسے قول کہتے ہیں۔"

گویا مصنّف کے نزدیک قول اس راگ یا سرود کا نام ہے جو عربی اشعار میں بٹھایا جاتا ہے۔ اس بارے میں اہلِ لغت بھی مصنّف کے ساتھ متفق ہیں۔ ان کے نزدیک قول ایسا سرود ہے جس میں عربی عبارت شامل ہوتی ہے :

" در اصطلاح موسیقیان نوعی از سرود کہ دران عبارت عربی نیز داخل باشد۔" اسی لئے قول گانے والا قوّال کہلاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ قول ہمارے مصنّف کے نزدیک ترانہ یا رباعی سے بالکل مختلف چیز ہے۔

اس کے بعد شمس قیس کا بیان ہے کہ : " جو لحنین فارسی مقطعات یعنی اشعار میں بٹھائی جائیں انہیں غزل کہتے ہیں۔" اس سے مطلب شعرا کی غزل نہیں ہے بلکہ موسیقی کی۔ اس جملے میں مقطّعات کی اصطلاح تشریح طلب ہے۔ فارسی لغات کا بیان ہے :

" مقطّعات شعرہای سبک وزن و اشعار بحر رجز۔"

یہ جاننے کے بعد مصنّف کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ فارسی کے سبک اوزان اشعار میں لکھا جاتا ہے اسے غزل کہتے ہیں۔ شیخ بہاء الدین برناوی متوفی سنہ ۱۰۳۸ھ، جو موسیقی میں امیر خسرو کے بعد امامِ فن کا رتبہ رکھتے ہیں، غزل کی تشریح یوں کرتے ہیں :

"غزل وہ قسم ہے جس میں ایک غزل یا اس کے انتخابی ابیات سادہ راگ اور تال میں بغیر تانا تلی کے باندھ دیں اس قسم میں پردۂ ولائتی مقلوب کر دیتے ہیں بلکہ بعض اقسام میں نہیں لاتے۔ اس کو جکری اور بشنپد سے زیادہ مشابہت ہے۔" (صفحہ ۷۷، اورینٹل کالج میگزین، مئی سنہ ۱۹۲۷ء)

اس کے بعد مصنّف ممدوح کا بیان ہے کہ "اہلِ دانش نے اس وزن یعنے وزن رباعی کی لحون کا نام ترانہ رکھا ہے؛ جسے بمناسبت شعر فارسی دوبیتی کہتے ہیں اور عربی خواں رباعی۔"

بالفاظ دیگر رباعی بحیثیت اصطلاح موسیقی ترانہ کہلاتی ہے۔ باعتبار شعر دوبیتی اور عربی خوانوں میں رباعی کہلاتی ہے۔ اس سے پیشتر مصنف نے قول، غزل اور ترانہ کا فرق موسیقی کے اعتبار سے دکھایا تھا۔ یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں تھا کہ وہ ایک دوسرے کے مرادف ہیں۔ اس کا ثبوت ہمارے پاس یہ ہے کہ شمس قیس نے اپنی اسی تصنیف میں کسی دوسرے مقام پر غزل و رباعی کی جنہیں سیّد صاحب ایک سمجھ رہے ہیں' جدا جدا صراحت کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصنّف مذکور کے نزدیک غزل و رباعی نظم کی دو مختلف اقسام ہیں۔ چنانچہ غزل کے متعلق لکھتے ہیں:

"و غزل در اصل لغت حدیث زنان و صفت عشق بازی با ایشان و تہالک در دوستی ایشان است و مغازلت عشق بازی و ملاعبت است با زنان .... و بیشتر شعرای مغلق ذکر جمال معشوق و وصف احوال عشق و تصابی را غزل خوانند .... و بحکم آنکہ مقصود از غزل ترویح خاطر و خوش آمد نفس است باید کہ بناء آن بر وزنی خوش مطبوع و الفاظی عذب سلس و معانی رائق مروق نہند و در نظم آن از کلمات مستکرہ و سخنان خشن محترز باشند۔" (صفحہ ۳۸۰، المعجم)

اور رباعی کے متعلق کہتے ہیں:

"ہم چنین رباعی کہ پیش ازین در قسم عروض شرح آن گفتہ آمدہ است بحکم آنکہ بناء آن بر دو بیت بیش نیست باید کہ ترکیب اجزاء آن درست و قوافی متمکن و الفاظ عذب و معانی لطیف باشد و از کلمات حشو و تجنیسات متکرر و تقدیم و تاخیرات ناخوش خالی بود و اگر بآن چیزی از صناعات مستحسن و مبتدعات مطبوع چون مطابقۂ لطیف و تشبیہی درست و استعارتی لطیف و تقابلی موزون و ایہامی

شیرین یار بود نیکو تر آید ۔" (صفحہ ۲۸۸، المعجم)

ابوطلب رباعی گو کی نسبت جس کا ذکر فرخی کے مسبوق الذکر شعر میں آتا ہے، سیّد صاحب رقم طراز ہیں:

قولہ : " ابوطلب نام کسی شاعر کا پتہ ہم کو نہیں چلتا ۔ فرخی، جس کا یہ شعر ہے اس نے سنہ ۴۲۹ھ میں وفات پائی ہے ۔ اس لئے ابوطلب ترانہ گو کا زمانہ اس سے تو بہر حال پہلے تھا ۔ ایک خیال ہوتا ہے کہ ابوطلب، ابو دُلف تو نہیں مگر یہ امر سراپا تحقیق طلب ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو ترانہ گوئی کا زمانہ تیسری صدی ہجری کے اوائل میں پہنچ جاتے گا ۔" (صفحہ ۲۲۹، خیام)

سُبحان اللہ ابھی تحقیقات شروع بھی نہیں ہوئی لیکن سیّد والا منزلت نے پہلے ہی حکم لگا دیا کہ 'اگر یہ صحیح ہے تو ترانہ گوئی کا زمانہ تیسری صدی میں پہنچ جاتے گا، اچھا اگر یہ غلط ثابت ہُوا تو پھر کونسی صدی میں پہنچ جاتے گا؟

یہاں ہم سیّد صاحب کی تحقیقات سے اعراض کرکے اس قدر کہنا چاہتے ہیں کہ جیسا اس سے قبل بیان ہو چکا ہے، شعر بالا جس میں ابوطلب کا نام مذکور ہے، فرخی کے بائیہ قصیدے سے تعلق رکھتا ہے، جس میں 'بے' روی اور قافیہ غضب، رجب، عجب، ادب، نسب وغیرہ ہے ۔ ان مراتب کو جانتے ہوتے بوطلب کی جگہ بو دُلف کو قبول کرنے میں جس کے سیّد صاحب محرک ہیں ہمیں بے شمار مشکلات سے سابقہ پڑے گا کیونکہ نہ صرف بوطلب کو بو دلف میں تبدیل کرنا کفایت کرے گا بلکہ قصیدے کے تمام قافیوں کی 'بے' کو جن کی تعداد پچاس ہے 'فے' کے ساتھ تبدیل کرنا پڑے گا جس سے نہایت مضحک صورت پیدا ہو جاتے گی اور وہی معاملہ پیش آتے گا جو سعدی کے مصرع :

ع شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

کو 'خفیہ' باشد پڑھنے سے پیش آیا تھا یعنے اس کے پہلے شعر :

تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

کے قافیوں گفتہ و نہفتہ کو نئی ترمیم کی خاطر گفیہ و نہفیہ پڑھنے پر مجبور ہونا پڑا تھا ۔

یہ ابوطلب کا بدل ابو دلف، جو بقول دولت شاہ، یعقوب صفّار متوفی سنہ ۲۶۵ھ کے دربار

میں ابن الکعب، ایک اور شاعر کے ساتھ رباعی کا موجد مانا گیا ہے اور موجودہ تحقیقات جس کا کوئی پتہ نشان نہیں دیتی، ہمیں تو صرف دولت شاہ کے تخیل کی ایک مخلوق معلوم ہوتا ہے۔ مگر ہمارے محترم نے اس غیر حقیقی شخصیت کو حقیقی شخصیت دینے کے لئے مامون و معتصم کے عہد کے ایک امیر ابودلف عجلی متوفی سنہ ۲۲۶ھ کے ساتھ شناخت کر لیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

قولہ : دولت شاہ نے اپنی روایت میں یعقوب صفّار کے دربار کے جن دو شاعروں کے نام لئے ہیں ان میں سے ابن الکعب سے ہم واقف نہیں۔ البتہ رابعہ بنت الکعب (دخترِ کعب) کا ذکر ملتا ہے، جو عہد سلاطین غزنین (پانچویں صدی) میں تھی (عوفی ۲-۶۱) دوسرے شاعر ابودلف عجلی کا تذکرہ سیاسی و ادبی کتابوں میں ملتا ہے۔ یہ شخص نسلاً عرب اور مامون و معتصم کے عہد میں ایران کا سپہ سالار تھا۔ قاسم بن عیسیٰ نام تھا۔ ابن خلکان نے اسی نام کے تحت میں اس کا پورا حال لکھا ہے۔ سنہ ۲۲۶ھ میں اس نے وفات پائی۔" وغیرہ وغیرہ اور آخر میں اضافہ ہوا ہے:

"اس کا زمانہ امیر یعقوب صفّار سے پہلے تھا۔ یعقوب صفّار کے عہد میں اس کے بیٹے عبدالعزیز بن ابی دلف کا نام اصفہان کی سیاست کے سلسلے میں آتا ہے۔" (صفحہ ۲۳۰-۳۱، خیام)

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ حضرت مولینا نے ان دونوں اشخاص میں کیا وجہ مماثلت دیکھی کہ دونوں کو ایک مان لیا۔ گویا امیر ابودلف عجلی سنہ ۲۲۶ھ میں وفات پاکر بروئے تناسخ دوبارہ جنم لے کر یعقوب بن لیث کے دربار میں بحیثیت شاعر نمودار ہوتا ہے، اگرچہ مولینا ابودلف کو یعقوب صفّار سے اقدم بھی مان رہے ہیں۔ ایک لطف یہ ہے کہ جب جناب سیّد کو دولت شاہ کا مبینہ ابن الکعب نہ مل سکا تو بنت الکعب پر قناعت کر لی جس کا زمانہ عہدِ آلِ غزنہ بیان کرتے ہیں۔

سیّد صاحب کا خیال ہے کہ رودکی کے زمانہ میں غزنی کوئی آباد شہر نہ تھا۔ اسی بنا پر شمس قیس کا روایت کردہ وہ قصہ، جو رباعی کی ایجاد پر روشنی ڈالتا ہے اور جس میں رودکی شاعر غزنین کے مرغزار میں عید کے روز سیر و گشت میں مصروف دکھایا گیا ہے، ان کے نزدیک ناقابلِ قبول ہے کیونکہ جب شہر ہی آباد نہ تھا تو شاعر وہاں کیوں جاتا۔ (دیکھو صفحہ ۲۳۰، خیام)

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ غزنین قدیم شہروں میں سے ہے۔ بروایت تاریخ کامل عبدالرحمٰن بن سمرہ بخلافت حضرت عثمانؓ غزنین کو فتح کرتا ہے (ج ۳، صفحہ ۵۰) "تاریخ سیستان" میں مذکور ہے:

"وغزنین یعقوب بن اللیث ملک الدنیا کرد۔[1] (صفحہ ۲۴)

سنہ ۲۸۶ھ کے قریب یعقوب کے بھائی عمرو لیث کے زمانے میں ناسد ہندی و آلمان ہندی متحد ہو کر غزنین پر چڑھ آتے ہیں اور عمرو کے عامل بردعالی کو شکست دیتے ہیں (صفحہ ۲۵۵، تاریخ سیستان)۔ اسی خاندان کے ایک اور فرد لیث بن علی کے عہد میں اس کا سالار معدل سنہ ۷-۲۹۶ میں غالب کو قید کر کے لیث کے پاس سیستان بھیجتا ہے اور پھر غزنین پہنچ کر سنجک کو قتل کرتا ہے سنجک کی فوج معدل کی تلاش کرتی ہے لیکن معدل غزنین میں نہیں ملتا۔ (صفحہ ۲۸۷، تاریخ سیستان)

سنہ ۲۹۸ھ کی ذیل میں آتا ہے:

"وخطبہ بہ سیستان و بست و کابل و غزنین محمد بن علی بن اللیث راھی کردند۔" (صفحہ ۲۹۰)

امیر نصر بن احمد سامانی (سنہ ۳۰۱ - ۳۳۱ھ) کے سال جلوس کے ذکر میں یہ عبارت ملتی ہے:

"وعبیداللہ بن احمد بن جیہانی در بست و رخج بود و سعید طالقانی را بگرفت و بہ بغداد فرستاد وفضل وخالد بر غزنہ و بست دست یافتند۔" (صفحہ ۲۰۰، احوال و آثار رودکی، جلد اوّل)

ان مثالوں سے تو غزنین رودکی کے زمانے میں ایک اہم اور آباد شہر معلوم ہوتا ہے۔ ایک امرِ دلچسپی کا موجب یہ ہے کہ بنت الکعب جسے ہمارے سید بروایت عوفی آل غزنہ کے زمانے میں جگہ دیتے ہیں، شیخ فریدالدین عطار، جو عوفی سے بھی اقدم ہیں، رودکی کی معاصر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے رودکی کے ساتھ مشاعرات کئے ہیں، جن دنوں رودکی اس شاعرہ کے وطن میں آیا تھا، اس کا نام زین العرب بتاتے ہیں[2]،

---

[1] یعنی آباد کرد۔

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اورینٹل کالج میگزین، مئی سنہ ۱۹۲۵ء۔ (یہ مضمون مقالات حافظ محمود شیرانی جلد پنجم کے صفحہ ۱۵۸ پر دیکھا جا سکتا ہے۔ - مرتب)

میں نے ابو شکور بلخی کی ایک رباعی کو جس کا "آفرین نامہ" سنہ ۳۳۲ ھ میں ختم ہوتا ہے، سب سے قدیم رباعی بتاتا ہے۔ اس پر سیّد صاحب نے اعتراض کیا اور کہا کہ ایسی رباعیاں عوفی کے ہاں دس بارہ سے زیادہ ہیں۔ یہاں میں یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ سیّد صاحب کے نزدیک سب سے قدیم رباعی کونسی ہے۔ اُنہوں نے سرِ فہرست حنظلہ بادغیسی متوفی سنہ ۲۱۹ ھ کی رباعی کو جگہ دی ہے مگر جیسا کہ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں، وہ رباعی دو بیت ہیں اور دوبیتی نہیں ہے۔ اس کے بعد سیّد صاحب نے بایزید بسطامی متوفی سنہ ۲۳۴ ھ کے نام پر تین غیر مقرع رباعیاں دی ہیں اور زبان کی صفائی اور دالہ داغستانی کی تائید مزید کی بنا پر ان رباعیوں کو بایزیدی ٹکسال کا نہیں مانا۔ زاں بعد رودکی کا نمبر آتا ہے، جس کی سات رباعیاں درج کی ہیں اور آخر میں اضافہ کیا ہے کہ "ان رباعیوں پر بھی یقین نہیں کہ وہ واقعی اسی کی ہیں"۔ اس کے بعد فاضل سیّد نے فارابی کا تو اس انداز سے اعلان کیا ہے جس سے گمان گزرتا ہے کہ رباعی گوئی مدت العمر اس کا پیشہ رہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

" رباعی گو حکیموں میں پہلا نام اور مطلق رباعی گویوں میں تیسرا نام معلّم ثانی ابونصر فارابی المتوفی سنہ ۳۳۹ ھ کا ملتا ہے۔" (صفحہ ۲۲۴، خیام)

تین غیر مقرع رباعیاں اس کے نام پر نقل کی ہیں، جو اوروں کی طرف بھی منسوب ہیں۔ سیّد صاحب کے نزدیک فارابی کی رباعی گوئی کے یہ قرائن ہیں کہ گو نسلاً وہ ترک تھا مگر اس زمانے میں عجم و ترکستان کی عام زبان فارسی ہی تھی۔ اس کے علاوہ وہ متعدد زبانوں سے واقف تھا۔ اس لئے اس کی طرف فارسی رباعیات کا انتساب غیر متوقع نہیں ہے۔ شہرزوری کی "تاریخ الحکماء" میں ہے: "اصلہ فارسی"۔

میں کہتا ہوں، ایسے غیر متعلق قرائن، تین رباعی تو بہت ہوتی ہیں، فارابی کے حصّے میں ایک رباعی دینے کو بھی، ہمیں آمادہ نہیں کر سکتے۔ آگے جا کر خود ہمارے مخدوم یقین اور بے یقینی کے سیلاب میں بہ گئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

" مگر ان قرائن کے باوجود کوئی قدیم اور غیر مشکوک دلیل، اس کے رباعی گو شاعر ہونے پر ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ شہرزوری نے 'تاریخ الحکما' میں اس کے حال میں لکھا ہے ' ولہ اشعار

حسنة حکمیّة' اور اس کے اچھے حکیمانہ اشعار ہیں اور اس کے عربی حکیمانہ اشعار دو صفحوں میں نقل کئے ہیں۔"

یہاں ایک سوال ہو سکتا ہے کہ ان دو صفحہ عربی اشعار کی بنا پر کیا ہم فارابی کو فارسی کے میدان میں رباعی گو شاعر اور رباعی گو حکیم کہنے میں الفاظ کا بے جا اور بے معنی استعمال نہیں کر رہے ؟

ایک موقع پر ہمارے مکرّم سیّد، شیخ احمد بدیلی سبزواری (جو سنہ ۵۸۲ھ میں موجود تھے) اور شیخ فریدالدین عطّار (المتوفی سنہ ۶۲۷ھ) کے ذکر کے بعد رقم طراز ہیں:

"اس وقت تک شاعری کے جو اصناف رواج پذیر تھے وہ قصیدہ، مثنوی اور قطعہ تھے۔"

(صفحہ ۲۴۹)

پھر فرماتے ہیں:

"اور غزل بحیثیت ایک مستقل صنف سخن کے اب تک پیدا نہیں ہوئی تھی جس میں معنی کے لحاظ سے ہر شعر بجائے خود مستقل ہوتا ہے۔ کمال اسمٰعیل متوفی سنہ ۶۳۵ھ نے اس طرز کا آغاز کیا اور شیخ سعدی المتوفی سنہ ۶۹۱ھ نے اس کو کمال کو پہنچایا۔ اس لئے فلسفہ و حکمت کے مختصر متفرق خیالات کے لئے رباعی کے سوا کوئی چیز اس وقت موجود نہ تھی۔" (صفحہ ۲۵۰، خیام)

اس عہد سے پیشتر قول و غزل و ترانہ، جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں، شعری تثلیث بنے ہوتے تھے مگر کمال اسمٰعیل کے دور میں غزل قوام میں آکر پختہ ہو گئی۔ معلوم نہیں سیّد والاجاہ ان لوگوں کو کیا کہیں گے جو غزل کے علیحدہ وجود کے رودکی کے عہد سے قائل ہیں۔ مثلاً محمود کے دربار کا ملک الشعراء عنصری، رودکی کی غزلیات پر رشک کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں رودکی کی طرح غزلیں نہیں لکھ سکتا:

غزل رودکی وار نیکو بود
غزلہائے من رودکی وار نیست

میں یہاں رودکی کی غزل کا ایک مطلع بھی درج کر دیتا ہوں:

کس فرستاد بسرّ آن بت عیّار مرا
کہ مکن یاد بشعر اندر بسیار مرا

دقیقی کی دو غزلیں تو لباب الالباب عوفی میں موجود ہیں۔ میں صرف ان کے مطلعوں پر قناعت کرتا ہوں :

کاشکی اندر جہان شب نیستی
تا مرا هجران آن لب نیستی

اور :

ای ابر بهمنی نه بچشم من اندری
دم زن زمانکی و برآسای و کم گری

شمس قیس، دقیقی کی ایک اور غزل نقل کرتے ہیں اور رائے دیتے ہیں :

و دقیقی غزل مشکول گفته است و بعلت بی انتظامی ارکان و اختلاف اجزا در قبول طبع بدین بیت نسبتی ندارد و غزل اینست :

شب سیاه بدان زلفکان تو ماند
سپید روز بپاکی رخان تو ماند
عقیق را چو بسایند نیک سوده گران
که آبدار بود با لبان تو ماند
بروستان ملوکان هزار گشتم بیش
گل شگفته برخسارگان تو ماند
دو چشم آهو و دو نرگس شگفته ببار
درست و راست بدان چشمکان تو ماند
کمان بابلیان دیده ام و طرازی تیر
که برکشیده شود با بران تو ماند

ترا بسرو بین بالا قیاس نتوان کرد

که سرو را قد و بالا بدان تو ماند

(صفحہ ۱۳۰، المعجم)

رابعہ بنت کعب القزداری کی غزل کی نسبت عوفی رقم کرتا ہے :

" واین غزل از کعب الغزال در حلاوت زیاده است" (صفحہ ۶۲، لباب) میں صرف مطلع درج کرتا ہوں :

مرا بعشق همی محتمل کنی بحیل

چه حجت آری پیش خدای عزّ وجلّ

شعرای غزنہ میں سے عنصری اور فرخی کی غزلیات ان شاعروں کے دیوانوں میں موجود ہیں۔ عسجدی کی غزل کے نمونے عوفی نے لباب الالباب میں صفحہ ۵۲ پر اور رابو اللیث طبری کے صفحہ ۶۶ پر، امیر معزّی کے صفحہ ۵۷۔۰۷ پر، عبدالواسع جبلی کے صفحہ ۱۰۸۔۱۰۷ پر، خالد بن الربیع کے صفحہ ۴۔۱۴۳ پر اور سمائیؔ مروزی کے صفحہ ۷۔۱۲۵ پر مرقوم کئے ہیں۔ انوری و خاقانی کے تو مستقل دیوان موجود ہیں جو ان کے کلّیات میں شامل ہیں۔ بلکہ سنائی (المتوفی سنہ ۵۴۵ھ) کے ہاں غزل ایک نئی کروٹ لیتی ہے۔ مقطع میں تخلص کا استعمال باقاعدہ شروع ہو جاتا ہے۔ واردات حقیقت کو مجاز کی زبان میں ادا کرنا انہی سے شروع ہوتا ہے اور صومعے کو خیرباد کہہ کر خرابات نشینی اختیار کی جاتی ہے۔ عطار اور مولینا روم سنائی کی بنیادوں پر قصر و ایوان کھڑے کرتے ہیں۔ میں یہاں سنائی کی ایک غزل حوالۂ قلم کرتا ہوں :

ای ساقی می بیار پیوست

کان یار عزیز توبه بشکست

برخاست زجای زهد و دعوی

در میکده با نگار بنشست

بنهاد ز سر ریا وطامات
از صومعه ناگهان برون جست

بنهاد ز پای، بند تکلیف
زنار مغانه بر میان بست

می خورد و مرا بگفت می خور
تا بتوانی مباش جز مست

اندر رہ نیستی همی رو
آتش در زن بهر چه وی هست

میں صرف اسی مختصر بیان پر قناعت کر کے عرض کرتا ہوں کہ سامانیوں، غزنویوں اور سلجوقیوں کے عہد میں غزل کے وجود سے انکار کرنا تاریخ کے مسلّمہ واقعات کو نظر انداز کر دینا ہے۔

یہاں میں اس بحث کو ختم کرتا ہوں اور اصل موضوع سے ہٹ کر مولٰنا سیّد سلیمان کے ساتھ بحث چھیڑنے کے واسطے اپنے ناظرین سے معافی کا خواستگار ہوں۔ حقیقت میں سیّد صاحب ممدوح کی آرار، رباعی کی قدامت اور دیگر امور متعلقہ کی بابت، نہ صرف ہماری فنی روایات سے متباین و متفاوت ہیں بلکہ ان سے عام غلط فہمی پیدا ہو جانے کا بھی احتمال ہے۔ اسی لئے مجھے ایسے بیانات کی تردید کرنے کی جرأت ہوئی۔

مجھے شکایت ہے کہ سیّد صاحب نے باوجودیکہ کئی موقعوں پر مجھے اپنی قابلِ قدر تالیف 'خیام' میں ملزم ٹھہرایا ہے لیکن اس کا کوئی نسخہ میری اطلاع کے واسطے حسبِ رواج زمانہ مجھے نہیں بھیجا اور مجھ کو بے خبر رکھ کر لائقِ تعزیر قرار دیا۔ میں اس یک طرفہ کارروائی کے خلاف احتجاج کرتا ہوں۔ یہ خفیہ تیراندازی نامناسب ہے :

لاف آن بهتر که در میدان سربازان زنیم
شرط دعوی نیست تنها گوی و چوگان باختن

حال ہی میں جب میں نے رباعی کی تقطیع کے آسان طریقے پر قلم اٹھانا چاہا، اس کی تاریخ کے سلسلے میں مخدومی پروفیسر ڈاکٹر اقبال نے سید صاحب کی تالیف کا بھی ذکر کیا، جس میں رباعی پر ایک طویل الذیل مضمون موجود ہے۔ اس طرح سید صاحب کے اعتراضات سے مجھے دیر میں اطلاع ملی اور یہ میرا قصور نہیں ہے اگر جواب دیر میں دیا گیا۔

ان مباحث سے فارغ ہو کر مجھے اصل موضوع کی طرف رجوع کرنی چاہیے۔ ترانہ، موسیقی میں باعتبار اقسام الحان و رنگینی نغمات خواہ کتنا ہی دل پذیر و خوش آیند کیوں نہ ثابت ہو، عروضی اوزان کے اعتبار سے ہمیشہ دقت اور دشواری کا سامان بنا رہا ہے۔ غیر رباعی اوزان سے اس کی شناخت نہ صرف عوام بلکہ شعرا کے لئے بھی ایک کٹھن مرحلہ ہے۔ اس کے متعلق اکثر لوگوں کو متشابہ لگ جاتا ہے۔ سید سلیمان پہلے شخص نہیں ہیں جو حنظلہ بادغیسی اور عمارہ مروزی کے شعروں کو رباعی سمجھنے کی غلطی میں مبتلا ہوئے بلکہ ان سے پیشتر بھی بہت لوگوں کو رباعی کے باب میں دھوکا ہوا ہے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بعض غیر رباعی اوزان کو رباعی سمجھتے رہے اور جب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس کے ازالے کی کوشش کی۔ مرزا غالب کے واسطے مولینا نظم طباطبائی نے اپنی شرح دیوان غالب میں ذکر کیا ہے کہ مرزا ایک رباعی میں سہواً ایک سبب خفیف زاید از وزن باندھ گئے ہیں۔ وہ رُباعی حسب ذیل ہے، جس کے مصرع دوم میں ایک 'رک' زاید از وزن ہے :

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب
دل رک رک کر بند ہو گیا ہے غالب
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں
سونا سوگند ہو گیا ہے غالب

چاروں مصرعوں میں اختلاف کا جواز بھی رباعی کے فارسی کی اشکال میں اضلے کا مورث ہوا ہے۔ ان مشکلات پر نظر رکھ کر اوّل تو عروضیوں نے اوزان رباعی کو ایک علٰحدہ صنف قرار دیا اور ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوگا اگر اسی بنا پر قدما نے بحر ہزج میں ہزج اخرب کی ایک ذیلی تقسیم علٰحدہ قائم کر دی ہو۔

محقق طوسی کی "معیار الاشعار" میں بحر ہزج کی ذیلی تقسیمیں موجود ہیں یعنی ہزج مکفوف و ہزج اخرب۔ رباعی صنف دوم میں شامل ہے۔ دوسرے بہ نظر سہولت اس کی قدرتی تقسیم کو مدنظر رکھ کر تمام اوزان کو اخرب واخرم دو شجروں میں مرتب کر دیا ہے۔

(۲)

شجرۂ اخرب واخرم

رباعی کی تاریخ میں دوسرا انقلاب شجرۂ اخرب واخرم کی ایجاد ہے۔ یعنی اس کے چوبیس اوزان کو بارہ بارہ اوزان کے دو شجروں میں تقسیم کر دینا۔ ان شجروں کے واضع امام عین الزماں حسن قطّان مروزی ہیں، جو سلطان سنجر کے عہد کے ایک زبردست حکیم، طبیب، مہندس اور ادیب ہیں۔ "تتمہ صوان الحکمہ"[۱] میں جو حکمائے اسلام کی ایک تاریخ ہے، ان کا ذکر ملتا ہے۔ عین الزماں ابی العباس لوکری کے شاگرد ہیں۔ موزوں طبیعت رکھتے تھے۔ کئی تصانیف کے مالک ہیں۔ از انجملہ "گیہان شناخت" ہیئت میں، طب میں کئی رسالے، ایک کتاب "دوحہ" انساب میں، ایک کتاب عروض میں ہے۔ تقلیل غذا ان کے معالجے کی ایک نمایاں خصوصیت تھی[۲]۔ غذا درکنار غذائی دواؤں سے بھی احتراز کرتے تھے۔

سنہ ۵۳۶ھ میں جب قراختائیوں نے قطوان کی جنگ میں سلطان سنجر کو شکست دی، اتسز خوارزمشاہ میدان خالی دیکھ کر مرو پر، جو سنجر کا دارالسلطنت تھا چڑھ دوڑا۔ اس موقع پر مرو کے غنڈوں کی ایک جماعت خوارزم شاہی فوج کے ساتھ مل گئی اور شہر میں قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ رشید وطواط، وزیر دیوان رسالت خوارزم شاہ سے امام حسن قطّان کے دیرینہ تعلقات تھے۔ امام صاحب ایک نہایت قیمتی اور بے نظیر کتب خانے کے مالک تھے۔ اس کے غارت ہو جانے کے خوف سے انہوں نے وطواط سے، جو اتسز کی فوج

---

[۱] از علی بن زید البیہقی متوفی سنہ ۵۶۵ھ، مرتبہ پروفیسر محمد شفیع، سنہ ۱۹۳۵ء

[۲] تتمہ صوان الحکمہ، صفحہ ۱۵۵۔

میں موجود تھے، سلسلہ جنبانی کی کہ میر اکتب خانہ خوارزم شاہی لشکر میں منگوا لیا جائے تاکہ تلف ہو جانے سے محفوظ رہے۔ لیکن وطواط نے ان کی منت پر کان نہیں دھرے اور نتیجہ یہ ہُوا کہ تمام کتب خانہ غارت ہو گیا۔ امام صاحب کو بے حد صدمہ ہُوا۔ جوشِ غضب میں انہوں نے وطواط کو مطعون کرنا شروع کیا کہ میرا کتاب خانہ ان کے اشارے سے غارت ہُوا اور ہر محفل و مجلس میں اس کا چرچا کرتے رہے۔ وطواط نے معذرت میں عین الزماں کو لکھا کہ میں آپ کی خواہش کے مطابق آپ کے مکان پر پہنچا لیکن چونکہ کتابیں بڑی تعداد میں تھیں اور اُن کے نقل کئے جانے کا کوئی بندوبست ممکن نہیں تھا اس لئے میں کتابوں کو اسی طرح چھوڑ کر واپس چلا آیا۔ اس جواب سے عین الزمان کی تسلی نہیں ہوئی اور بدستور وطواط کی بدگوئی میں مصروف رہے۔ آخر رشید نے اپنے مراسلات میں سختی کا لہجہ اختیار کیا اور دھمکی دی کہ اگر عین الزمان اپنی حرکات سے باز آ گئے تو میں بدستور ان کا مخلص قدیم ہوں اور اگر میری بدنامی میں اسی طرح مصروف رہے تو میں ان کے خلاف چارہ جوئی کروں گا۔ یہ نوبت آنے پر ان میں کچھ صفائی کی صورت پیدا ہو گئی اور قصہ ختم ہو گیا[1]

امام عین الزمان ان شجروں کی ایجاد کی بنا پر دنیائے عروض میں بے حد مشہور ہیں اور تقریباً ہر عروضی اپنی تالیف میں ان کا تذکرہ کرتا ہے۔ شمس قیس "المعجم" میں کہتے ہیں کہ:

"خواجہ امام حسن قطان کہ یکی از آئمۂ خراسان بودہ است دو شجرہ ساختہ است یکی را شجرۂ اخرب گویند و دیگری را شجرۂ اخرم۔" (صفحہ ۹۱)

سیفی اپنے رسالے میں تحریر کرتے ہیں:

"و از برای ضبط این اوزان خواجہ حسن قطان کہ از آئمۂ خراسان بودہ است دو شجرہ ساختہ است یکی را شجرۂ اخرب گویند و دیگری را شجرۂ اخرم۔"

امام حسن قطان کے شجروں کا مطالعہ ہمارے لئے بڑی دلچسپی کا موجب ہوتا مگر افسوس سے کہا جاتا

---

[1] حدائق السحر تالیف رشید الدین محمد عمری کاتب بلخی معروف بہ وطواط متوفی سنہ ۵۷۳ھ طہران صفحہ ط۔

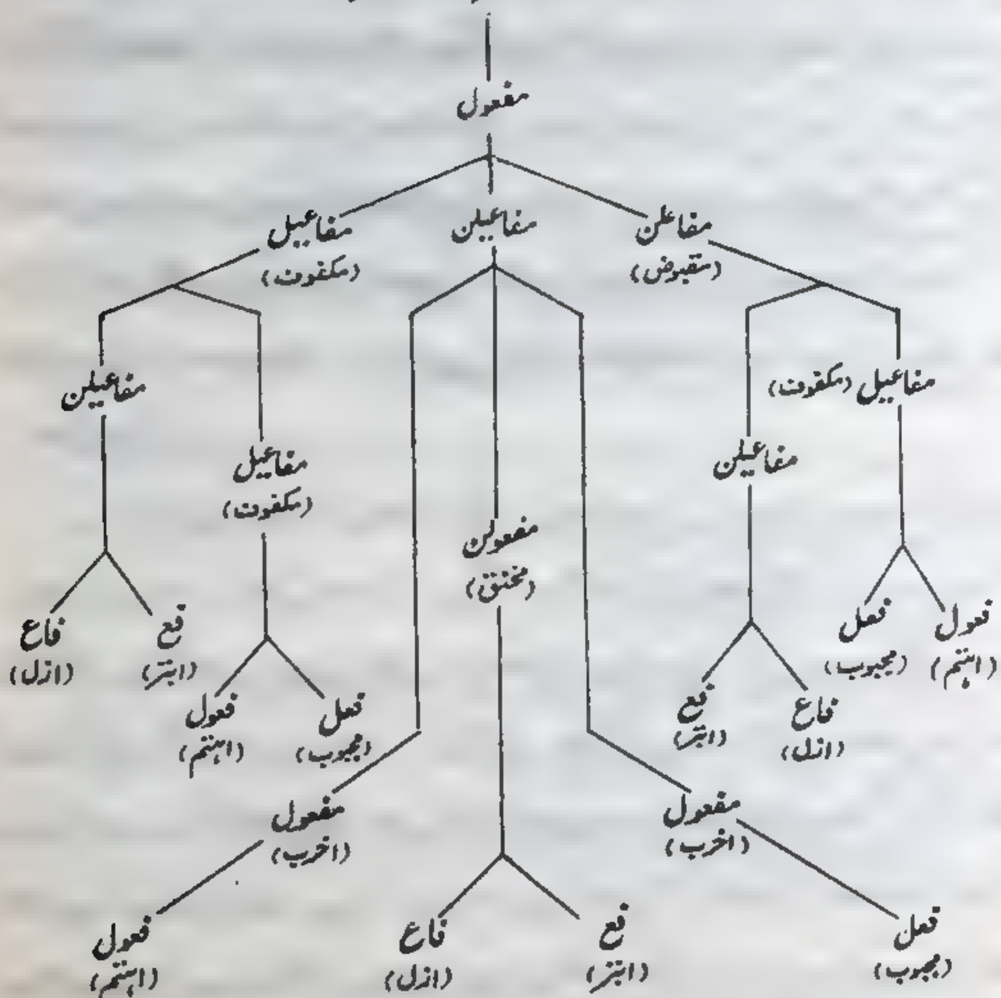
ہے کہ دیگر عروضی قدیم تالیفات کی طرح ان کی یہ عروضی تالیف بھی مفقود و معدوم ہے۔ البتہ شمس قیس کا بیان ہے کہ میں نے اپنی تالیف میں وہ شجرے اسی صورت میں نقل کئے ہیں:

"من درین تالیف همان صورت نقش کردم۔" (صفحہ ۹۱، المعجم)، مگر شمس قیس کی کتاب کے مرتب مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی یہ بری خبر سناتے ہیں کہ نسخہ اصل میں چونکہ شجرے کا زیریں حصہ شکستہ تھا، میں نے وحید تبریزی وغیرہ کے رسائل عروض سے اس کو درست کر لیا۔ جب مطبوعہ المعجم کے شجرے کو المعجم کے قلمی نسخوں سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض جزویات کے سوا دونوں شجرے یکساں ہیں۔ یہ شجرہ اگرچہ ایک حد تک سلجھا ہوا ہے مگر اس کی ساخت و ترتیب اعتراض سے خالی نہیں۔ ایک تو اس میں چھ کی جگہ سات متوازی خطوط یا شاخیں بنا کر بادی النظر میں طالب علم کے لئے الجھن کا سامان پیدا کر دیا ہے اور جس کی بنا پر حشو دوم یا مصرعے کے تیسرے رکن مفعول کو دیگر اوزان کے برخلاف دو جگہ یعنی مفعولن سے پہلے اور پیچھے رکھا گیا ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ دانستہ اختیار کیا گیا ہے تاکہ مفعولن کو قلب میں جگہ مل جائے اور باقی اوزان اس کے چپ و راست ایک دوسرے کا مثنیٰ یا جواب بن کر نصفا نصف آجائیں اور ذہن میں آسانی کے ساتھ منضبط ہو سکیں۔ مگر موجودہ شجرے اس التزام کے پابند نہیں۔

یہاں مجھے شجرۂ اخرب کی کسی قدر تشریح کر دینی چاہیئے۔ اس شجرے میں صدر و ابتدا یعنی مصرعوں کے آغاز میں بارہ مرتبہ مفعول تمام اوزان میں آتا ہے۔ حشو اوّل یعنی مصرع کے رکن دوم میں مفاعلن مفاعیلن اور مفاعیل چار چار بار بالترتیب آتے ہیں۔ تین ضرب چار یہ بھی بارہ ہو گئے۔ مصرعوں کے تیسرے رکن یعنی حشو دوم میں چھ دو چند اوزان یعنی دو مفاعیلن، دو مفاعیل، دو مفعول، دو مفعولن دو مفاعیل اور دو مفاعیلن آیا کرتے ہیں۔ یہ بھی چھ ضرب دو، بارہ اوزان ہو گئے۔ شمس قیس نے مفعول کو مفعولن کے دونوں پہلوؤں میں جگہ دی ہے۔ اس طرح مفعولن بالکل وسط میں آجاتا ہے۔ یعنی اس کی سیدھی طرف بالترتیب دو مفاعیلن دو مفاعیل اور ایک مفعول جگہ پاتے ہیں یہی اوزان جواب کے طور پر بترتیب قلب اس کی بائیں طرف آ رہے ہیں۔ یعنے ایک مفعول دو مفاعیل اور دو مفاعیلن پانچ پانچ

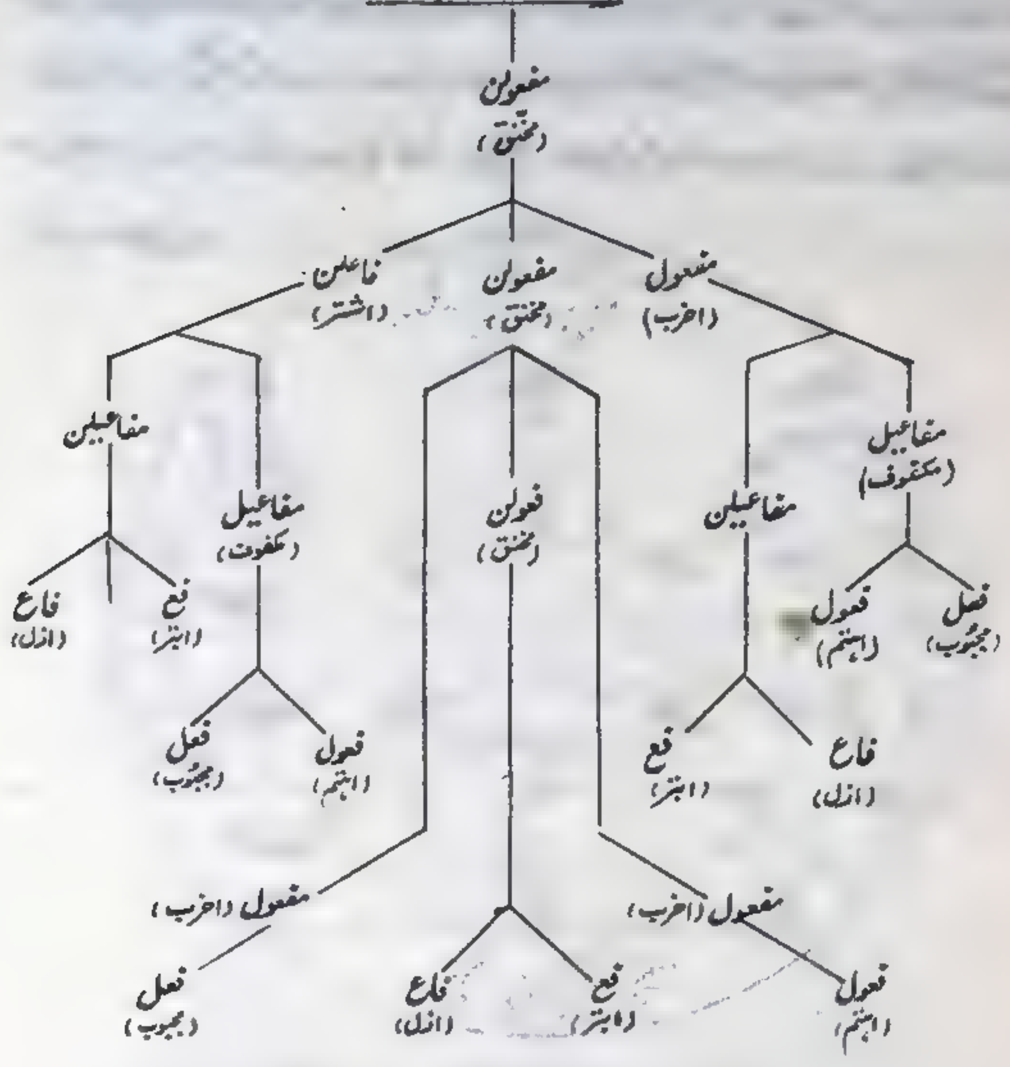
دس اور دو مفعولن جو بیچ میں ہے۔ یہ بھی بارہ ہو گئے۔ رہے مصرعوں کے آخری ارکان جنہیں عروض و حزب کہتے ہیں چار ہیں یعنی فع، فاع، فعل، فعول جن میں سے ہر رکن خواہ بترتیب دوری خواہ جداگانہ تین تین بار آتا ہے۔ چار ضرب تین یہ بھی بارہ ہو گئے۔ شمس قیس کے ہاں ایک سے پانچ تک اور بارہ سے آٹھ تک تقابلی ترتیب کا لحاظ جو ممکن تھا، نہیں رکھا گیا۔ البتہ باقی ارکان میں کوئی ترتیب قائم نہیں ہو سکتی۔ "المعجم" کے مطبوعہ نسخے سے شجرۂ ذیل یہاں نقل کرتا ہوں :

شجرۂ اخرب نمبر ۱



(از المعجم فی معاییر اشعار العجم، صفحہ ۹۲، طبع بیروت، سنہ ۱۳۲۷ھ)

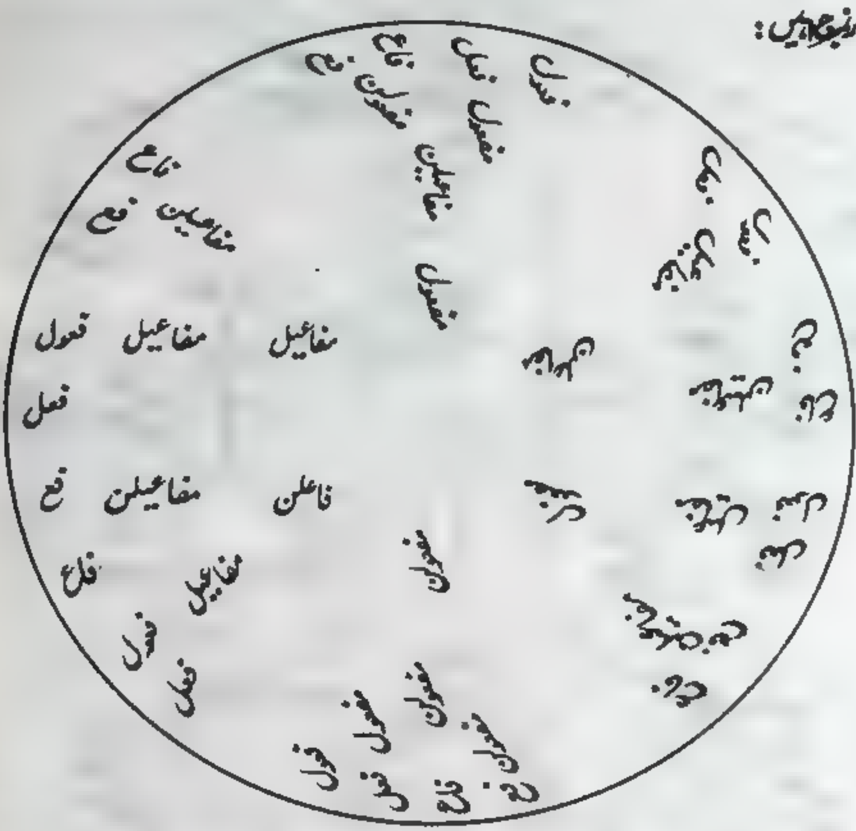
شجرہ اخرم نمبر۱



شجرہ نمبر۲

مولانا جامی نے اپنے عروضی رسالے میں دونوں شجروں کو نصف نصف دائرے میں قائم کر کے ایک دائرے کے اندر بند کر دیا ہے۔ اخرب اور اخرم شجروں کا جو فرق ہے وہ ہر وزن کے متوازی وزن کے دیکھنے سے بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے مثلاً مفعول مفاعیلن مفعول فعول اخرب کے مقابل وزن اخرم مفعولن

مفعولن مفعول فعول نظر آتا ہے جس سے بیک نگاہ معلوم ہو سکتا ہے کہ جب مفعول مفاعیلن میں مفاعیلن کا میم بروئے تجنیق اس کے مقدم مفعول میں شامل کر دیا گیا۔ تو یہ وزن مفعولن مفعولن اخرم میں بدل گیا جس طرح بساط پر گھوڑا چلتا ہے۔ تقریباً اسی طرح اوزان ان شجروں میں ترتیب دیئے گئے ہیں۔ اوزان جاتے وقت جامی نے حشو دوم میں شمس قیس سے اسی حد تک اختلاف کیا ہے کہ مفعول کو مفعولن سے مقدم و مؤخر لانے کے بجائے صرف مفعولن سے پیشتر درج کیا ہے۔ چوتھے رکن میں بھی اسی تبدیلی کے ماتحت اختلاف رونما ہے۔ جامی کے شجرے ذیل میں درج ہیں:



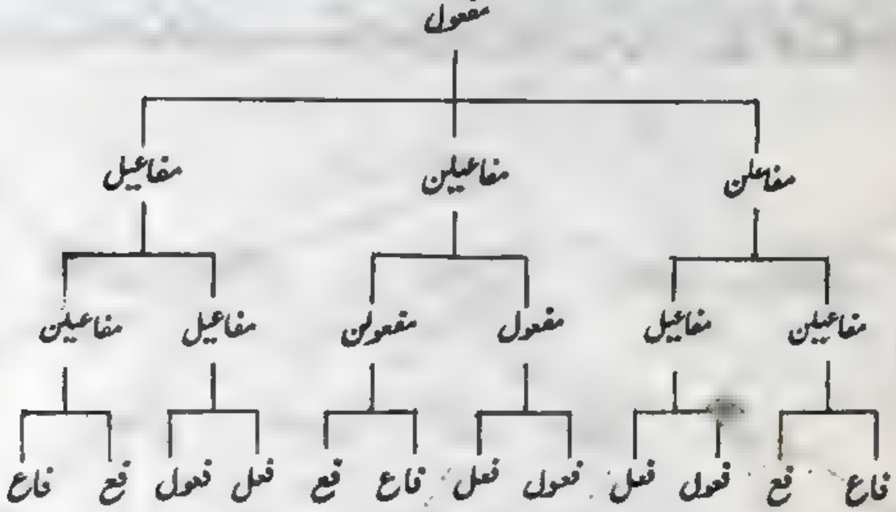
(شجرۂ اخرب و اخرم از رسالۂ عروض مولانا جامی)

شجرہ نمبر ۳

" عروض سیفی" میں جامی کی طرح دونوں شجروں کو ترکیب دے کر نہیں دکھایا گیا ہے بلکہ جداگانہ درخت کی شکل میں یعنی مفعول تنے کی مفاعلن، مفاعیلن اور مفاعیل تین شاخیں ہیں۔ بیچ کی شاخ مفاعیلن سیدھی چلی گئی ہے۔ مفاعلن اور مفاعیل دونوں شاخیں دائیں بائیں پھیل گئی ہیں جن کے دو دو شاخیں اور ان شاخوں کے پھر دو

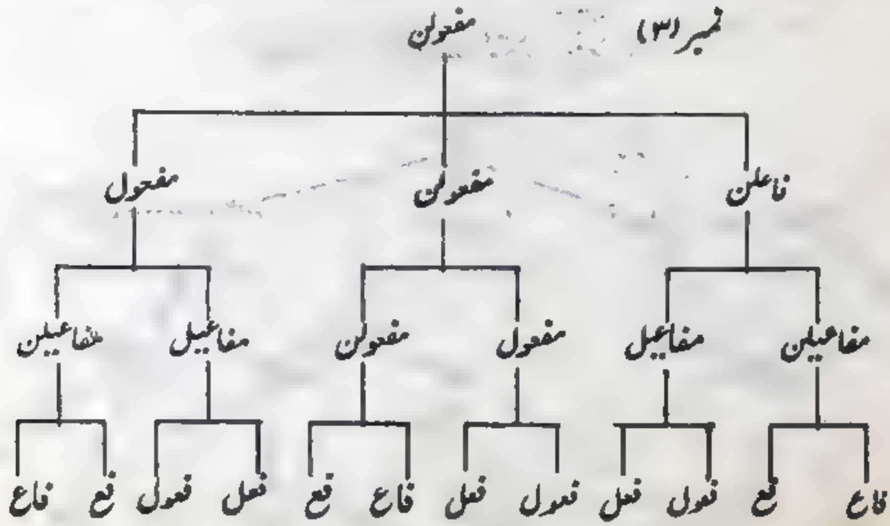
دو شاخیں ہیں لیکن یہ شاخیں سب ایک دوسرے کا جواب ہیں جس سے شجرے کے سمجھنے اور یاد رکھنے میں بہت سہولت ہو جاتی ہے۔ البتہ مفاعیلن کی شاخیں ذہن میں رکھنے کے قابل ہیں جنہیں سمجھانے کی غرض سے کہا جا سکتا ہے کہ شاخ مفاعیل ہی تخنیق کے عمل سے گویا پیدا ہوتی ہیں۔ سیفی کے شجرے جو یقیناً پچھلے دونوں شجروں سے بہتر ہیں ذیل میں درج ہیں:

نمبر(۳)



(شجرۂ اخرب از عروض سیفی)

نمبر(۳)



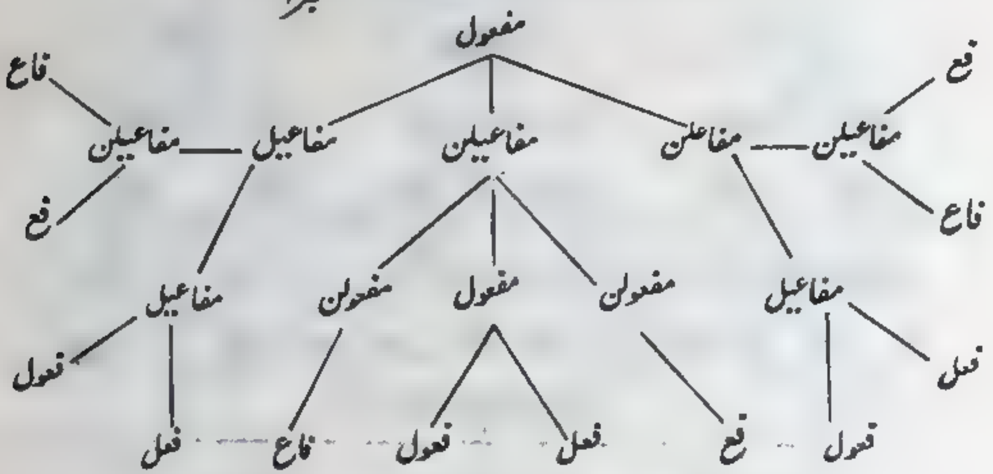
(شجرۂ اخرم از عروض سیفی)

شجرہ نمبر۴

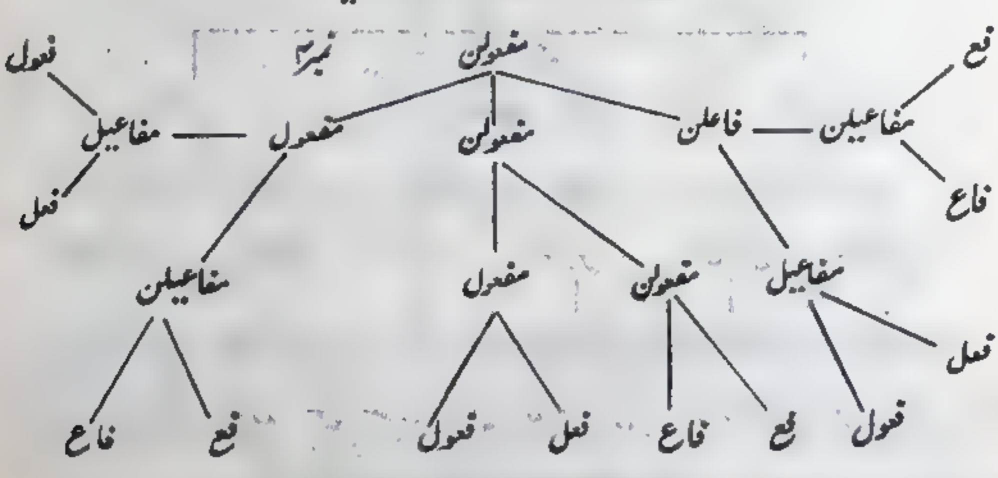
وحید تبریزی ایک مشہور عروضی مؤلف ہے۔ اس کی تالیف "جمع مختصر" کا ایک قلمی نسخہ نوشتۂ سنہ ۹۷۷ھ میرے مجموعہ کتب عروض میں شامل ہے۔ اس نسخے کے متعلق ایک قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ وہ ایک عورت کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، جس کا نام حبیبہ بنت محمد قاسم محدث ہے۔

وحید کے شجرے اگرچہ سیفی کے نمونوں پر قائم ہیں مگر سیفی کے التزام کی پروا کم کی گئی ہے۔ برخلاف شمس قیس، وحید نے مفعول کو مرکزیت دے کر مفعولن کو اس کے آس پاس جما دیا ہے۔ شجروں کا نقشہ ملاحظہ ہو:

نمبر۴



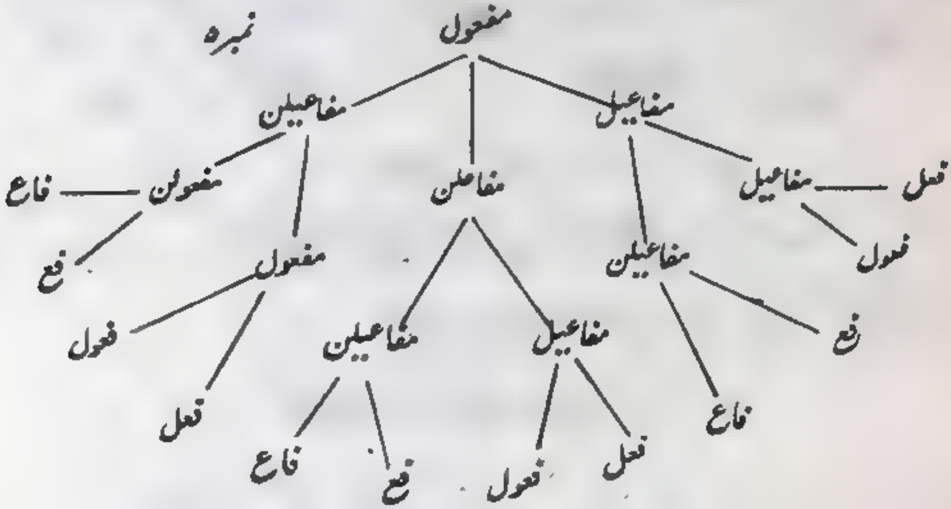
(شجرۂ اخرب از "جمع مختصر" وحید تبریزی)



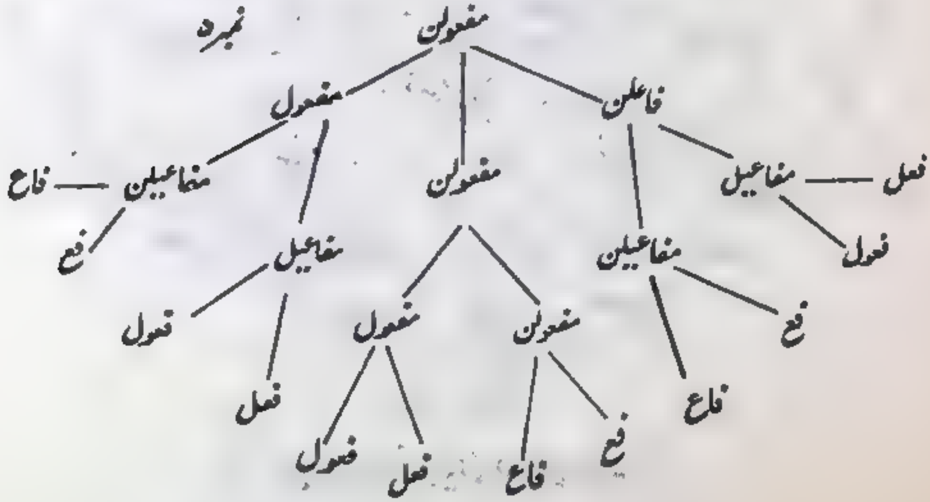
(شجرۂ اخرم از "جمع مختصر" وحید تبریزی)

شجرہ نمبر ۵

قضائی کی "تنقید الدّرر" میں جو عبداللہ خاں اوزبک بادشاہ توران کے عہد میں تصنیف ہوئی ہے، سخت غلط شجرے دیئے گئے ہیں ان میں کسی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا سوائے اس کے کہ مفاعیلن، مفاعلن اور مفاعیل کو دو دو شاخوں میں تقسیم کر کے چھوڑ دیا ہے۔ بجائے بارہ اوزان کے صرف چھ پر قناعت کی ہے اور مفاعلن کو درمیانی شاخ قرار دیا ہے۔ اختصار البتہ ان کی خوبی مانی جا سکتی ہے۔ اگر ان شجروں کو ان کی اصلی حالت پر لایا جائے تو مندرجہ ذیل ہوگی۔



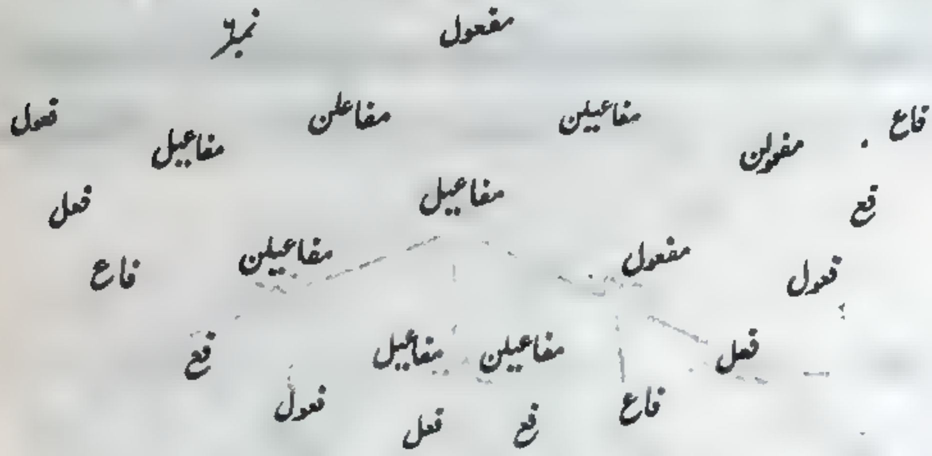
(شجرۂ اخرب "از تنقید الدّرر" من قضائی)



(شجرۂ اخرم "از تنقید الدّرر" من قضائی)

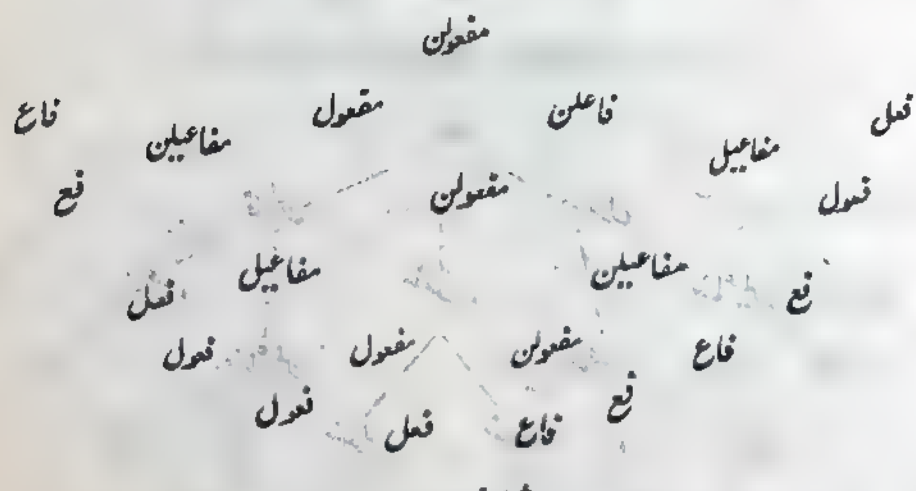
شجرہ نمبر ۶

"مجمع الابحار فی بیان العروض الاشعار" محمد واصل کی تصنیف ہے اس کے شجروں میں یکسانیت کا کوئی خیال نہیں رکھا گیا چنانچہ:



شجرۂ اخرب

(از مجمع الابحار فی بیان عروض الاشعار")



شجرۂ اخرم

(از مجمع الابحار فی بیان عروض الاشعار")

شجرہ نمبر ۷

میر شمس الدین فقیر بارھویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ انہوں نے غالباً پہلی مرتبہ ان شجروں کو دائرے کی شکل میں منتقل کیا ہے لیکن اوزان کے نقل کرتے وقت انہوں نے کسی ترتیب سے کام نہیں لیا۔ مثلاً حشو اول کا، جس میں مفاعلن، مفاعیلن اور مفاعیل چار چار بار آتے ہیں، انضباط اس طرح ہوا ہے:

مفاعیلن ۳ ، مفاعیل ۱ ،

مفاعلن ۳ ، مفاعیل ۲ ،

مفاعیلن ۱ ، مفاعلن ۱ ،

مفاعیل ۱ ،

اس بے ترتیبی سے یہ دائرے شجروں کے مقابلے میں مشکل بن گئے ہیں۔ اس پر طرّہ یہ کہ اخرب و اخرم میں بھی یکسانی نہیں پائی جاتی۔ دائرے یہ ہیں:

نمبر ۷



دائرہ اخرب

(از "حدائق البلاغت" صفحہ ۱۵۲ نولکشور سنہ ۱۸۸۷ء)

نمبر۷



دائرہ اخرم
(از حدائق البلاغت، صفحہ ۱۵۳)

شجرہ نمبر۸

کرامت علی جونپوری نے اپنی تالیف "مختصر قواعد عروض و قوافی" میں ذیل کے دائرے درج کئے ہیں لیکن ان میں نہ تو حشو اوّل کے اوزان کا لحاظ رکھا گیا ہے نہ عروض و ضرب کا۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ عروض و ضرب کے اعتبار سے پہلے چھ اوزان میں فعول، فعل کو بالترتیب یکے بعد دیگرے لایا گیا ہے۔ باقی چھ اوزان میں فاع، فع بے ترتیب طور پر ملتے ہیں۔ میں نے شجرۂ اخرب کو، جس میں تین غلطیاں موجود تھیں، شجرۂ اخرم کے مطابق درست کر دیا ہے۔ یہ یاد رہے کہ میر شمس الدین فقیر کے عہد سے دائرے زیادہ مقبول ہوتے چلے ہیں۔ قدر بلگرامی اور نجم الغنی جیسے ماہرینِ فن بھی دائروں کا استعمال کر رہے ہیں حالانکہ شجروں کے مقابلے میں دائرے زیادہ تکلیف دہ اور ناگوار معلوم ہوتے ہیں:

نمبر(٨)



دائرۂ اخرب (از "مختصر قواعد عروض" از کرامت علی جونپوری)

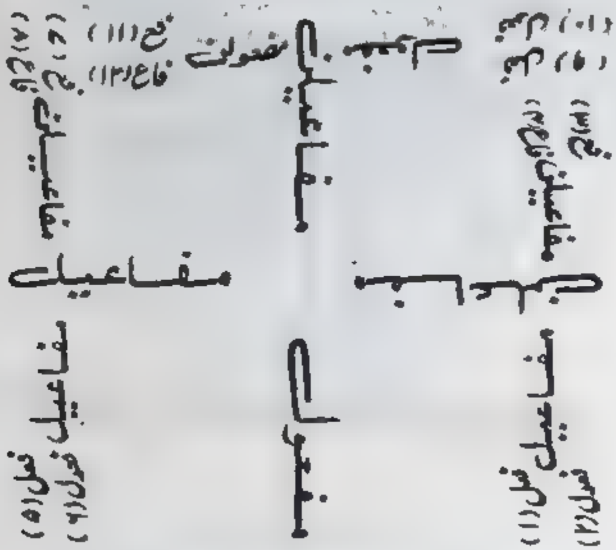


دائرۂ اخرم (از "مختصر قواعد عروض")

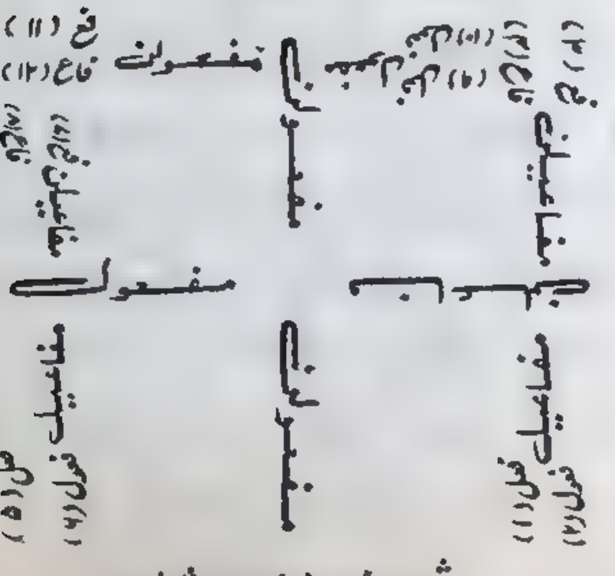
شجرہ نمبر ۹

سنہ ۱۲۵۹ھ میں محمد حسین راقم، نواب محمد غوث خاں بہادر والیٔ کرناٹک کے واسطے عروض میں ایک رسالہ موسوم بہ "میزان الاشعار" تالیف کرتے ہیں۔ راقم کے مربع شجروں کا منصوبہ زیادہ ترسیغی کے اثر میں ہے اور بہت سہل ہے۔ طالب علم آسانی سے اس کو اپنے ذہن میں مستحضر کرسکتا ہے وہو ہذا:

نمبر(۹)



شجرۂ اخرب (از میزان الاشعار)

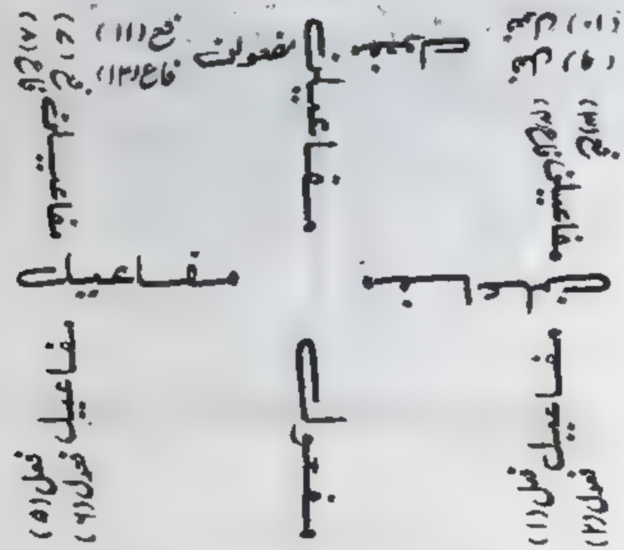


شجرہ اخرم (از میزان الاشعار)

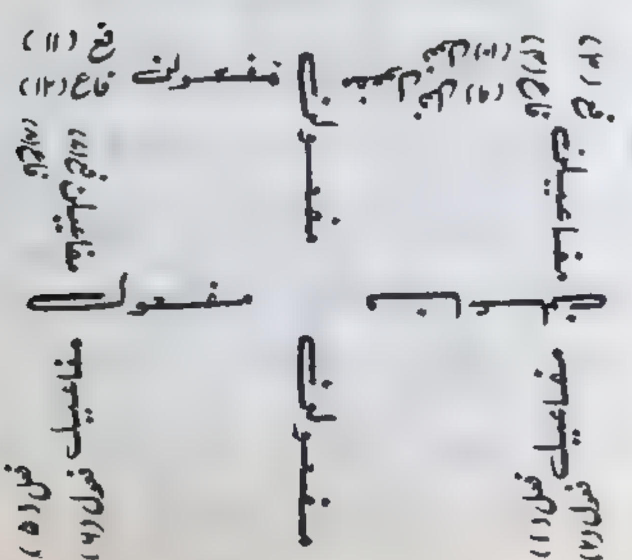
شجرہ نمبر ۹

سنہ ۱۲۵۹ھ میں محمد حسین راقم، نواب محمد غوث خاں بہادر والیٔ کرناٹک کے واسطے عروض میں ایک رسالہ موسوم بہ "میزان الاشعار" تالیف کرتے ہیں۔ راقم کے مربع شجروں کا منصوبہ زیادہ ترسیفی کے اثر میں ہے اور بہت سہل ہے۔ طالب علم آسانی سے اس کو اپنے ذہن میں مستحضر کر سکتا ہے۔ وھو ہذا:

نمبر (۹)



شجرۂ اخرب (از میزان الاشعار)



شجرہ اخرم (از میزان الاشعار)

شجرہ نمبر۱۰

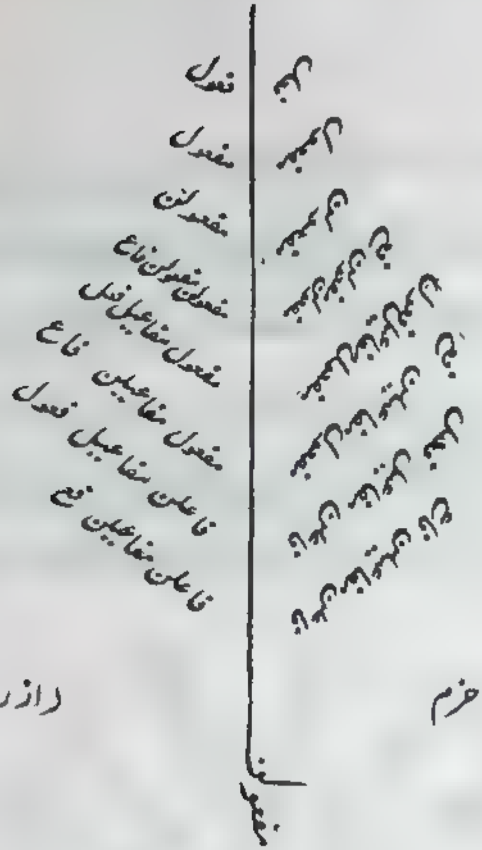
شیخ مہدی علی زکی، اردو زبان میں ایک رسالۂ عروض کے مصنف ہیں، جس کا سال طبع سنہ ۱۲۶۵ھ ہے۔ مطبع کا نام درج نہیں۔ زکی کے ہاں ایک شجرہ ایک نخل کی شکل میں ہے، جس میں چھ اوزان ایک طرف اور چھ ایک طرف ہیں، فاع، فعول کھجور کے راست پر اور فع، فعل چپ پر ہیں۔ حشو اوّل میں پہلی چار شاخیں مفاعیلن سے متعلق ہیں۔ ان سے اوپر مفاعیل سے اور سب سے اوپر کی مفاعلن سے۔ شجرہ اخرم ایک سرو کی شکل میں ہے۔ یہاں بھی چھ چھ وزن دو طرفہ آتے ہیں مگر فع، فعل ایک طرف اور فاع فعول دوسری طرف لانے کا التزام، جیسا کہ نخل والے شجرے میں دیکھتے ہیں، یہاں مفقود ہے:



نمبر ۱۰

شجرۂ اخرب

(از رسالہ عروض تصنیف
شیخ مہدی علی زکی
مطبوعہ سنہ ۱۲۶۵ھ)



شجرۂ اخرم (از رسالہ عروض)

شجرہ نمبر ۱۱

غلام حسنین قدر بلگرامی فنِ عروض میں شمس العلما سید علی بلگرامی کے استاد ہیں اور انہی کی فرمائش سے اُردو کی مشہور کتاب "قواعد العروض" تصنیف کرتے ہیں۔ انہوں نے شمس الدین فقیر اور کرامت علی جونپوری کی طرح رباعی کے اوزان کو دائروں کی شکل میں مرتب کیا ہے اور ان پر ہندسے ڈال دیتے ہیں۔ اخرب کو وہ غیر مجبّق اور اخرم کو مجبّق کہتے ہیں، جو نام زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ اس بارے میں ان کا قول یہاں نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں :

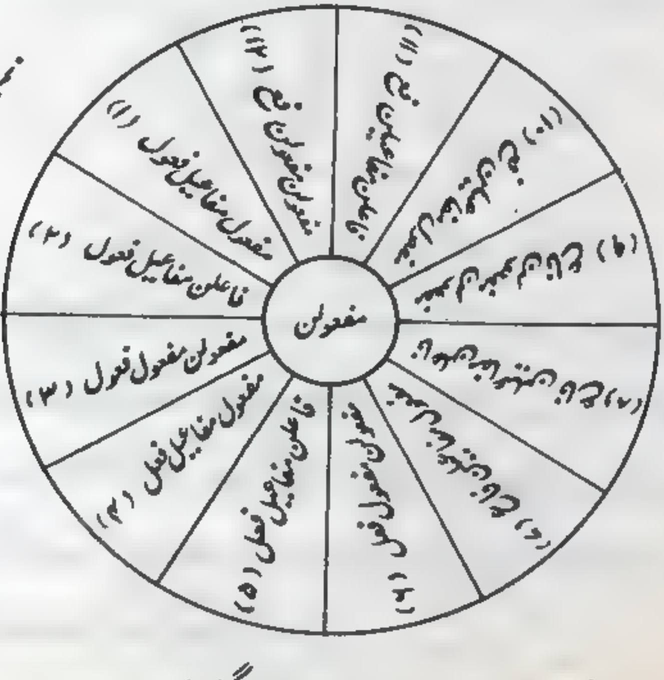
"عروضیوں نے چوبیس وزن ڈھونڈھ نکالے اور خواجہ حسن قطّان خراسانی نے ان سب کے دو شجرے بنائے اور ہر شجرے میں بارہ وزن ٹھہرائے۔ ان تمام اوزان میں چار قسم کے عروض و ضرب آتے ہیں۔ یعنی فعول بسکونِ آخر اہتم، فعل مجبوب، فاع ازل، فع مجبّق مجبوب۔ اور ان میں تین قسم کے حشو آتے ہیں مکفوف، مقبوض، مجبّق۔ مگر فی الحقیقت دیکھو تو وہ چاروں عروض و ضرب اصل میں دو ہی ہیں یعنی اہتم و ازج

باقی دو انہیں کی تخنیق سے پیدا ہوئے ہیں۔ الغرض سب کی صدر وابتدا دو قسم کی بنائی گئی۔ ایک احزب دوسری احزم۔ اسی باعث سے دو شجرے قائم کئے ہیں۔ مگر درحقیقت یہاں سخت سہو ہے۔ اصل میں صدر وابتدا ایک ہی ہے یعنی احزب۔ کیونکہ صدر وابتدا کے بعد رکن مکفوف یا مقبوض ضرور لاتے ہیں۔ اس لئے صدر یا ابتدا کے ساتھ تخنیق ہو کر خرم کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ جب رکن مکفوف کے ساتھ تخنیق ہوتی ہے تو وہ مفعول بن جاتا ہے۔ اس رکن ثانی کو بھی لوگ احزب ٹھہراتے ہیں حالانکہ خرب درمیان مصرع آ ہی نہیں سکتا۔ جب رکن مقبوض کے ساتھ تخنیق ہوتی ہے تو اس کو اشتر کہتے ہیں۔ باوجودیکہ شَتر بسبب ترکیب خرم مصرعے کے مابین واقع نہیں ہو سکتا۔ پس اسی خَرب و شَتر کے دھوکے میں لوگ صدر وابتدا کو احزم کہہ دیتے ہیں۔ یہ ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ خرب و شتر درمیان میں نہیں آتے۔ جب یہ درمیان میں نہ آتے بلکہ باہم آغاز مصرع ورکن مابعدہ میں تخنیق ہو گئی تو صدر وابتدا کا احزم ہونا یہاں بے اصل ٹھہرا۔"

(صفحہ ۱۲۸، قواعد العروض، سنہ ۱۲۸۸ھ، طبع شام اودھ)

حضرت قدر نے اپنے دائرے مصرعوں کے آخری رکن یعنی عروض وضرب کے اوزان فعول، فعل، فاع

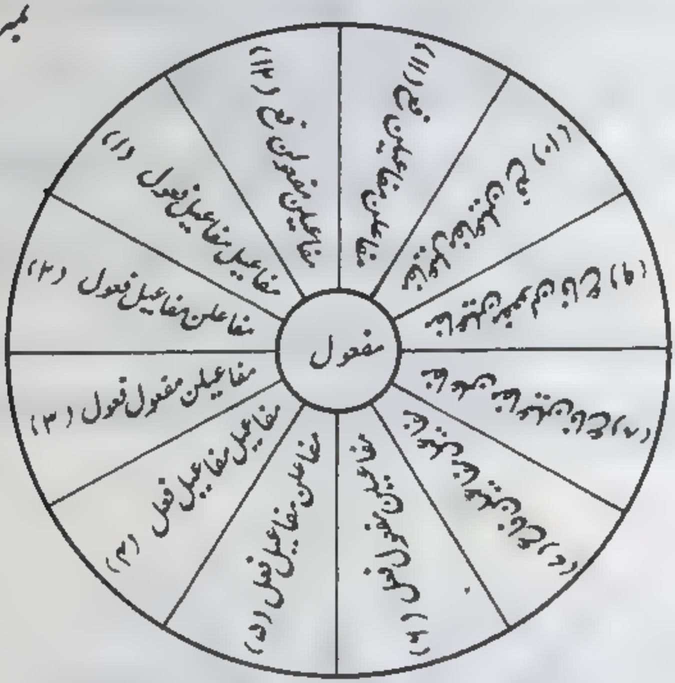
نمبر۱۱



-شجرہ مجبّ (از قواعد العروض قدر بلگرامی، سنہ ۱۲۸۸ھ)

فع کے اعتبار سے تیار کئے ہیں یعنی پہلے تین اوزان میں فعول اور بعد کے تین اوزان میں فعل تین تین بار آتے ہیں۔ اسی طرح آخری چھ اوزان میں فاع اور فع الگ الگ تین تین بار آتے ہیں۔ ان چاروں میں سے ہر ایک کے ساتھ حشوِ اوّل میں مفاعیل مفاعلن مفاعیلن بالترتیب آتے ہیں۔ حشوِ دوم میں دو مفاعیل ایک فعول ہر فعول اور ہر فعل کے ساتھ۔ دو مفاعیلن اور ایک مفعولن ہر فاع اور ہر فع کے ساتھ آتے ہیں۔ ذیل میں ان دائروں کا نقشہ دیا جاتا ہے۔

نمبر ۱۱



شجرۂ غیر مجتث (از قواعد العروض قدر بلگرامی)

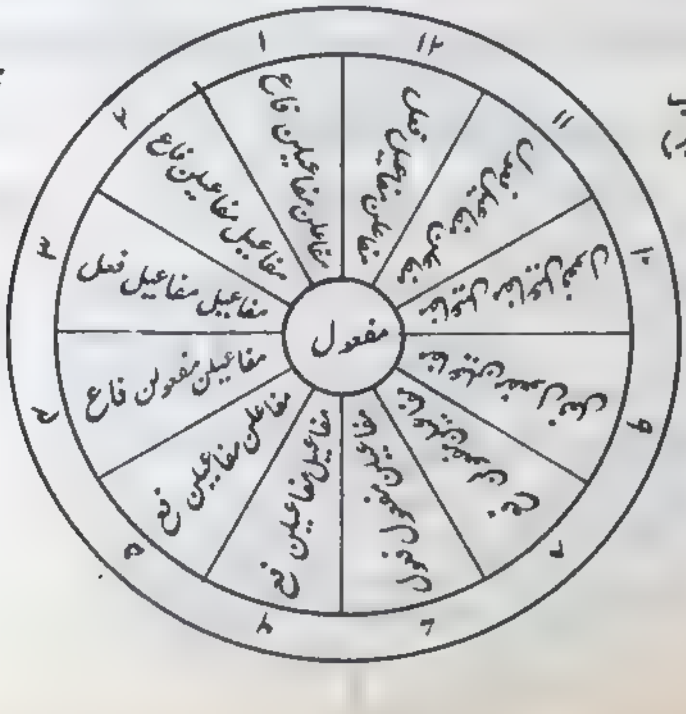
یہ دائرے اگرچہ ان کے پیشرو دائروں سے بہت بہتر اور منضبط ہیں پھر بھی ہماری قوتِ حافظہ پر زیادہ زور ڈالتے ہیں۔ میرے خیال میں ان میں ابھی اصلاح و ترقی کی گنجائش ہے، جو ترتیب اوزان سے کم اور دائروں کے خطوط سے زیادہ تعلق رکھتی ہے۔ اگرچہ شجروں کے مقابلے میں دائرے سلجھے ہوتے نہیں ہوتے، عنقریب دو دائرے (نمبر ۱۲) درج کئے جاتے ہیں، جو گزشتہ دائروں سے غالباً زیادہ صاف اور سلجھے ہوتے ثابت ہوں گے۔

شجرہ نمبر ۱۲

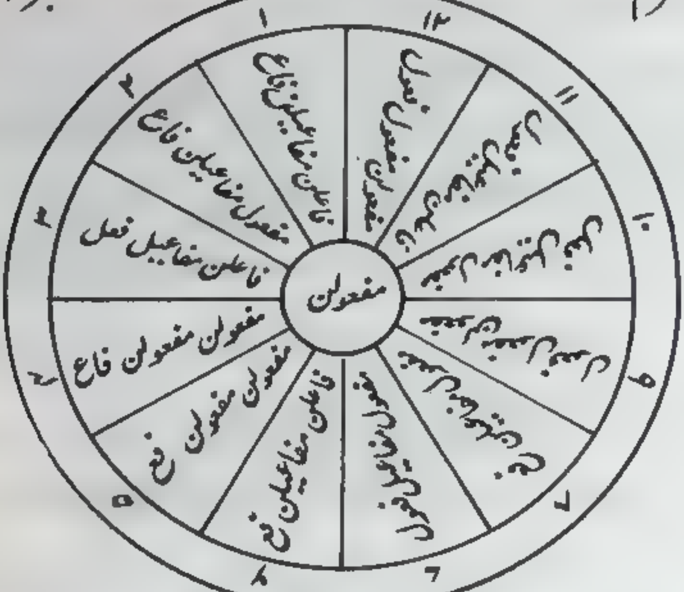
مصنف مشہور مولینا نجم الغنی نے "بحر الفصاحت" میں اوزان رباعی دائروں کے ذریعے سے دکھائے ہیں اور ان پر نمبر شمار بھی دیا ہے۔ مگر بظاہر کسی ترتیب کا اصول نہیں برتا۔ ہم ان کو حضرت قدر کے دائروں کے مقابلے میں جگہ نہیں دے سکتے۔ ان دائروں کی بے ترتیبی کی مثال میں اس قدر کہنا کافی ہوگا کہ عروض وضرب میں فاع کو نمبر ۱، ۲، ۴ میں، فعل کو ۳، ۹ اور ۱۲ میں، فع کو ۵، ۶، ۸ میں اور فعول کو ۷، ۱۰ اور ۱۱ میں جگہ ملی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس حشو اوّل میں مفاعلن کو وزن یکم، پنجم، یازدہم و دوازدہم میں اور مفاعیل کو وزن دوم، سوم، ششم و دہم میں اور مفاعیلن کو وزن چہارم، ہفتم، ہشتم و نہم میں رکھا گیا ہے۔ اسی طرح دائرہ اخرم میں بھی جس کو اخرب کے مطابق ہونا چاہیے پھر ترتیب بدل دی ہے۔ مثلاً حشو اوّل میں فاعلن کو وزن یکم، سوم، ششم و یازدہم میں اور مفعول کو وزن دوم، ہفتم، ہشتم و دہم میں اور مفعولن کو وزن چہارم، پنجم، نہم و دوازدہم میں جگہ ملی ہے چنانچہ ذیل کے دائرے ملاحظہ ہوں:

نمبر ۱۲

دائرۂ اخرب
(بترتیب جدید)



دائرہ اخرم — نمبر ۱۲



(از "بحر الفصاحت" نجم الغنی خاں، صفحہ ۲۳۲، سنہ ۱۳۰۲ھ، طبع احمدی رامپور)

نمبر ۱۳

نمبر ۱۳ دائروں کی طرف اس سے قبل اشارہ کیا جا چکا ہے۔ یہ دائرے میری رائے میں مذکورہ بالا تمام دائروں سے زیادہ مدلّل اور منظم ہیں۔ حشو اوّل کے مفاعیل مفاعیلن مفاعلن کی خاطر سے اوپر کے تین

دائرۂ اخرب — نمبر ۱۳





دائرہ اخرم (بترتیب جدید)

دائروں کو تین دوہرے خطوں کے ذریعہ سے تین مساوی حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ تاکہ ان تین ارکان کا دائرہ عمل علیحدہ علیحدہ بنایا جا سکے۔ ان میں سے ہر رُکن چار چار بار آتا ہے اس لئے ہر ایک کے لئے عروض و ضرب بھی چار چار آتے اور حشو دوم میں چھ دوہرے ارکان آتے یعنے مفاعلن اور مفاعیل کے ساتھ تو مفاعیل، مفاعیلن آتے ہیں اور مفاعیلن کے ساتھ مفعول، مفعولن۔ مذکورۂ بالا خط جس طرح حشو اوّل حشو دوم اور عروض و ضرب کا باہمی علاقہ واضح کرتے ہیں (یعنی چاروں عروض و ضرب کے ساتھ حشو اوّل چار چار مرتبہ آتے گا اور حشو دوم دو دو مرتبہ آتے گا) اسی طرح اکہرا خط حشو دوم اور عروض و ضرب کے باہمی ربط کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حشو چھ ہیں اور عروض و ضرب بارہ اس لئے ظاہر ہے کہ یہ چھ ان بارہ کے ساتھ دوہرائے جائیں گے تاکہ بارہ ہو جائیں۔ ہر دائرے کے اندر تین تین دائرے اور ہیں مرکزی دائرہ صدر و ابتدا سے متعلق ہے۔ اس سے اوپر والا دائرہ حشو اول اور اس سے اوپر کا دائرہ حشو دوم اور آخری دائرہ عروض و ضرب کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہندسوں سے یہ وضاحت مقصود ہے کہ صدر و ابتدا ۱۲، حشو اوّل ۳ × ۴ = ۱۲، حشو دوم ۶ × ۲ = ۱۲ اور عروض و ضرب ۴ × ۳ = ۱۲ ہوتے۔

ان مختلف شجروں اور دائروں کے مطالعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تشکیل و تدوین میں ہر مصنّف نے کچھ نہ کچھ جدّت دکھانے کی کوشش کی ہے۔ ان شجروں میں سے سیفی اور اس کے متعلد محمد حسین راقم کے شجرے مقابلتہً بہتر ہیں۔ دائروں میں قدر بلگرامی کا دائرہ یقیناً بہترین مانا جاسکتا ہے۔ تاہم کہا جاسکتا ہے کہ اس سلسلے میں اب بھی ترقی کی گنجائش ممکن ہے۔ دائرے کے گورکھ دھندے کو کامیابی کے ساتھ ذہن نشین کرنے کے لئے ہمیں یہ مقولہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض اوقات اجمال تفصیل پر قابل ترجیح ہے۔ وہ دائرہ ہو یا شجرہ، جس قدر اس کو پھیلا کر بیان کیا جائے گا اسی قدر اس کا مستحضر ہونا ہمارے لئے دشوار ثابت ہوگا۔ اس لئے یہ مناسب ہے کہ ہم اختصار کے اصول پر عملدرآمد کریں۔ اس مقصد سے یہاں میں دو مختلف خاکے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، جن میں پہلا مفصل ہے اور دوسرا اس کا اختصار ہے۔ وہو ہذا :

نمبر شمار	صدر و ابتدا	حشو اول	حشو دوم	عروض و ضرب
١	مفعولُ	مفاعلن	مفاعیلن	فاع
٢	〃	〃	〃	فع
٣	〃	〃	مفاعیل	فعول
٤	〃	〃	〃	فعل
٥	〃	مفاعیلُ	مفاعیلن	فاع
٦	〃	〃	〃	فع
٧	〃	〃	مفاعیلُ	فعول
٨	〃	〃	〃	فعل
٩	〃	مفاعیلن	مفعولن	فاع
١٠	〃	〃	〃	فع
١١	〃	〃	مفعولُ	فعول
١٢	〃	〃	〃	فعل

اخرب

نمبر شمار	صدر و ابتدا	حشو اول	حشو دوم	عروض و ضرب
١	مفعولن	فاعلن	مفاعیلن	فاع
٢	〃	〃	〃	فع
٣	〃	〃	مفاعیلُ	فعول
٤	〃	〃	〃	فعل
٥	〃	مفعولُ	مفاعیلن	فاع
٦	〃	〃	〃	فع
٧	〃	〃	مفاعیلُ	فعول
٨	〃	〃	〃	فعل
٩	〃	مفعولن	مفعولن	فاع
١٠	〃	〃	〃	فع
١١	〃	〃	مفعولُ	فعول
١٢	〃	〃	〃	فعل

اخرم

یہ نقشہ اگرچہ مکمل ہے مگر اس میں "ایضاً" کی علامت کے استعمال نے اس کی دقت اور دشواری کو بہت کچھ کم کر دیا ہے اور جب اس علامت کو بھی رفع کر دیا جاتا ہے تو اس کے حجم میں اور بھی تخفیف ہو جاتی ہے اور اڑتالیس اوزان کا نقشہ صرف بائیس اوزان پر شامل رہ جاتا ہے۔ چنانچہ:

نقشۂ اخرب

- مفعول ۱۲
  - مفاعلن ۴
    - مفاعیلن ۲: فاع، فع
    - مفاعیل ۲: فعول، فعل
  - مفاعیل ۴
    - مفاعیلن ۲: فاع، فع
    - مفاعیل ۲: فعول، فعل
  - مفاعیلن ۴
    - مفعولن ۲: فاع، فع
    - مفعول ۲: فعول، فعل

نقشۂ اخرم

- مفعولن ۱۲
  - فاعلن ۴
    - مفاعیلن ۲: فاع، فع
    - مفاعیل ۲: فعول، فعل
  - مفعول ۴
    - مفاعیلن ۲: فاع، فع
    - مفاعیل ۲: فعول، فعل
  - مفعولن ۴
    - مفعولن ۲: فاع، فع
    - مفعول ۲: فعول، فعل

نمبر ۱۵

اس اختصار سے ایک تو یہ فائدہ ہوا کہ اخرب و اخرم کے اوزان واضح طور پر بغیر کسی گنجلک کے ہمارے ذہن میں آگئے دوسرے یہ کہ ہم چند منٹ میں اس نقشے کو ازبر کر سکتے ہیں۔ مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے:

شجرۂ اخرب: رکن اول مفعول ۱۲، رکن دوم مفاعلن ۴، مفاعیلُ ۴، مفاعیلن ۴۔
یہ بھی بارہ ہو گئے۔ رکن سوم مفاعیلن مفاعیلُ دو دو بار با فاع و فع و فعول و فعل در رکن چہارم۔

اس کے بعد پھر یہی اوزان دہرائے جاتے ہیں اور آخر میں مفعولن مفعولُ یا فاع فع دفعول فعل۔

اس نقشے کو اور مختصر بنانے کے لئے ہمیں رباعی کی تقطیع میں اساسی تبدیلی کرنی ہوگی یعنی مثمن سے اسے مسدّس بنانا ہوگا، جس سے نہ صرف اس کا یاد رکھنا آسان ہو جائے گا بلکہ بعض اوزان کے بے قاعدہ آنے سے جو دقّت پیش آتی تھی اس سے بھی چھٹکارہ مل جائے گا۔ ان کے علاوہ اخرب و اخرم کے اوزان کا فرق نہایت آسانی سے معلوم ہو جائے گا۔

اس غرض سے ہمیں نقشۂ اخرب میں صدر و ابتدا کے رکن مفعول کے ساتھ، حشو اوّل میں آنے والے ارکان مفاعلن، مفاعیلُ مفاعیلن کا وتد مجموع 'مفا' ضم کر دینا پڑے گا، جس سے پہلا رُکن 'مُفعولُ مفا' تبدیل ہو کر 'مُسْتَفعِلَتُن' بن جائے گا۔ بچے ہُوئے علن، عیلُ اور عیلن، حشو دوم کے مفاعی اور مفعو سے ترکیب پا کر بالترتیب 'علن مفاعی'، 'عیلُ مفاعی' اور عیلن مفعو، ہو کر مَفاعِلاتُن، 'مُفتَعِلاتُن' اور 'مُفعولاتن' سے بدل جائیں گے۔ حشو دوم کے باقی ماندہ اجزا لُن لُ عروض و ضرب کے ارکان فاع، فع، فعُولُ، فَعَلُ سے مِل کر بالترتیب مفعول، فعلن، فَعِلات اور فَعِلن (بحرکت عین) کی صورت اختیار کر لیں گے اور بترتیب دُوری تین تین مرتبہ آئیں گے۔ جس سے ہمارا نقشہ مثمن سے مسدّس میں منتقل ہو جائے گا۔ ان کے علاوہ اخرم اور اخرب کے فرق یاد رکھنے کی زحمت، جس کی بنا پر عروضیوں کو دو دو شجرے اور دائرے بنانے پڑے، خود بخود دور ہو جاتی ہے۔ جدید تجویز کی رو سے اگر ہمیں اخرب کو اخرم بنانے کی ضرورت پڑے تو اس کے لئے کسی نئے شجرے کی حاجت نہیں ہے بلکہ صرف اس کے پہلے رُکن مُسْتَفعِلَتُن کو کاٹ کر اس کی جگہ مفعولاتن لے آنے سے اخرم بن جاتا ہے۔

- (اخرب) مُستَفعِلُن ۱۲ یا (اخرم) مَفعُولاتُن ۱۲
  - مَفاعِلاتُن
    - مَفعُول
    - فَعلُن
    - فَعِلات
    - فَعِلُن
  - مُفتَعِلاتُن
    - مَفعُول
    - فَعلُن
    - فَعِلات
    - فَعِلُن
  - مَفعُولاتُن
    - مَفعُول
    - فَعلُن
    - فَعِلات
    - فَعِلُن

نمبر ۱۶ بطرز جدید

عروضی نقطۂ نظر سے اگلے صفحہ پر نقشہ (نمبر ۱۶) ایک مہمل بدعت ہے، جس کو کسی عروضی کی تائید حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے ماننے کی صورت میں زحافات کے نقطۂ نظر سے بے حد مشکلات کا سامنا ہوگا لیکن فن سے قطع نظر میں نے اس کے افادی پہلو کو مدِّنظر رکھ کر آپ حضرات کی خدمت میں اس کے پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔ اس کے سہل اور سادہ ہونے میں یقیناً کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور طالب علم ایک ادنیٰ توجہ سے اس کو یاد رکھ سکتا ہے۔ مثمنات کے اعتبار سے رباعی کے کل ارکان چوبیس ضرب چار، چھیانوے بنتے ہیں۔ نقشۂ بالا میں صرف سترہ ارکان ہیں، جن کے ذریعے سے باقی ارکان کی بازیافت ہو سکتی ہے اگر ان میں سے مکررات کو حذف کر دیا جائے تو صرف نو اوزان رہ جاتے ہیں، جن کا یاد رکھنا کوئی بڑا کام نہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ ذرا سی مشق سے ہم ان اجنبی اوزان پر قابو پا سکتے ہیں۔ میرے خیال میں رباعی کی تقطیع ان اوزان سے عروضی اوزان کے مقابلے میں بہت آسان اور رواں ہو جاتی ہے۔

عروض جدید

(از اورینٹل کالج میگزین بابت نومبر ۱۹۶۱ء)

تمہید

میں نے عروض جدید میں بعض بنیادی تبدیلیاں داخل کی ہیں، جن کی طرف یہاں اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

(۱) عروضی ارکان کی تقسیم اولیہ اسباب و اوتاد کے بجائے تقسیم ہجائی کے اجزائے صغیر و کبیر یعنی مقصور و ممدود کو تحریر کیا ہے اور ان کی تحریر کے واسطے خاص علامات مقرر کی ہیں۔ جزو مقصور کے لئے ایک نقطہ ہے اور ممدود کے لئے ایک لمبی لکیر ہے جو راست سے چپ کو جاتی ہے۔

(۲) علامتوں کے ذریعے سے کسی رکن کا تجزیہ "شکل" کہلاتا ہے اور رکن کی مختلف شکلیں، جو بعمل انفکاک پیدا ہوں "بند" کے نام سے موسوم ہیں۔ بالفاظِ دیگر "شکل" رکن کی علامت نویسی کا نام ہے جس طرح "بند" دائرے کا۔

(۳) تمام بحریں بند ہفت گانہ پر مشتمل ہیں، جن میں سے تین بند وہی ہیں جو عروض قدیم میں دوائر متفقہ، مجتلبہ و مؤتلفہ کے نام سے موسوم ہیں۔ باقی چار بند جدید ہیں۔ بندوں کو کوئی نام نہیں دیا ہے بلکہ صرف ان کے نمبر شمار سے یاد کیا ہے۔

(۴) عروض جدید میں بحروں کی تعداد بیس ہے، جو چھ بندوں سے برآمد ہوتی ہیں۔ ان میں بند ہفتم شامل نہیں۔

(۵) میرے نزدیک اصلی بحر وہی ہے جو صرف کسی سالم واحد رکن کی تکرار سے بنے جیسے فعولن سے متقارب اور مفاعیلن سے ہزج وغیرہ۔ اس طرح عروض قدیم کی اکیس بحروں سے صرف سات بحریں: متقارب، متدارک، ہزج، رمل، رجز، کامل و وافر، جو سالم ارکان کی مالک ہیں بحر کہلانے کی

مستحق ہیں۔ باقی تیرہ بحریں مجھ کو نئی وضع کرنی پڑی ہیں اور ان کو جدید نام دیتے ہیں۔

(۶) ایسی بحریں جو عروض قدیم میں دو مختلف ارکان کی تکرار سے بنتی ہیں جیسے طویل، مدید، مضارع، مجتث، منسرح، سریع وغیرہ بحر کہلانے کی مستحق نہیں بلکہ داخل اوزان ہیں۔

(۷) ہر رکن کا کوئی نہ کوئی نام رکھا گیا ہے اور اسی نام کا اطلاق اس کی بحر پر ہوتا ہے۔ اگر کسی وزن میں ایک سے زیادہ مختلف ارکان ہیں تو اس وزن کا نام ان مختلف ارکان کے نام پر ہوگا جو اس وزن میں کام کر رہے ہیں۔

(۸) سوائے دو زحافوں، قصر و تسبیغ کے باقی تمام زحاف عروض جدید سے خارج کر دیئے گئے ہیں۔ جن ارکان میں یہ زحاف واقع ہوتے ہیں، داخل فروع ہیں جس طرح سالم ارکان داخل اصول۔

(۹) اصول و فروع کی تعداد قریباً مساوی ہے۔

(۱۰) تقطیع میں سہولت کی نظر سے بجائے مضاحف ارکان کے سالم ارکان سے کام لیا گیا ہے مثلاً فعلات، فاعلاتن کے بجائے متفاعلن، فعولن اور مفعول، فاعلاتن کی جگہ مستفعلن فعولن کو ترجیح دی گئی ہے۔ اسی سہولت کے خیال سے اوزان رباعی کی تقطیع بجائے مثمن ارکان کے مسدس ارکان میں بدل دی گئی ہے جس سے رباعی کا پیچ در پیچ طریقہ نہایت مرتب اور سہل بن گیا ہے۔

(۱۱) ان بعض مذکورۂ بالا تبدیلیوں سے عروض کا نظام زیادہ مکمل اور وسیع ہو گیا ہے۔ اوزان کے لحاظ سے اس کی استعداد عروض قدیم کے مقابلے میں مضاعف بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو گئی ہے اور جدید اوزان کے لئے نیا راستہ کھل گیا ہے۔

دیباچہ

عروض کی ایجاد کو بارہ سو سال سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے۔ اس دوران میں ممالک اسلام کی مختلف اقوام نے اس کی تعمیر میں اضافے اور اس میں وسعت پیدا کرنے کی کوشش جاری رکھی ہے۔ خلیل بن احمد بصری واضع عروض نے اس فن کو اشعار عرب کے مختلف اوزان کی تدوین کے لئے وضع

کیا تھا۔ ایرانیوں نے اسی کی بنیاد پر اپنے عروض کی بنیاد رکھی۔ ہندوستان میں اردو زبان والوں نے فارسی کی پیروی کی اور وہی عروض اختیار کر لیا۔ بار بار اس میں اضافوں اور پیوند کاری سے عروض کی یہ عمارت ایک حد تک بے ڈول اور بے قرینہ بن گئی ہے۔ بعض اصولی اعتراض، جو عروض کی تعمیر اور تدوین پر وارد ہو سکتے ہیں اور جن کی بنا پر عروض ابتدا سے مقبول عام نہیں ہوا یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

خلیل چونکہ زبردست صرفی تھا اس لئے صرفیانہ اثرات عروض پر زیادہ کارفرما ہیں مثلاً ف، ع، ل اور ان کے مشتقات دونوں میں بطور وزن استعمال ہوتے ہیں۔ صرف میں اصول تعلیل اور عروض میں زحاف ایک ہی علت کے دو نام ہیں۔

ع : وہی اک بات ہے جو یاں نفس واں نکہت گل ہے

تعلیل و زحاف کا مقصد واحد ہے۔ جس طرح صرف تعلیل سے مشکل ہو گئی ہے اسی طرح عروض زحاف سے دشوار اور پیچیدہ بن گیا ہے۔ عربی میں چونتیس پینتیس زحافوں سے کام چل جاتا ہے۔ فارسی میں محقق طوسی نے اکتالیس زحاف گنائے ہیں لیکن قدر بلگرامی کے ہاں ان زحافوں کی تعداد ساٹھ تک پہنچ گئی ہے۔

صرف کے ابواب کی تقلید میں عروض میں بحور لائی گئی ہیں مگر ان بحور کی تقسیم اور حد بندی بالکل غیر قدرتی اور مستبدانہ ہے بعض بحروں کے وزن دو چار سے زیادہ نہیں اور بعض بحروں میں اوزان کی یہ کثرت ہے کہ نو تک پہنچ گئی ہے۔ الفاظ کی قدرتی تقسیم، تقسیم ہجائی کو چھوڑ کر مقصور و ممدود، سبب و وتد اور فاصلہ وغیرہ اجزا کی غیر حقیقی تقسیم کو اختیار کرنا اور پھر ان کے علیحدہ علیحدہ زحاف وضع کرنا :

ع حیرت اندر حیرت است و مشکل اندر مشکل است

طالب علموں کی مشکلات میں اضافہ کرتا ہے۔

عروض کا بڑا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ وہ اوزان معلوم و نامعلوم تک ہماری رسائی پیدا کر سکے اور ہم کو یہ علم ہو جائے کہ ہماری زبان میں کہاں تک کارآمد اور جدید اوزان کا ذخیرہ موجود ہے۔ موجودہ عروض اس بارے میں ہماری راہ نمائی نہیں کرتا حالانکہ تیز اور ذکی طبائع ہر زمانے میں نئے اوزان کی تلاش میں سرگرم رہی ہیں اور جو بزرگ اس تلاش میں کامیاب ہوتے ہیں، اُن کو بھی ایک دو یا زیادہ تازہ اوزان دریافت

ہو سکے ہیں۔ ان میں رودکی، مسعود سعد سلمان، امیر حسن سجزی، خسرو دہلوی، خواجہ حافظ، عصمت بخاری جامی، بیدل اور محب دہلوی کے اسما قابلِ ذکر ہیں۔ نئے اوزان کی دریافت سے جو مسرت حاصل ہوتی ہے اس کا اندازہ اس ایک واقعے سے کیا جا سکتا ہے کہ رند لکھنوی نے بزعمِ خود ایک نیا وزن:

مستفعلن مفاعیلن مستفعلن مفاعیلن

اتفاقیہ معلوم کیا اور اس وزن میں شعر ذیل لکھا:

مدت ہوئی نہیں دیکھا، دلدار کو، قیامت ہے
تدبیر کچھ نہیں بنتی کیا موت سے ندامت ہے

یہ شعر لے کر وہ اپنے استاد شیخ ناسخ کے پاس پہنچے اور شعر کا وزن دریافت کیا۔ ناسخ نے ان کو شاباش دی اور کہا تمہیں مبارک ہو کہ نیا وزن دریافت کیا ہے۔ رند نے یہ بیان فخریہ اپنے دیوان میں دیا ہے۔ میں یہاں اس قدر اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس وزن کے اصلی دریافت کرنے والے محب دہلوی ہیں۔ چنانچہ ان کا شعر:

یک دم جدا شدن از تو ای دل ربا بود مشکل
کز دیدن رخت مارا آرام جاں شود حاصل

عربی علم الانساب کے موثرات میں خلیل نے ایک رکن کو دوسرے رکن کا تابع مان کر ہماری دشواریوں میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔ مثلاً "فعولن" بحر متقارب کا وزن ہے لیکن ہزج میں "مفاعیلن" کے فروع میں شمار ہوتا ہے۔ ادھر "مفاعیلن" بھی بحر وافر کے رکن "مفاعلتن" کے فروع میں داخل مانا گیا ہے۔ اس قسم کے رشتے قائم کرنے سے لامحالہ زحاف زیادہ کرنے پڑے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ اور زاویہ نگاہ سے کہا جا سکتا ہے کہ یہی "فعولن" متقارب میں جب کہ سالم ہے۔ "مفاعیلن" میں محذوف ہے، "مستفعلن" مجموعی میں مخبون مقطوع یا بقولے مخلع، "مستفعلن" مفروقی میں مخبون مقصور، "مفعولات" میں مخبون مکشوف (سریع و منسرح) "مفاعلتن" میں مقطوف (وافر)۔ میں ایک اور مثال دیتا ہوں۔ "فعلن" بہ سکون عین "فعولن" (متقارب) میں اثلم محذوف، "فاعلن" (بسیط و غریب) میں مقطوع، "مفاعیلن" (ہزج) میں مخنق محذوف، "فاعلاتن"

مجموعی میں ابتر (رمل) "فاع لاتن" مفروقی میں اہتم ، "مفعولات" میں اصم یا مجنون مکشوف، مُسَکّن، "متفاعلن" میں مضمر احذ۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس "فعلن" کی خاطر کس قدر زحاف بنائے گئے اور ہمارے حافظے پر کس قدر بار ڈالا گیا ہے۔

جب یہ دیکھا گیا کہ زحافوں کی کثرت کی بنا پر وزن کا نام مصرع کے قد سے بھی دراز ہو گیا ہے تو اس نام کو مخفف کرنے کی غرض سے مرکب زحافات بنائے گئے، جو دو دو زحافوں کے قائم مقام بنے مثلاً مضارع کا یہ شعر:

عاشق شدم بر آن بت ناساز گار

صبرم دہاد در غم او روز گار

اس کی تقطیع ہے:

عاشق ش   دم بر آب   ت ناساز   گار

مفعول   فاعلات   مفاعیل   فاع

رکن اوّل اخرم مکفوف ہے۔ "فاعلات" اور "مفاعیل" مکفوف "فاع" محذوف محذوف موقوف۔ اس لحاظ سے مصرع کا نام ہوا "بحر مضارع مثمن اخرم مکفوف مکفوف محذوف محذوف موقوف"۔ اختصار کی کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ رکن اوّل کے دو زحاف "خرم" اور "کف" کے اجتماع کے واسطے ایک نیا زحاف "اخرب" ایجاد ہوا۔ اس لئے "مفعول" اخرب بن گیا۔ چوتھے رکن "فاعلاتن" کے آخر میں دو بار حذف کا عمل ہوا، جس سے "لاتن" اڑ گیا۔ دونوں سببوں کے واسطے ایک نیا زحاف "جب" بنایا، جس سے بحر کا نام "مضارع اخرب موقوت مجبوب موقوف" ہوا۔ علی ہذا "شتر" قبض اور خرم کا اجتماع ہے "شکل" کف و خبن کا، "ربع" خَمَش و حذف کا، "بتر" حذف و قطع کا وغیرہ وغیرہ۔

ایک اور مثال اوزان رباعی سے دی جاتی ہے:

ع   با این ہمہ استخوان شکستیم عبث

اس کا وزن ہے: "مفعول مفاعلن مفاعیل فعل" جس میں "مفعول" اخرب (اجتماع خرم وکف)،

"مفاعلن" مقبوض، "مفاعیل" مکفوف، اور "فعل" مجبوب۔ یہاں پھر "خرب" اور "جب" دو دو زحاف کی قائم مقامی کرتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ زحافوں کی کثرت نے عروض کو عام طور پر غیر مقبول بنا دیا ہے۔ اس لئے بیچارے عروضی اپنی اپنی تصنیفات میں بطور معذرت ایک ایک فصل عروض کی ضرورت پر لکھنے پر مجبور ہوتے ہیں حالانکہ زبان دانی کے لئے اس فن کی بھی اسی قدر ضرورت ہے جس قدر دیگر فنون صرف و نحو، معانی وغیرہ کی۔

زحافوں کی عالمگیر دست برد اور ان کی تعدّی سے نجات حاصل کرنا ایک مستحسن اور مفید اقدام ہوگا، جس کے لئے ہمیں بعض بنیادی تبدیلیاں موجودہ عروض میں داخل کرنی ہوں گی۔ نیز ہمیں الفاظ کی قدرتی تقسیم یا تقسیم ہجائی "مقصور" اور "ممدود" کی باز بحالی کی، جس سے قدماً بھی واقف تھے، کوشش کرنی چاہیئے۔ اسی طرح بحور کی تقسیم بھی کسی خاص اصول کے ماتحت ہونی چاہیئے نہ اس طرح کہ بعض خاص ارکان کے اجتماع کا نام ایک خاص بحر کو دے دیا مثلاً دائرہ مشتبہہ کی بحریں، جن میں دو دو مختلف ارکان یکے بعد دیگرے کام کرتے ہیں۔ دوائر کی تقسیم بہ لحاظ اسباب و اوتاد پھر نامناسب معلوم ہوتی ہے۔ اس کو بھی تقسیم ہجائی کی بنیاد پر قائم کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بحروں کی تعداد بھی البتہ انیس کے بجائے منصوبۂ آئندہ کی رد سے بیس کر دینی پڑے گی۔ باقی امور نہایت سہل ہیں۔ اب میں عروض جدید کی کسی قدر تفصیل یہاں حوالۂ قلم کرتا ہوں۔

تقسیم ہجائی

مختلف آوازیں جو ہماری زبان سے نکلتی ہیں، حرف کہلاتی ہیں۔ حرفوں کے مجموعے کا نام لفظ ہے۔ لفظ کی جمع الفاظ ہے۔ حرف یا ساکن ہوگا یا متحرک۔ جب تک اس پر کوئی اعراب نہ ہو، ساکن کہلاتا ہے جیسے 'پاس' کا 'س'، اور 'رات' کی 'ت'۔ جب کوئی حرکت آجاتی ہے، متحرک بن جاتا ہے۔ متحرک حرف یا تنہا آواز دے گا یا کسی ساکن کے ساتھ مل کر بولا جائے گا۔ پہلے کی مثال میں کاف بیانیہ، واو عطف اور نون نفی ہیں۔ دوسرے کی مثال میں تمام دو حرفی الفاظ شامل ہیں، جنہیں 'سبب خفیف'

بھی کہتے ہیں مثلاً سر، دل، ہم، تم، لا وغیرہ۔ اس لحاظ سے لفظ کی تقسیم تین طرح ہوئی:

(۱) ساکن

(۲) متحرک

(۳) متحرک مرکب با ساکن یا سبب خفیف۔

لیکن نفس الامر میں بجائے تین کے لفظ کی ابتدائی صرف دو تقسیمیں اصل ہیں کیونکہ عروض میں ساکن اور متحرک میں چنداں فرق نہیں۔ دونوں کے تلفظ میں وقت برابر صرف ہوتا ہے۔ اس لئے عملاً ان کو ایک ہی مانا جا سکتا ہے۔ اس طرح ابتدائی تقسیم دو اجزا پر ٹھیری:

(۱) تنہا ساکن یا تنہا متحرک

(۲) متحرک مرکّب با ساکن

اس لفظی تقسیم کو ہم "تقسیم ہجائی" کے نام سے یاد کرتے ہیں، جو ہمیں قاعدہ بغدادی پڑھاتے وقت بتائی گئی تھی۔ یعنی آ، بِ، ثُ یہ حرف الگ الگ ہیں اور ہر حرف پر کوئی نہ کوئی حرکت ہے۔ یہ متحرک لفظ جزو "مقصور" کہلاتا ہے کیونکہ یہ اس تقسیم کا جزو صغیر ہے۔ اب میں پھر قاعدہ بغدادی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اس کے دو حرفی مرکبات کو دہراتا ہوں: با، بب، بج، بد، بہ، بو ان دو حرفیوں میں پہلا حرف متحرک اور دوسرا ساکن ہے۔ ان دو حرفوں کی ترکیب سے عروض کا جزو کبیر یعنی "ممدود" بنتا ہے اور ان اجزائے صغیر و کبیر یعنی "مقصور" و "ممدود" پر تمام عروضی اوزان کا دار و مدار ہے۔ ان کے اجتماع اور ان میں اُلٹ پھیر اور کمی بیشی سے مختلف ارکان بنتے ہیں۔ گویا ان دو چھوٹی بڑی اینٹوں سے تمام عروضی قصر تیار ہوتا ہے۔

قدماً جزو مقصور کو ایک ننھے دائرے کی صورت میں لکھتے تھے لیکن چونکہ گول جزم کے ساتھ اس کا التباس ہوتا ہے اس لئے ہم نے اس کی جگہ ایک نقطہ "." اختیار کر لیا ہے اور جزو ممدود یا سبب خفیف کے واسطے ایک بڑا خط "ـــــ" بطور علامت مقرر کیا ہے، جس سے مطلب وہی مد ہے۔ ان علامات کے اختصار کرنے سے ہمیں اجزائے ہجائی کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ یہ دونوں علامتیں ہمارے

ہاں "رمل" میں ملتی ہیں۔ اگرچہ "رمل" میں ان سے مقصد کچھ اور ہوتا ہے۔ تمام الفاظ، جو ہم اپنی زبان سے بولتے ہیں، انہیں اجزائے "مقصور" و "ممدود" سے مرکب ہیں۔ مثلاً:

بِنا = بِ، نا = • —

بہادر = ب، ہا، در = • — —

تکلیف = تک، لی، ف = — — •

دست = دس، ت = — •

وصول = و، صو، ل = • — •

پادشاہ = پا، د، شا، ہ = — • — •

عالمگیر = عا، لم، گی، ر = — — — •

متوسّل = م، ت، وس، سل = • • — —

ستمگار = س، تم، گا، ر = • — — •

امتحان = ام، ت، حا، ن = — • — •

استمالت = اس، ت، ما، لت = — • — —

انتباہ = ان، ت، با، ہ = — • — •

وغیرہ وغیرہ

میں نے حرفِ متحرک اور حرفِ ساکن کی علامت میں کوئی فرق نہیں رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عروض میں ساکن اور متحرک میں عملاً کوئی فرق نہیں۔ دونوں کے تلفظ میں برابر وقت صرف ہوتا ہے اس لئے ان کی حالت یکساں مانی جاسکتی ہے۔

علامات "مقصور" و "ممدود" کا استعمال کئی لحاظ سے مفید ثابت ہوگا۔ ان کے ذریعے سے دوائر بڑی آسانی سے تیار ہوسکتے ہیں اور بحور کا استخراج بھی سہل ہو جاتا ہے۔ اوزان ذیل، جو اصول و فروع پر مشتمل ہیں، عروض جدید میں کارآمد ثابت ہوں گے:

• = دَ ، مقصور (عاطفہ)

— = فَعْ ، ممدود (سبب خفیف)

• — = فَعَلْ ، مجموع (وتد مجموع)

— • = فَاعْ ، مفروق (وتد مفروق)

• — • = فعول

• • — = فَعِلُنْ ، صغریٰ (فاصلہ صغریٰ)

— — = عولن

• — — = فعولن

— • — = فاعلن

— — • = مفعول

• • — — = فَعَلاتن

— • • — = مَفتَعِلن

• — • — = مفاعلن

• — — • = مفاعیل

— • — • = فاعلات

• • — • = فَعَلاَت

— — — = مفعولن

• — — — = مفاعیلن

— • — — = فاعلاتن

— — • — = مستفعلن

— — — • = مفعولات

مُتَفَاعِلن = — • — • •

مُفاعِلَتن = — • • — •

مُفَاعِلات = • — • — •

مُتفاعیل = • — — • •

مَفتَعِلات = • — • • —

مسفعولتن = — • — • —

مسفعولات = • — — • —

مفعولاتن = — — — —

متفاعیلن = — — — • •

مفتعلاتن = — — • • —

مستفعلتن = — • • — —

مفاعلاتن = — — • — •

مفاعیلتن = — • — — •

مسفعولتن = — • — • —

مسفعولات = • — — • —

مفاعیلات = • — — — •

مستفعلات = • — • — —

متفاعلتن = — • • — • •

متفاعلات = • — • — • •

مفاتعلات = • — • • — •

متفاعیلات = • — — — • •

متفاعلتن = ـ ـ ـ ـ • • ـ ـ • •

متفاعیلتن = ـ ـ ـ ـ • ـ ـ ـ • •

مفاتعلاتن = ـ ـ ـ ـ • • • ـ •

عروض قدیم میں سباعی تک ارکان ہیں - ہم نے ثمانی ارکان بھی شامل کر لئے ہیں - اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو میں فی زمانا لمبے اوزان کی طرف زیادہ رجحان پایا جاتا ہے - میر و سودا کے زمانے میں صرف تیس اور بتیس حرفی اوزان تھے - فارسی کے علاوہ بعض ہندی سے لے لئے گئے تھے - بعد میں ان اوزان کی، خصوصاً آخری وزن کی کئی جدید قسمیں نکل آئی ہیں اور وقتاً فوقتاً ان میں اضافے بھی ہو رہے ہیں - عروضیوں کے پاس ان لمبے اشعار کے تولنے کے لئے چونکہ چھوٹے باٹ ہیں، وہ ان کو اصل ارکان کا مضاعف یا کرشاہ زدہ رکن کے نام سے یاد کرتے ہیں اور چھوٹے پیمانوں سے تقطیع کرتے ہیں مثلاً فاع، فعولن یا فعول، فَعَلن، فَعْلن، فَعِلن وغیرہ ظاہر ہے کہ لٹھے کا تھان گرہوں کی بجائے گزوں سے زیادہ سہولت کے ساتھ جلد ناپا جا سکتا ہے - اس لئے لمبے اشعار کے لئے لمبے اوزان یقیناً زیادہ مناسب ہیں -

اصول سے مراد سالم ارکان ہیں جن کی تکرار سے وزن پیدا ہو فروع میں ایسے اوزان شامل ہیں جو ان ارکان کے توابع کی حیثیت رکھتے ہیں - بعض فروع سے اوزان بھی پیدا ہوتے ہیں مثلاً مفاعیل یا مفاعیل فاعلات مرکب حالت میں لیکن فروع کا اصلی دائرہ عمل زیادہ تر اواخر مصاریع سے تعلق رکھتا ہے -

ہم نے دو زحاف "قصر" و "تسبیغ" عروض قدیم سے لئے ہیں - "قصر" کی رُو سے رکن کا آخری حرف گر کر اس کا حرف ماقبل ساکن ہو جاتا ہے مثلاً فاعلاتن سے فاعلات اور فعولن سے فعول - تسبیغ کا عمل رکن کے آخر میں ایک ساکن حرف کا اضافہ کر دیتا ہے - جیسے مفاعیلن سے مفاعیلان اور متفاعلن سے متفاعلان وغیرہ - بہرحال یہ "قصر" و "تسبیغ" کا عمل ہے جو فروع کے وجود کا ذمہ دار ہے -

یہاں "اصول" و "فروع" کی فہرست علیحدہ علیحدہ مع ان کی بحروں کے نام کے دے دی جاتی ہے:

اصول :

(۱) عولن .... ثنائی

(۲) فعولن .... متقارب

(۳) فاعلن .... متدارک

(۴) فَعِلاتن .... خفیف

(۵) مفتعلن .... منسرح

(۶) مفاعلن .... مجتث

(۷) مفعولن .... ثلاثی

(۸) مفاعیلن .... ہزج

(۹) فاعلاتن .... رمل

(۱۰) مستفعلن .... رجز

(۱۱) متفاعلن .... کامل

(۱۲) مفاعلتن .... وافر

(۱۳) مفعولاتن .... رباعی

(۱۴) متفاعیلن .... شیرانی

(۱۵) مفتعلاتن .... جامی

(۱۶) مستفعلتن .... نظیر

(۱۷) مفاعلاتن .... رودکی

(۱۸) مفاعیلتن ....

(۱۹) مفعولتن .... محب

(۲۰) متفاعلتن .... بیدل

فروع :

(۱) و ، مقصور (عاطفہ)

(۲) فع ، ممدود

(۳) فعل ، مجموع (وتد مجموع)

(۴) فاع ، مفروق (وتد مفروق)

(۵) فَعِلُن ، صغریٰ (فاصلہ)

(۶) مفعول ، ثلاثی (مقصور)

(۷) فعلات ، خفیف مقصور

(۸) فاعلاتن ، رمل مقصور

(۹) مفاعیل ، ہزج مقصور

(۱۰) مفعولات .... رباعی مقصور

(۱۱) مفاعلات .... مجتث مبیغ

(۱۲) متفاعیل .... شیرانی مقصور

(۱۳) مفاعیلات .... ہزج مبیغ

(۱۴) مستفعلات .... رجز مبیغ

(۱۵) مفاعلات .... رودکی مقصور

(۱۶) مفتعلات .... جامی مقصور

(۱۷) مسفعولات .... محبب مقصور

(۱۸) متفاعلات .... کامل مبیغ

(۱۹) مفاتعلات .... وافر مبیغ

(۲۰) متفاعیلات .... شیرانی مبیغ

اس فہرست سے واضح ہوتا ہے کہ اصول کی تعداد بیس ہے اور فروع کی بھی قریباً یہی تعداد ہے یہی ارکان بحر بننے کی اہلیت رکھتے ہیں، اس لئے بحروں کی تعداد بھی بیس ہوئی۔ یاد رہے کہ یہ تعداد مفرد بحروں کی ہے، جن کے رکن خاص کی تعداد سے کوئی وزن برآمد ہوتا ہے۔ فی الحقیقت بحر کی تعریف میں ایسے وزن شامل ہونا چاہئیں، جو رکن واحد کی تکرار سے پیدا ہوں۔ ہمارے نزدیک ایسے اوزان جو دو یا زیادہ ارکان سے بنیں، بحر کہلانے کے قابل نہیں مثلاً بحر طویل جس میں دو رکن کام کر رہے ہیں یا بحر مدید وغیرہ۔ اس نقطہ نظر سے بحور قدیم سے میں نے تمام مفرد بحروں کو بجنسہٖ لے لیا ہے۔ مثلاً بحر متقارب، متدارک، ہزج، رجز، رمل، کامل و وافر۔ یہ سات بحریں دوائر متفقہ، مجتلبہ، و مؤتلفہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ باقی تیرہ بحریں، جو تین مختلف دائروں سے وابستہ ہیں، مجھے مرتب کرنا پڑی ہیں اور انہیں نئے نام دینا پڑے ہیں۔ عروضی، فعلاتن، مفتعلن، مفاعلن، مفاعیل و فاعلات کا، جو ایک ہی دائرے سے متعلق ہیں، جداگانہ وجود تسلیم نہیں کرتے اور توابع میں شمار کرتے ہیں۔ ہم نے یہ ترمیم کی ہے کہ پہلے تین وزنوں کو بحروں میں شامل کر لیا ہے اور ان کو علی الترتیب خفیف، منسرح اور مجتث نام دیا ہے۔ کیونکہ یہ وزن ان بحروں کی ابتدا میں آتے ہیں اور یہی نام مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ یہ بحریں ہمارے بند نمبر(۲) میں، جو دائروں کا اختلافی نام ہے، شامل ہیں۔

بند ششم (جس کا ذکر عنقریب آتا ہے) کی بحروں کے نام میں نے ان اوزانوں کے بانیوں کے نام پر رکھ دیئے ہیں۔ اگرچہ حقیقت میں یہ کہنا دشوار ہے کہ ان اوزان کا دریافت کنندہ کون ہے مثلاً وزن مفاعلاتن کے واسطے محقق طوسی لکھتے ہیں کہ ایک نادر رکن ثمانی فارسی میں بہ وزن فاعلاتن ملتا ہے۔ مجھے وہ شعر عیناً یاد نہیں۔ ہاں کچھ اس طرح کا تھا:

اگر بدانی کہ بی تو چونم
مرا درین غم روا نداری

(ص ۱۷، معیار الاشعار)

لیکن "المعجم فی معاییر اشعار العجم" تالیف شمس الدین محمد بن قیس الرازی میں جو "معیار الاشعار" سے بھی قدیم

تصنیف ہے، یہ بیان ملتا ہے کہ رودکی نے دوبیت (متقارب) مقبوض اثلم میں لکھے ہیں، جو سجع کے لانے سے ثقیل نہیں معلوم ہوتے :

گل بہاری بت تتاری، نبیذ داری چرا نیاری
نبیذ روشن چو ابر بہمن بنزد گلشن چرا نیاری

(ص ۱۵۰، طبع یورپ)

اس اطلاع کی بنا پر میں نے اس بحر کا نام بحر رودکی رکھ دیا ہے۔

وزن مفتعلاتن سب سے پیشتر مجھے جامی کے ہاں ملتا ہے :

زلف معنبر بر مہ رو بت، تیرہ شب است و آتش موسیٰ
جامۂ صبرم در کف عشقت، دامن یوسف دست زلیخا

اس لئے مولینا جامی کی یادگار میں اس بحر کا نام جامی رکھا گیا۔

وزن مستفعلتن نسبتاً قدیم نہیں مجھے نظیر اکبر آبادی کے ہاں اس کا پتہ ملتا ہے۔اس کی نظموں اور غزلوں میں زیادہ تر "مفعولاتن" کے ردیف کے طور پر ملتا ہے۔لیکن ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جن میں یہ وزن بکثرت آیا ہے۔چنانچہ :

ہے کتنے دنوں سے عشق نظیر اس یار کا ہم کو جس کے ہیں
صبح اور بدن، شام اور پھبن، آج اور روش، کل اور طرح

(ص ۳۶، دیوان اول، نظیر، طبع انجمن ترقی اردو)

عروض میں" مفعولاتن" آیا ہے ورنہ باقی شعر میں" مستفعلتن" برابر آیا ہے اس لحاظ سے بحر ہذا کا نام نظیر کے نام پر نظیر ہوا۔

وزن مستفعولتن کی مربع میں جامی نے اشعار لکھے ہیں اور مثمن میں" بقول قدر بلگرامی" محب دہلوی نے لکھا ہے۔لہذا بحر محب اس کا نام ہوا۔

وزن متفاعیلن بہت کم معلوم ہے۔راقم نے سب سے پیشتر اس میں شعر کہے ہیں۔اس لئے اس

کا نام بحر شیرانی ہوا۔

وزن مفاعیلتن چنداں شگفتہ معلوم نہیں ہوتا اس لئے ہم اس کے متعلق مزید گفتگو نہیں کرتے۔

بند نمبر(۵) سے صرف ایک بحر نکلتی ہے۔ متفاعلتن مرکب از دو صغری۔ اس کے مربع میں سلمان ساوجی نے لکھا ہے۔ مگر اس کے مثمن میں بیدل نے فارسی میں اور نظیر وظفر نے اردو میں اشعار لکھے ہیں چنانچہ اس بحر کا نام بیدل رکھا گیا۔

وزن "عولن" چونکہ دو ممدود سے مرکب ہے اس لئے اس کا نام ثنائی، مفعولن کا ثلاثی اور مفعولاتن کا رباعی اسی قیاس پر رکھا گیا۔

میں نے اسباب و اوتاد و فاصلے کو بحروں میں نہیں شمار کیا ہے۔ مثلاً فعل وتد مجموع اور فاع وتد مفروق ہے۔ اختصاراً ان کو مجموع و مفروق کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ اسی طرح "فعلن" فاصلہ صغری ہے، جس کو صرف "صغری" کہا جا سکتا ہے۔

انفکاک بحور

انفکاک سے ہمارا مقصد کسی خاص شکل کے اجزائے ہجائی کی ترتیب بدلنا، ان میں الٹ پھیر یا تقدیم و تاخیر داخل کرنا ہے۔ مثلاً ہم نے ۶ ۸ ۷ لکھے۔ ان اعداد کے تجزیے اور الٹ پھیر سے یہ صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

۶ ۸ ۷

۸ ۶ ۷

۸ ۷ ۶

۷ ۸ ۶

۶ ۷ ۸

۷ ۶ ۸

اسی طرح بند نمبر(۱)، سے جو منجملہ بند ہائے ہفتگانۂ عروضی ہے، ہم نے بعمل انفکاک ذیل کی شکلیں برآمد کیں:

بند اوّل	ـــ ـــ ـــ •	= فعولن
	ـــ • ـــ	= فاعلن
	• ـــ ـــ	= مفعول

اسی طرح ہم کو فعولن، فاعلن اور مفعول حاصل ہوتے۔

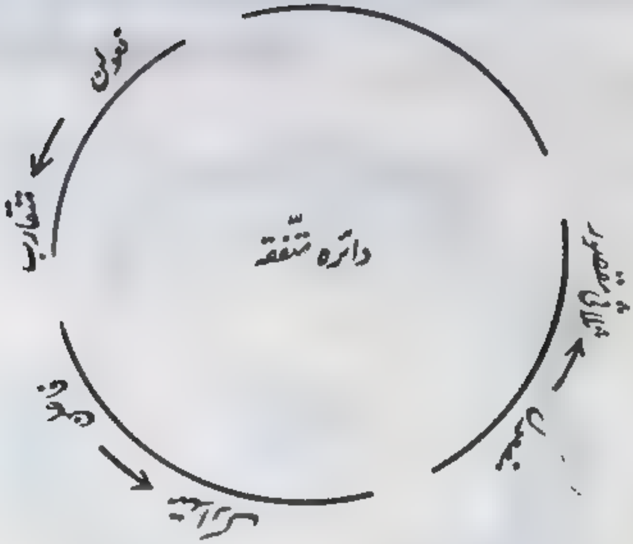
پہلی دو وہ بحور ہیں جو دائرہ متفقہ سے برآمد ہوتی ہیں۔ ہم نے ان بندوں سے وہی کام لیا ہے جو خلیل نے دائروں سے لیا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ دائرے کا عمل ذرا دقت طلب اور طوالت انگیز ہے۔ اس کے مقابلے میں ہمارا طریقہ نہایت سادہ اور مختصر ہے۔ عمل انفکاک اس وقت تک جاری رکھنا چاہیے جب تک تمام مختلف شکلیں اس سے حاصل نہ ہو جائیں۔ بند ہذا سے ان تین اشکال کے علاوہ کوئی چوتھی صورت برآمد نہیں ہو سکتی۔ یہی کیفیت باقی بندوں کی ہے۔ ان میں بھی یہی عمل کام دے گا۔

'شکل' سے ہماری مراد کسی خاص رکن کے اجزائے ہجائی کا تجزیہ ہے جو بصورت علامات مرقوم ہو۔ بند ان تمام شکلوں کے مجموعے کا نام ہے جو بذریعۂ عمل انفکاک پیدا ہوئی ہوں۔ بالفاظ دیگر 'شکل' 'رکن' کا دوسرا نام ہے جس طرح 'بند' 'دائرے' کا۔

یہاں ہم بند ششگانہ کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔ عولن دو اجزائے ممدودہ سے مرکب ہے۔ اس پر ایک مقصور بطور سابقہ لانے سے • ـــ ـــ = فعولن حاصل ہوتا ہے۔ اس رکن میں مقصور پہلے درجے پر ہے۔ مقصور کو دوسرے درجے پر سرکانے سے فاعلن اور تیسرے درجے پر سرکانے سے مفعول بن گئے:

	شکل		رکن	بحر	
بند اوّل بتقدیم مقصور بر عولن	ـــ ـــ •	=	فعولن	متقارب	۲
	ـــ • ـــ	=	فاعلن	متدارک	۳
	• ـــ ـــ	=	مفعول	ثلاثی مقصور	

دائرہ متفقہ ہماری اشکال کے ذریعہ سے یوں بنتا ہے :

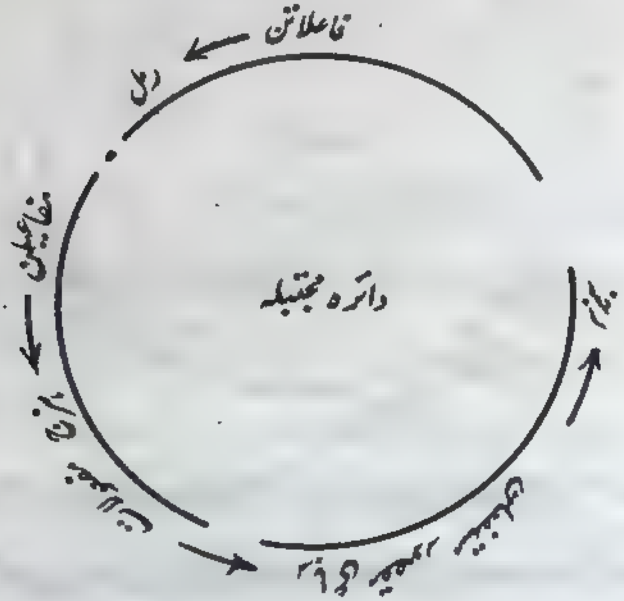


بند دوم : فعولن پر ایک مقصور اضافہ کرنے سے فعلاتن بنتا ہے ۔ دونوں ابتدائی مقصور دوسرے درجے پر لاتے جانے سے مفتعلن بنا ۔ اب دونوں مقصوروں کو ایک دوسرے سے جُدا کر کے ایک کو ابتدا میں اور دوسرے کو تیسرے درجے پر لاتے جس سے مفاعلن حاصل ہوا ۔ دوسرے مقصور کو بالکل آخر میں لانے سے مفاعیل اور پہلے مقصور کو دوسرے درجے پر رکھنے سے فاعلات بن گیا :

۴	خفیف	فعلاتن	= —— —— • •	بند دوم بتقدیم مقصور بر فعولن
۵	منسرح	مفتعلن	= — • • ——	
۶	مجتث	مفاعلن	= —— • —— •	
	ہزج مقصور	مفاعیل	= • —— —— •	
	رمل مقصور	فاعلات	= • —— • ——	

اس بند کے ارکان عروض قدیم میں توابع کی حیثیت رکھتے تھے جو ارکان فاعلاتن، مستفعلن و مفاعیلن میں زحافات کے عمل سے پیدا ہوتے ۔ ہمارے ہاں ان کی حیثیت اصلی ارکان کی ہے جو اپنی اپنی بحروں کے مالک ہیں ۔

بندسوم: بند اوّل کی طرح اس بند میں بھی مقصور رکن اوّل مفاعیلن کی ابتدا سے چلتا ہوا فاعلاتن میں دوسرے، مستفعلن میں تیسرے اور مفعولات میں چوتھے درجے پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ دائرہ مجتبلہ کی بحور ہیں۔ اس دائرے کی شکل ہمارے ہاں یہ ہوگی:



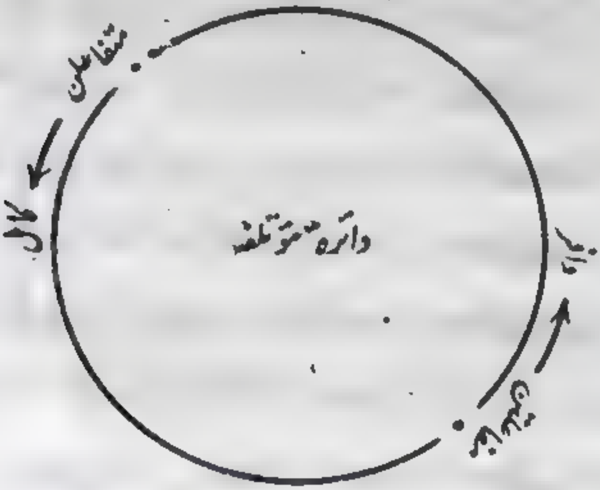
بندسوم باضافۂ ممدود برفعولن بطور لاحقہ	— — — •	=	مفاعیلن	ہزج	۷
	— • — —	=	فاعلاتن	رمل	۸
	— — • —	=	مستفعلن	رجز	۹
	— — — •	=	مفعولات	رباعی مقصور	

بندچہارم:

بندچہارم بتقدیم مقصور برمتفاعلن	— • — • •	=	متفاعلن	کامل	۱۰
	— • • — •	=	مفاعلتن	وافر	۱۱
	• — • — •	=	مفاعلات		
	• — — • •	=	متفاعیل		
	• — • • —	=	مفتعلات		

دائرہ مؤتلفہ سے صرف دو بحریں نکلتی ہیں۔ مفاعلن پر ایک مقصور کے اضافے سے متفاعلن بنتا ہے، جو بحر کامل کا رکن ہے۔ علن کو مقدم اور متفا کو مؤخر کرنے سے مفاعلتن، بحر وافر کا رکن مستخرج ہوتا ہے۔ دائرے میں صرف یہی دو بحریں نکلتی ہیں۔

ہماری الٹ پھیر سے تین توابع اور نکلتے ہیں۔ عروض جدید میں دائرہ مؤتلفہ کی یہ شکل ہے:



بند پنجم: بند پنجم سے صرف ایک بحر نکلتی ہے:

۱۲ ببیل	متفاعلتن	=	— • • — • • •	بند پنجم بتقدیم مقصور بر مفاعلتن
	متفاعلات	=	• — • — • •	
	مفاتعلات	=	• — • • — •	

بند ششم:

بند ششم بتقدیم مقصور بر مفاعیلن

— — — • •	=	متفاعیلن	بحر شیرانی	۱۳
— — • • —	=	مفتعلاتن	بحر جامی	۱۴
— • • — —	=	مستفعلتن	بحر نظیر	۱۵
— — • — •	=	مفاعلاتن	بحر رودکی	۱۶
— • — • —	=	مسفعولتن	بحر محب	۱۷
— • — — •	=	مفاعیلتن		
• — — — •	=	مفاعیلات		
• — — • —	=	مسفعولات		
• — • — —	=	مستفعلات		

بند ہفتم:

بند ہفتم مقصور بر مفاعلاتن

— — • — • •	=	متفاعلاتن
— • — — • •	=	متفاعیلتن
— — • • — •	=	مفاتعلاتن
— • • — — •	=	مفاعینفعلن
— • — • — •		
• — • — • —		
• — — • • —		
• — • • — —		
• — — — • •		

ہم نے اگرچہ بند ہفتم کو شامل کر لیا ہے لیکن بوجہ درازی اس سے شگفتہ بحروں کا مستخرج ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یہ بند زیادہ تر بہ غرض اطلاع درج ہوا ہے۔ بعض موقعوں پر یہ اوزان شاید

کارآمد ثابت ہوں۔

گزشتہ چھ دائروں سے سترہ مفرد بحریں برآمد ہوتی ہیں۔ باقی تین بحریں، جو ایک ممدود کے اضافے سے بنتی ہیں، یہ ہیں:

ـــ ـــ =	عولن	بحر ثنائی	۱۸
ـــ ـــ ـــ =	مفعولن	بحر ثلاثی	۱۹
ـــ ـــ ـــ ـــ =	مفعولاتن	بحر رباعی	۲۰

اس طرح کل مفرد بحروں کی تعداد بیس ہوتی ہے اور انہی پر ہماری عروض کا دارومدار ہے۔

بحر اوزان کا ایک باب ہے، جس کے ذیل میں قریبی تعلق رکھنے والے اوزان شامل کر دیئے گئے ہیں۔ بحریں مفرد بھی ہوتی ہیں اور مرکب بھی۔ اوپر کی بیس بحریں تمام و کمال مفرد ہیں۔ مرکب سے مراد ایسے اوزان ہیں جن میں دو یا زیادہ ارکان کام کر رہے ہوں۔ بحر کا نام اس کے رکن خاص کی بنا پر رکھا جاتا ہے۔ مثلاً فعولن بحر متقارب کا اور فاعلن بحر متدارک کا اور مفاعیلن بحر ہزج کا وغیرہ وغیرہ۔

فعولن	متقارب
فاعلن	متدارک
مفاعیلن	ہزج
فاعلاتن	رمل
متفاعلن	کامل
مستفعلن	رجز
مفاعلتن	وافر
مفتعلن	منسرح
مفاعلن	مجتث

اگر ایک شعر میں دو وزن کام کر رہے ہیں تو بحر کا نام دونوں وزنوں کی بنا پر رکھا جائے گا۔

چونکہ بحر طویل میں دو رکن علی التواتر آتے ہیں۔ اس لئے ہمارے نزدیک اس بحر کا نام بر بنائے ارکان فعولن مفاعیلن بحر "متقارب ہزج" زیادہ موزوں ہوگا نہ بحر طویل۔ چونکہ بحر مدید کا وزن "فاعلاتن فاعلن" ہے اس لئے اس کا نام "رمل متدارک" موزوں ہوگا۔ یا مثلاً وزن "فعلات فاعلاتن" دوبار رمل مثمن مشکول ہے۔ اوّل تو ایک مزاحف رکن کو رکن سالم سے قبل لانا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ دوسرے جب اس کی تقطیع سالم ارکان کے ذریعے سے ہو سکتی ہے تو مزاحف ارکان کیوں لائے جائیں؟ ہمارے نزدیک اس کی تقطیع "متفاعلن فعولن" دو بار مناسب اور نام "کامل متقارب" ہے یا اسی کے تحت کا وزن مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات" نہایت بھدا اور بھونڈا معلوم ہوتا ہے، جس میں تین مختلف وزن ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں ہیں اور چونفا مکرّر ہے۔ اس کی جگہ اگر اس کی تقطیع "مستفعلن فعول و مستفعلن فعول کی جائے تو زیادہ مستحسن ہوگا۔ اس وزن کا نام بحر رجز متقارب مقصور و معطوف ہنے۔" و "عطف ہے، جو عروض جدید کا نیا اور ابتدائی جزو ہے۔ اسی غرض سے اس کا نام عاطفہ رکھا گیا۔ یہ عاطفہ اور چند موقعوں پر بھی آئے گا۔ رجز کا وزن مخبون مطوی "مفتعلن مفاعلن" کا نام ہمارے نزدیک "منسرح مجتث" ہوگا یا مجتث کا وزن مفاعل و فاعلاتن کی تقطیع اگر مفاعلتن فعولن سے کی جائے اور نام وافر متقارب دیا جائے تو بہتر ہے۔

طریقِ تقطیع

جس طرح اشخاص کے جداگانہ نام ہوتے ہیں اسی طرح ان ارکان کے خاص نام ہیں اور انہیں ناموں سے وہ پہچانے جائیں گے اور یہی نام ان کی بحریں ہیں۔ اس طرح ہم زحافوں کی بدعت سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اگر کسی شعر میں تین یا چار مختلف رکن کام کر رہے ہوں تو بحر بنانے کے لئے ان ارکان کے نام بالترتیب دینے ضروری ہیں۔ اولیت پہلے رکن کو حاصل ہے اور وزن اسی بحر کے ذیل میں شمار ہوگا۔

اب جب کہ نئے اوزان اور بحروں کے ادخال نے عروض کے میدان کو زیادہ وسعت اور فراخی دے دی ہے اس لئے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ ایک ہی شعر ایک سے زیادہ طریق پر تقطیع ہو سکے۔ اس کے لئے

آتنا یاد رکھنا چاہئے کہ تقطیع حتی الامکان بڑے وزن سے شروع کی جائے اور چھوٹے وزن پر ختم کی جائے۔ فروع سے نہ شروع کی جائے۔ سب سے بہتر تقطیع وہی ہے جو ایک رکن سے ہو سکے۔ اس کے بعد وہ جو دو رکنوں کے ذریعے سے ہو یعنی دو رکن بالترتیب کام کریں۔ سہ رکنی اور چہار رکنی اس وقت اختیار کرنی چاہئے جب یک رکنی اور دو رکنی تقطیع ممکن نہ ہو۔ ذیل میں بعض اشارے تقطیع کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ ان کو ذہن میں رکھنے سے امید کی جاتی ہے کہ طلبا غلطی سے محفوظ رہ سکتے ہیں :

(۱) شعر کا ابتدائی لفظ دیکھا جائے کہ وہ ہجا کی رو سے مقصور سے شروع ہوتا ہے یا ممدود سے۔ اگر مقصور سے شروع ہوتا ہے تو تمام ایسی بحریں، جو ممدود سے شروع ہوتی ہیں، خارج از بحث ہیں۔ اب لفظ کے دوسرے جزو پر توجہ دینی چاہئے آیا ممدود ہے یا مقصور۔ اگر مکرر مقصور ہے تو ابتدائی رکن یا فعلاتن ہے یا متفاعلن۔ متفاعلن اردو میں رائج نہیں اور جدید ہے۔ اگر تیسرا اور چوتھا جزو دونوں ممدود ہیں تو یقیناً فعلاتن ہے۔ اگر تیسرا جزو ممدود ہے اور چوتھا مقصور اور پانچواں ممدود تو رکن مطلوبہ متفاعلن ہے۔ اس صورت میں شعر لمبا ہو گا۔ اردو میں متفاعلن صرف سالم آتا ہے۔

(۲) اگر ابتدائی مقصور کے بعد جزو دوم ممدود ہے تو رکن اوّل یا فعولن ہو گا یا مفاعیلن یا مفاعلاتن۔ مفاعلن اردو میں جدید ہے اور کم مستعمل ہے۔ اگر تیسرا جزو ممدود ہے اور بحر بھی چھوٹی ہے تو فعولن ہونا چاہیے اگر تیسرے جزو کے بعد بھی ایک اور ممدود آیا تو مفاعیلن ہو گا۔ اگر تیسرا جزو مقصور ہے تو رکن یا مفاعلن ہو گا یا مفاعلاتن۔ مفاعلن میں چوتھا جزو ممدود ہے۔ اگر پانچواں جزو بھی ممدود ہے تو مفاعلاتن ہے۔ یہ لمبی بحر کا وزن ہے۔

(۳) اگر لفظ کا جزو اوّل ممدود ہے تو وہ ان ارکان میں سے ہو سکتا ہے : عولن، فاعلن، مفعولن، مفتعلن فاعلاتن، مستفعلن، مفتعلاتن، مستفعلتن۔ گزشتہ کے قیاس پر بعد کے اجزا پر نگاہ ڈال کر ایک ایک کو چھوڑ کر صحیح رکن اختیار کرنا چاہئے۔

(۴) اگر بحر یک رکنی ہے تو دوسرے ہی رکن سے معلوم ہو جائے گا۔ اگر دو رکنی یا سہ رکنی ہے تو تیسرے رکن سے پتا لگ جائے گا۔ دو رکنی میں دونوں رکن بالترتیب مکرر آئیں گے۔ سہ رکنی میں مصرع ہی ختم ہو جائے گا۔

(۵) ارکان اور بحور کی یاد داشت حافظے سے تعلق رکھتی ہے لیکن تقطیع کے لئے فہم و ذکاوت درکار

ہے۔ شعر کو صحیح پڑھنا نہایت ضروری ہے۔ اگر شعر پڑھنے میں غلطی کی جارہی ہے تو تقطیع بھی غلط ہوجائیگی اس لئے ضروری ہے کہ تقطیع کرنے سے پہلے شعر کو درست پڑھنے کی کوشش کی جائے۔

(۶) تقطیع میں الفاظ کے تلفظ پر دھیان دینا ضروری ہے۔ جس طرح ایک لفظ پڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کی تقطیع ہونی چاہیئے۔ اگر ہم ایک ممدود کے ادا کرنے میں اتنا ہی وقت صرف کرتے ہیں جو ایک مقصور کے واسطے ضروری ہے تو تقطیع میں بھی ایسا ممدود مقصور بن جائے گا۔ مثلاً الفاظ "وہ" "جو" "میں" سب کے سب ممدود ہیں لیکن مومن خاں کے مصرع میں مقصور ہیں چنانچہ ع :

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا

تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

یہ مصرع پورے چار ٹکڑوں میں تقسیم ہوسکتا ہے یعنی :

وہ جو ہم میں تم ، میں قرار تھا ، تمہیں یاد ہو ، کہ نہ یاد ہو

آخری ٹکڑے سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اس کا وزن متفاعلن (— — ٠ — ٠ ٠) ہے۔ جب یہ وزن پہلے ٹکڑے پر آزماتے ہیں تو متفاعلن اس پر بھی پورا بیٹھتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ "وہ" اور "جو" اور "میں" جو پہلے ٹکڑے میں آئے ہیں، سب کے سب مقصور ہیں یعنی ہم یوں پڑھتے ہیں :

و ج ہم م تُم (٠ ٠ — ٠ —)

میں قرار تھا کو بھی ہم " م ق رار تھا " پڑھتے ہیں۔ یہی حالت تیسرے ٹکڑے "تمہیں یاد ہو" کی ہے جسے "ت م یاد ہو" (٠ ٠ — ٠ —) پڑھتے ہیں۔

متفاعلن کامل کا رکن ہے۔ اس لئے بحر کامل مثمن سالم ہے اور اردو میں فارسی کے مقابلے میں بہت مقبول ہے۔

اسی طرح اگر کسی مقصور کی قرأت میں ہم نے زیادہ وقت لگا دیا ہے تو یہ مقصور تقطیع میں ممدود کے مساوی مانا جائے گا۔

غالب کا مصرع ہے ع :

شمار سبحہ مرغوب بُت مشکل پسند آیا

اس کا وزن مفاعیلن چار بار ہے ۔ "شمار سُب" میں اگر "رُ" کو مقصور بولیں گے تو اس کا وزن مفاعلن (• — • —) ہوگا ۔ اگر "ر" کے کسرے کو کھینچ کر پڑھیں یعنی "شمارے سب" تو مفاعیلن وزن ہوگا اسی طرح دوسرا رکن "ح مرغوب" کو اگر اسی طرح پڑھا جاتے تو وزن مفاعیل ہوگا لیکن یہ "ب" مقصور نہیں ہے بلکہ ممدود بر وزن مفاعیلن ۔ یہی حالت "بت مشکل" کی ہے ، جو بحالت موجودہ بر وزن فعلاتن ہے ۔ مگر "ت" پھر ممدود نہیں رہے گی یعنی "بُ تے مش کل" مفاعیلن ۔ آخری رکن "پسند آیا" بر وزن "پ سن دا یا" مفاعیلن ہے ۔ البتہ تقطیع میں کتابت کی پروا نہیں کی جاتی بلکہ قرآت کی اس نکتے کی شناخت ہمیں صحیح تقطیع کی شاہراہ پر پہنچا دے گی ۔ جس مقصور یا ممدود کے متعلق شبہ ہے کہ وہ ممدود مقصور ہے یا برعکس ، اس کو پڑھ کر دیکھ لیا جائے کہ مقصور پڑھا جاتا ہے یا ممدود ۔ بہر حال صحیح قرآت ان امور کا فیصلہ کرتی ہے ۔

ذیل میں بعض جدید اوزان بغرض نمونہ عرض ہیں ۔ تقطیع میں سہولت کے لئے پہلے نیم مصرع کی شکل نویسی کے ارکان بھی بتلائے گئے ہیں :

مجتث شیرانی :

میں نفس ذا ، ت میں دیکھو تو ، مثال صفر ، ر کے لاشئے ہوں

• — • —   • • — — — —

وجود غیر سے ملتا ہے سراغ کچھ میری ہستی کا

فضول ہے یہ خفا ہونا ، وطن کو چھوڑ سفر کرنا

ہمارے ایک نہ ہونے سے بگڑتا کچھ نہیں بستی کا

مجتث وافر :

ہزار جس ، تجو میں رہے ، سراغ رفتگاں نہ لگا

— . . — . ، — . — .

عدم کو جو روانہ ہوتے ، ہمیں وہ قافلے نملے

مجتث ثنائی :

بہار گل ، آئی ، شراب دے مجکو

— — ، — . — .

شراب دے ساقی شتاب دے مجکو

مجتث رجز :

خزاں کا موسم آگیا ، بہار گل رخصت ہوئی

— . — — ، — . — .

چمن نے دی صورت بدل گلوں کی فق رنگت ہوئی

وافر مجتث :

مسبغ مربع :

ہے فرصت غم ، گئی بہار ،

، . — . — . ، — . . — .

خزاں کو ملا ہے اختیار

وافر کامل :

بہار چمن ، ہے شباب پر ، نوای ہزار ہے نغمہ زن

، — — . . . ، — . . — .

نہال اس سے تو پھول چن خزاں کا زمانہ قریب ہے

وافر شیرانی:

ریاض جہاں، کی ہوا دیکھی، نہیں یہ مقام اقامت کا

● — ● ● — ، — ● ● ● — — — ،

تبسم غنچہ کی موجوں میں ملال کا رنگ جھلکتا ہے

وافر بیدل:

گداز کرے، مری روح و رواں، وہ حسن نظارہ فریب کہاں

● — ● ● — ، ● ● — ● ● — ●

ادا کے جو صدقے ہوں تاب و تواں تو عشوہ کی نذر کروں دل و جاں

رودکی ممدود مربع:

تمہاری صورت، کو دیکھتے ہیں ہم

● — ● — — ،

خدا کی قدرت کو دیکھتے ہیں ہم

رودکی ہزج:

عروج ہستی کو ہے پستی، رواں عدم کو ہے یہ بستی

● — ● — — ، ● — — —

چلی اجل کی زبردستی نشاں نہیں تاجداروں کا

رودکی ... :

ستارے ڈوبے، تھے صبح ہوئی تھی، ملا تھا شب کو پیام فنا کا

● — ● — — ، ● — ● ● — — ،

چمن میں زنجیر پا تھے صبا تھا، ترانہ مرغانِ نغمہ سرا کا

متدارک شیرانی :

دل پہ ہم ، نے اٹھلتے ہیں ، داغ لالہ عذاروں کے

، —— —— —— —— • • ، ، —— • ——

حسرتیں نہیں بیٹھے ہیں ، پھول ہیں یہ مزاروں کے

منسرح ہزج :

اس سے ہما ، رے ملنے کی ، بات کبھی نہیں بنتی

، —— —— —— • ، —— • • ——

موت اماں نہیں دیتی ، وعدہ اگر وفا ہوتا

منسرح کامل :

لالہ وگل ، پہ جمال ہے ، آمد فصل بہار ہے

، —— • —— • • ، —— • • ——

کنج قفس میں ہو نغمہ زن ، کہدو یہ بلبل زار سے

منسرح رودکی مربع :

باغ میں لا ، کھ جستجو کی   پائی کلی نہ تیری بو کی

—— —— • —— • • —— • • ——

آنکھوں نے خون یہ بہایا   بن گئیں ندیاں لہو کی

دل جو کبھی تھا تیرا مسکن   گور بنا ہے آرزو کی

منسرح ثنائی :

دیر میں پا ، جاتا ، کعبے میں ہل جاتا

—— —— ، —— • • ——

یار سے مطلب تھا ، یار کہیں ملتا

رجز وافر :

ہر شخص کو، ہے آس نئی، ہر پھول میں ہے باس نئی

— — • — ، • — • • — ،

جب دل پہ چھائے آس نئی، ہے آسرا ضرور ترا

موجود ہر، وجود میں تو، پوشیدہ ہر نمود میں تو

— — • — ، • — • • — ،

نابود اور بود میں تو، ہر چیز میں ظہور ترا

رجز زدکی :

جب یار، مہربان نہیں تھا

— — • — ، • — • — — —

کینے پہ آسماں نہیں تھا

رجز نظیر :

تکوین ہستی اور اجل، ہیں مسئلے ناقابل حل

— — • — — • — — • — ،

انشا ہوں ہم، پہ راز ترے، معلوم ہے منظور نہیں

نظیر متدارک :

پردیس نہیں، دیس ہے، پردیس میں یہ حال ہے

— — • • — ، — • — ،

پوچھے نہ ذرا، بھی کوئی، بالفرض جو مر جائیے

نظیر ثلاثی:

مانا کہ تصرف میں ہے ، وہ ماہ سے لے تا ماہی

— — • • — ، — — — ▪

بے چین بہت رہتا ہے ، جس سر پہ ہے تاج شاہی

ساقی وہی ہ، میکش ہیں ، بے کار بہانے سارے

— • • — ، — — — ،

گردش میں ہمیشہ رہنا ، تقدیر میں تھا پیالے کی

نظیر ثلاثی مقصور مربع:

ہستی کا سنو ، گر راز ، ہر چیز ہے یاں غمّاز

— — • • — ، — — • •

ہر بات میں ہے اک بھید، ہر پھول میں ہے اک راز

نظیر کامل ممدود:

الفت میں ہوس ، کا گماں نہ ہوتا

— — • • — ، — • — • —

اس آگ میں میری دھواں نہ ہوتا

دے بوسہ لبوں کا بجائے عتاب

— — • • — ، — • — • — —

بیمار جنوں کی دوا بدل دے

نظیر متقارب :

بے فکر نہ ہو ، مسافر ، منزل ہے کٹھن سنبھل جا

، — — — • ، — • • — —

مشکل سے عبور ہوں گی ، دشوار یہ گھاٹیاں ہیں

نظیر مجتث :

بلبل کا سرد ، د خرمی ، ہے شام د سحر یہ نغمہ زن

، — • — • ، — • • — —

ہر خار میں خو ، ے دوست ہے ، ہر پھول میں بوئے یار ہے

نظیر شیرانی :

ہستی یہ نہیں ، ہے یہ بیداری ، مابین د د خواب عدم یعنی

، — — — • • ، — • • — —

جب آنکھ مندی چلے جاویں گے ، ہے ساعت چند قیام اپنا

نظیر بیدل :

کب سے توفقی ، رہے در پہ کھڑا ، لیکن نہ کسی نے جواب دیا

، — • • — • • ، — • • — —

جا اور کہیں تو لگا نا صدا ، اس گھر سے کسی کا بھلا نہ ہوا

نظیر رجز :

وہ وقت ہے آ ، یا قوم پر ، کہتے ہیں منافق سب طرف

، — • — — ، — • • — —

منہ قبلے کے رُخ سے پھیر لے اور سوئے کلیسا کیجئے

جامی متدارک :

فصلِ بہاری، آگئی، گلشن عالم شاد ہے

، — • — ، — — • • —

لالہ و گل ہیں ہر طرف شور مبارکباد ہے

جامی رمل مقصور :

آمد فصل، گل کی دھوم، دل میں امنگوں کا ہجوم

، • — • — ، — — • • —

آئیں گھٹائیں جھوم جھوم، لے کے پیام نو بہار

جامی منسرح:

ملک عدم کے، راہرو، کچھ ہیں ہمارے دوست وہاں

، — • • — ، — — • • —

بھیجتے ہم پیغام انہیں، تم کو مگر کیا یاد رہے

جامی مقصور:

فصلِ بہاری، کا ہے شباب، مرغ چمن ہیں مست و خراب

، • — • • — ، • • — • • —

دل بر گل نے، پی کے شراب، منہ سے الٹ دی اپنے نقاب

جامی ثلاثی:

سات سمندر، طے کر کے، دور وطن سے آتا ہوں

، — — — ، — — • • —

دھوم ہے میری دنیا میں، جب سے کہ آتا جاتا ہوں

محبب مجتث :

خندۂ نیم ، نم نخل کی ، جھولیوں سے گل گراتے ہیں

— • — • — • • — • — ،

کاروانِ گل کو لے گئی ، بادِ صبح لوٹ ماریں

زندگی کی جن ،گ دیکھتے ، وحشیانہ رنگ دیکھتے

— • — • — ، • — • — ،

آدمی کے ڈھنگ دیکھتے ، ایک کو اک کھائے جائے ہے

ثلاثی شیرانی :

دنیا میں ، نہ لگانا دل ، عقبیٰ کا تو مسافر ہے

— — — ، • • — — — ،

جانا ہی نہیں اس گھر کو ، ہر اک شخص پہ ظاہر ہے

خفیف رودکی :

جو دیا سا ، قی ازل نے ، وہی اچھا ہے اپنے حق میں

• • — — ، • — • — — ،

ہے بھلے اور برے کا نا حق ، تمہیں یہ امتیاز کرنا

کامل مجموع مثمن :

تری آرزو ، ہے یہ ، تجھے فطری خواہشوں پہ ظفر نصیب ہو تو خیال خام ہے

• • — • — ، • — — — ،

کہ قیود زندگی سے وجود آدمی ، دم مرگ تک کبھی نہ نجات پائے گا

کامل متقارب مقصور:

ہوے چار پا، پنچ سال، کہ ہے زندگی وبال

تپِ غم سے ہوں نڈھال، پریشان و خستہ حال

کامل بیدل:

میرے دل کو تاب نہیں تھی ذرا، کہ صنم سے میں کبھی ہوتا جدا

یہ دکھایا گردشِ چرخ نے کیا، کہ میں ہوں کہیں تو ہے یار کہیں

بیدل متقارب:

تمہیں گوشۂ عافیت میں، جو نہیں ہے پسند جینا

کسی عربدہ جو سے ملتے، کہ محال ہو زندگانی

بیدل وافر:

ہے تبسّم زن، دگّی بشر، یہ شباب جنوں فزا بخدا

کہ جو صورتِ گل سحر کو کھلا، ملا شب کو اسے پیامِ فنا

بیدل کامل:

نہ مرض میں افاقہ پدید ہے، نہ وہ طاقتِ گفت و شنید ہے

وہ جو رات کو دیکھ کے تو گیا، وہی تیرے مریض کا حال ہے

بیدل مجتث :

ترے در سے کبھی، جو جائیں گے، تو خدا کی قسم نہ آئیں گے

• • — — • — • — — • — • — — ،

کسی اور سے لو لگائیں گے، کہیں اور دیا جلائیں گے

بیدل شیرانی :

یہ بہار چمن، یہ ہوا ٹھنڈی، یہ شگوفۂ گل، یہ فضا دلکش

• • — — • • — — • • • — — — ،

تری خاک کرے، گا کوئی تسکیں، یہی جب نہ ملال زیاں ہوں گے

بیدل نظیر :

ترے دست طلب، کا جادۂ سر، کبھی ملتمس آرام نہیں

• • — — • • — — • — — • • — ،

ہے مثال صبا ہر دم وہ رواں، جو ہے صبح کہیں تو شام کہیں

شیرانی شمن :

چو سحر گاہا، بگلستاںہا، لب بلبلہا، بترنم ہا

• • — — • • — — • • — — — — ،

بپرد خواب از، گل بستانی، بہوای برق تبسمہا

یہ ضروری دقت ہے اے رہرو، نہ گنوا تو سیر و تماشے میں

• • — — — ، • • — — — — ،

کہ مسافر کو ہے غضب تھمنا، ہو سفر میں کوچ کی جب جلدی

تو اٹھا جلدی ، سے قدم اپنا ، مجھے ڈر ہے رات نہ ہو جائے

. ـــ ـــ ـــ ـــ . . . ـــ ـــ ـــ ـــ ،

کہ یہاں سرگر، م سفر سب ہیں ، وہ ہوں دیسی یا، کہ ہوں پردیسی

شیرانی بیدل :

جو نشان را، ہ دکھادے ہمیں ، کوئی ایسا مردِ خدا نہ رہا

. . ـــ ـــ ـــ . . . ـــ . . ـــ ،

تو ہمارا راہ نما نہ بنا ، تو کوئی اب راہ نما نہ رہا

شیرانی نظیر :

تری بستی سے، ہے کوچ مرا ۔ مجھے ٹھمنے پہ مجبور نہ کر

. . ـــ ـــ ـــ ، ـــ ـــ . . ـــ ،

وہ اٹھاتے صدمے ہیں نے یہاں ، مجھے رہنے کا ارماں نہ رہا

شیرانی رجز :

تری حالت ہر، دم زار ہے ، مجھے کہ تو کیا اسرار ہے

. . ـــ ـــ ـــ ، ـــ ـــ . ـــ ، .

کہیں آتا کچھ آسیب ہے ، کہ محبت کا آزار ہے

شیرانی کامل :

انہیں دریاؤں ، سے ملے گہر، جنہیں طوفانوں کا نہ تھا خطر

. . ـــ ـــ ـــ ، . . ـــ . ـــ ،

جو خزاں کی تاب نہ لا سکیں ، نہ لگائیں دل کو بہار سے

(کامل ممدوذ) :

سر عجز ہم نے ، تو بہت ہی پٹکا

— — — ∪ ∪ — ∪ — ∪ ∪

نہ ہوا ادا حق ، تری بندگی کا

"زمیندار" و "معارف" میں عروضی بحث

جناب سیّد سلیمان ندوی کی مسامحت

(روزنامہ "زمیندار" بابت ۲۵ اکتوبر سنہ ۱۹۲۴ء میں شائع ہونے والا ایک خط)

محترمی اڈیٹر صاحب "زمیندار"!

حافظ فضل حق صاحب آزاد عظیم آبادی کے فارسی شعر:

" بہ ترانہائے اقبال کہ زباں بوصف اولال

غزلے سرود الحال آزاد نغمہ سازے

کے وزن پر آپ کا اعتراض میری نظر سے گزرا۔ ساتھ ہی سیّد سلیمان صاحب ندوی، مدیر "معارف" کا جواب بھی میرے مطالعہ میں آیا ہے۔ سیّد صاحب کا جواب بادی النظر میں کافی معلوم ہو لیکن عروضی نقطہ نظر سے ایک لمحہ کے لئے بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور میں آپ کے دونوں اعتراضوں کو درست اور مناسب مانتا ہوں۔ شعر بالا میں "اقبال" "لال" اور "الحال" کے 'لام' صریحاً وزن سے باہر ہیں۔ حافظ کا مصرع:

ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست

موجودہ بحث کے بالکل نامناسب ہے۔ مناسب تو یہ تھا کہ مدیر "معارف" ہم کو اس شعر کے زحاف بتا دیتے تاکہ اس کے عروضی پہلو کو سمجھنے میں سہولت پیدا ہو جاتی۔ جہاں تک مجھ کو معلوم ہے عروضی اپنے "قواعد اور ضوابط کی پابندی میں بے حد متشدد ہیں اور ایسی آزادی کے، جو شعر بالا میں دیکھی جاتی ہے، کبھی روادار نہیں ہوتے۔ مدیر "معارف" تو اکٹھے تین تین زائد از وزن 'لاموں' کے جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں اور ادھر کیفیت یہ ہے کہ اہلِ عروض شعر میں ایک زائد حرف پر بھی ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں اور وہ

ہندوستانی ہوں یا ایرانی کسی کو معاف نہیں کرتے حتیٰ کہ عزت شیرازی کے شعر ذیل پر اس لئے معترض ہیں کہ اس میں "عاقل" کا 'عین' وزن سے خارج ہو جاتا ہے :

مرا پند خردمندان بحال خود نمی آرد
باین افسانہا مجنون عشق عاقل نمی گردد

"قواعد العروض" میں (صفحہ ۲) قدر بلگرامی مرحوم خوش دل کا اسی قسم کا شعر :

نکاح جب تک نہیں ہوتا مرے ساتھ
لگانا ہے مناسب کب تمہیں ہاتھ

نقل کرتے وقت، جس میں "نکاح" کی 'ح' وزن سے باہر ہے، کہتے ہیں :

" اگر کوئی ایسے حروف کے سقوط پر از روئے جواز اشعار مندرجہ صدر کو مثالاً صرف کرے تو معتبر نہ ہوں گے کیونکہ یہ سب معترض علیہ ہیں اور ان اشعار پر کیا منحصر، کسی کا شعر ہو، اس سقوط کی مثال میں غیر معتمد ہے اور بے کار۔ خواہ فردوسی ہوں خواہ شیخ عطار۔"

اس روشنی میں خواجہ حافظ کے تینوں مصرعے :

(۱) " عجب از وفائے جاناں کہ تفقدے نہ فرمود"
(۲) " ز رہم میفگن اے شیخ تو بدانہائے تسبیح "
(۳) " سر خدمت تو دارم بخرم بہ ہیچ مفروش "

جن کو مدیر "معارف" اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کرتے ہیں، صحیح عروضی نقطہ نظر سے قابلِ اعتراض ٹھہرتے ہیں۔ مصرع اوّل و سوم کو اگر قابلِ گرفت نہ بھی مانا جائے، کیونکہ متاخرین بعض اوقات ضرب و عروض میں دو ساکن لے آیا کرتے ہیں، تب بھی حافظ کا مصرع دوم معترض علیہ ہے جس میں "شیخ" کی 'خ' کسی طرح بھی جائز نہیں مانی جا سکتی۔

کوئی ایسا قاعدہ موجود نہیں ہے کہ مسمّط چار خانہ میں حرف موقوف بعد حروف علت خارج از وزن ہو۔ نہیں معلوم مدیر "معارف" نے میرزا غالب کا شعر :

---

[1] قواعد العروض، مطبع شام اودھ، سنہ ۱۲۸۸ھ (مرتب)

جب وہ جمال دِل فروز صورت مہر نیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردہ میں منہ چھپائے کیوں

یہاں کیوں نقل کیا کیونکہ آزاد کے شعر کے حق میں اس سے کوئی مفید تائید پیدا نہیں ہوتی۔

عروضی نظر میں دونوں شعروں کی حیثیت مختلف ہے۔ "ل دل فروز" "ر نیم روز" اور "نظارہ سوز" میں ازالہ کا عمل ہو رہا ہے جس سے وزن بجائے مفاعلن، مفاعلات ہو گیا ہے لیکن ازالہ وتد مجموع کے ساتھ مختص ہے اس لئے غالب کے ہاں درست ہے۔ آزاد کے شعر میں اس موقعہ پر سبب خفیف ہے لہذا ازالہ ناقابلِ عمل اگر زیادہ تگ و دو کی جائے تو تسبیغ مانا جا سکتا ہے لیکن اس کا جواز صرف ضرب و عروض کے لئے مخصوص ہے نہ وسط مصرع کے رکن کے لئے۔ علاوہ ازیں تسبیغ بلاغنہ پر عروضی حرف گیری کرتے ہیں اور خارج از دائرہ بتا دیتے ہیں۔

اسی طرح میں آپ کے دوسرے اعتراض کو کہ "آزاد" بجائے فَعِلات کے مفعول ہو گیا ہے، صحیح مانتا ہوں۔ مدیر "معارف" کا یہ بیان کہ "وزن میں فَعِلات اور مفعول مشترک ہیں۔ فَعِلات تسکین (یعنے تین مسلسل حرکتوں کے بیچ کے متحرک کو ساکن کر دینا) سے فَعلات بن جاتا ہے اور ایسا کرنا کسی ایک رکن میں جائز ہے۔" ممکن ہے کہ اور موقعوں پر درست ہو لیکن موجودہ صورت میں کسی طرح قابلِ قبول نہیں۔

اصل یہ ہے کہ زحاف تسکین صاحب معیار الاشعار کی ایجاد ہے اور فارسی کے ساتھ مختص ہے محقق طوسی فرماتے ہیں:

" از جملہ تغیرات عام کہ بہ شعر فارسی خاص است یکی آنست کہ ہر کجا سہ حرف متحرک متوالی افتد تسکین اوسط روا دارند و در یک وزن متحرک و مسکّن باہم بیامیزند و این حکم مطرد است الا آن جا کہ مانعی افتد مثلاً با شد کہ بحر بہ سبب تسکین در بدل افتد چنان کہ درین وزن کہ فَعِلات فاعلاتن اگر عین فَعِلات مسکّن کنند تا این وزن شود کہ مفعول فاعلاتن و ہر یک از بحری دیگر است۔

پس تسکینی کہ مقتضی اشتباہ بود نشاید۔"[1] (معیار الاشعار، صفحہ ۳۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں کہیں تین مسلسل متحرک حرف واقع ہوں ان میں تسکین اوسط جائز ہے لیکن ایسے موقعوں پر جہاں کوئی ایسا مانع موجود ہے جس سے بحر بدل جانے کا اندیشہ ہے مثلاً وزن رمل مشکول "فَعِلات فاعلاتن" کہ اگر "فَعِلات" کے 'عین' کو ساکن کر دیا جائے تو بحر بدل جائے گی اور مضارع کا وزن "مفعول فاعلاتن" پیدا ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں تسکین جائز نہیں۔ یہ تو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محقق نے خاص آزاد کے شعر کے لئے حکم دیا ہے۔

تسکین کے عمل کی ایک آدھ مثال ذیل میں درج کرتا ہوں:

انوری:

تو آں کریمی کافراط اصطناع کفت
براں کشید کہ کان ہمچو بحر نالہ کند

(بحر مجتث مخبون محذوف)

اس شعر میں جس کا وزن ہے:

مفاعِلن فَعِلاتن مفاعلن فَعِلنُ

صدر کے بعد کے رکن فَعِلاتن میں تسکین واقع ہوئی ہے جس سے فعلاتن مفعولن بن گیا ہے چنانچہ:

تو آں کری	=	مفاعلن
می کافرا	=	مفعولن
ط اصطنا	=	مفاعلن
ع کفت	=	فَعِلنُ

---

[1] "معیار الاشعار و میزان الافکار" مع شرح از مفتی محمد سعد اللہ، مطبع علوی، سنہ ۱۲۶۴ھ (مرتب)

مثال دیگر، خاقانی :

جنس هنر کجا برد پیش تو گر نیاورد
دانی کہ اندرین بلد تنگ شدہ است شاعری

(رجز مطوی مخبون)

بروزن "مُفتَعِلُن مفاعِلُن مُفتَعِلُن مفاعِلُن" یہاں ابتدا یعنی "مُفتَعِلُن" میں تسکین موجود ہے جس سے یہ رکن مفعولن بن گیا ہے چنانچہ :

دانی کان	=	مفعولن
دریں بلد	=	مفاعلن
تنگ شدہ اس	=	مُفتَعِلُن
ت شاعری	=	مفاعلن

ایسے اور اسی قسم کے اور موقعوں پر احیاناً تسکین کا جواز ہے نہ شعر زیر بحث کی صورت میں۔

مدیر "معارف" نے قواعد العروض (صفحہ ۱۷۴) سے جو عبارت نقل کی ہے ہمیں چاہیے کہ اس کو اس بیان کے تابع مانیں جو اسی تصنیف کے صفحہ ۹۴ پر تسکین کے ذکر میں دیا گیا ہے اور حسبِ ذیل ہے :

تسکین : جس مقام پر تین متحرک متوالی ایک جا ہو جائیں خواہ ایک رکن کے ہوں مثلاً مُفتَعِلُن یا فعلاتن میں، خواہ دو رکن کے جس طرح مفعول مفاعیلن میں، پس درمیان والے متحرک کو ساکن کر لینا جیسے مثال اول و دوم کو مفعولن اور مثال سوم کو مفعولن مفعولن بنا لینا مگر شرط ہے کہ جہاں تسکین سے بحر بدلتی ہو یا کسی اور زحاف کا عمل چل سکتا ہو وہاں تسکین نہ چاہیے۔ مثلاً فَعِلات فاعلاتن کو تسکین دے کر اگر مفعول فاعلاتن کہو تو بحر رمل سے بحر مضارع ہو جائے گی۔ یہاں نہ چاہیے" وغیرہ وغیرہ۔

میں امید کرتا ہوں کہ میرا یہ بیان تسکین بخش ثابت ہو گا۔

والسّلام

محمود شیرانی۔

ایک عروضی بحث

(از ماہنامہ "انتخاب" لاہور، بابت جنوری ۱۹۲۶ء)

مشوق حسین صاحب اطہر پرانی چال کے بزرگوں میں سے ہیں۔ اگرچہ بوڑھے ہیں لیکن جوانوں سے زیادہ دوڑتے ہیں۔ اب سے چھ ماہ قبل کہیں جناب پروفیسر شیرانی نے اخبار "زمیندار" بابت ۲۵۔ اکتوبر ۲۴ء میں .... ایک خط بجواب خط مدیر "معارف" لکھا تھا۔ اطہر صاحب چھ ماہ پاپڑ بیلنے کے بعد اس کا جواب دیتے ہیں، جو ایک ہی وقت میں رسالہ "شادمان" اور رسالہ "معارف"[1] میں شائع ہوا ہے۔ ہم قصوں میں پڑھا کرتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہوا کرتے تھے جو چھ مہینے سوتے تھے اور چھ مہینے جاگتے تھے۔ ہمارے محترم اطہر صاحب نے اس کی پوری پوری تصدیق کر دی۔

جناب اطہر یوں تو بلحاظ پیشہ جے پور میں وکالت کرتے ہیں لیکن اس مضمون کے دوران میں انہوں نے اپنے آپ کو بحیثیت وکیل مدیر "معارف" پیش کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر حق وکالت خوب ادا کیا ہے حتیٰ کہ مدعی سست گواہ چست کے مصداق بن گئے ہیں، اس پر بھی لے نیاز معارف نے اپنی سرد قلمی سے اسی قدر داد دی کہ "اگرچہ یہ بحث پرانی ہو گئی ہے تاہم یہ مضمون چونکہ نہایت پراز معلومات ہے اس لئے ہم اس کا شائع کرنا مناسب خیال کرتے ہیں"۔

پیشتر اس کے کہ میں اصل مضمون پر ایک نظر ڈالوں یہ کہنا مناسب سمجھتا ہوں کہ وکیل صاحب اپنے پیشے کی محویت اور سرگرمی کے جوش میں ان معمولی اخلاقی فرائض کو، جو ایک علمی بحث کے دوران میں ایک حریف دوسرے حریف کے حق میں مرعی رکھتا ہے، بالائے طاق نسیاں رکھ کر چھوٹے ہتھیاروں

---

[1] رسالہ 'دل' آگرہ میں بھی! اللہ رے ذوق شہرت کی عشوہ طرازیاں!

(اختر شیرانی مدیر "انتخاب")

پر اتر آئے ہیں اور شمشیر برہنہ بن کر پروفیسر شیرانی کے حق میں ایسے الفاظ کے استعمال کے مرتکب ہوئے ہیں جو کسی صورت میں جائز نہیں مانے جا سکتے :

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

مدیر معارف قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اڑے ٹھہرے کے لئے ایسے طمنچے لگا رکھے ہیں لیکن میں اس قدر اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ پروفیسر شیرانی صاحب کے خط میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے مدیر معارف یا ان کے ہوا خواہ بُرا مانتے ۔ اس لئے وکیل صاحب کے ستیزہ کارانہ لہجے کے لئے ہم کو کوئی معقول عذر نظر نہیں آتا سوائے اس کے کہ یہ مانا جائے کہ ع :

مقتضائے طبیعتش این است

بہر حال اطہر صاحب نے اپنی تحریر کے دوران میں آزادی سے کام لیا ہے ۔ اس بارے میں میں نے بھی انہی کی مثال کو پیش نظر رکھا ہے ۔ اب اگر اطہر صاحب میری تحریر کے لہجے پر منہ بگاڑیں تو اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں :

سخن کوتہ مرا ہم دل بہ تقویٰ مایلست امّا
ز ننگ زاھد افتادم بہ کافر ماجرائیہا

میں سب سے پہلے اطہر صاحب کے اس "نہایت پر از معلومات مضمون" کے ابتدائی حصے پر نظر ڈالتا ہوں اور فارسی عروض کے متعلق آپ کی تاریخ دانی کا نمونہ دیتا ہوں ۔ آپ کی تحقیقات عالیہ کی رو سے " فارسی عروض کی تدوین محقق طوسی نے کی ہے ۔ جس قدر اوزان ان کو ملے انہیں ضبط تحریر میں لائے "ان کے مناسب حال زحافات کے نام تجویز کئے" اور" فارسی کی پہلی محققانہ کتاب معیار الاشعار ہے" ورنہ فارسی شعرا کے لئے " سوائے سلامت طبع اور کوئی رہنما نہ تھا " میں اپنے مخدوم کی یہ قابلِ قدر معلومات ' کالائے بد بہ ریش خاوند ' کہہ کر واپس کرتا ہوں اور بصد ادب ان سے گزارش کرتا ہوں ' پیر شو بیاموز ۔

میرے عنایت فرما پر واضح رہے کہ محقق طوسی کے عہد سے صدیوں پیشتر فارسی عروض مدون ہو چکا تھا۔ جس قرن میں معیار الاشعار لکھی گئی ہے اسی قرن میں عروض پر ایک جامع کتاب شمس الدین محمد بن قیس نے لکھی ہے جو محقق طوسی کی تالیف سے بیس تیس سال اقدم ہے۔ اس بے حد ضروری تالیف کا نام "المعجم فی معاییر اشعار العجم" ہے۔ اور ستے قرن ششم میں امام حسن قطان نے شجرہ احزم و احزب ایجاد کیا۔ رشیدی نے "زینت نامہ" اور رشید الدین وطواط نے "حدائق السحر" تصنیف کیں۔ قرن پنجم میں فرخی نے ترجمان البلاغت[1] "، احمد بن محمد منشوری نے "کنز الغرائب"، امیر کیکاؤس نے "قابوس نامہ" اور ابوالحسن علی البہرامی سرخسی (متوفی ۵۰۰ ھ) نے "کنز القافیہ" اور "خجستہ نامہ" تصنیف کیں لیکن بہرامی کی سب سے اہم کتاب "غایتہ العروضین" ہے جو ایک مدت دراز تک فارسی اور عربی عروضیوں کے لئے مستند ماخذ کا کام دیتی رہی ہے۔ بہرامی کے حوالے جہاں جاراللہ زمخشری کے ہاں ملتے ہیں شمس الدین محمد بن قیس اور نصیر الدین طوسی کے ہاں بھی ملتے ہیں۔ اسی قرن میں امیر ابو منصور قسیم بن ابراہیم القاینی المعروف بہ ابوزرجمہر نے بحر جدید دریافت کی۔ اسی ابوزرجمہر اور بہرامی مذکور نے اکیس نئی بحریں ایجاد کیں۔ بحور دوائر منغلقہ و منغلطہ کے علاوہ ان میں وہ نو بحریں بھی شامل ہیں جو دائرہ منعکسہ سے تعلق رکھتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس دائرے کے موجد ابو عبداللہ نوشی ہیں۔ بحر مشاکل بھی اسی عہد میں دریافت ہوئی ہے۔

چوتھے قرن ہجری میں یوسف عروضی نیشاپوری گزرے ہیں جو باجماع مورخین فارسی عروض کے ابوالبشر ہیں۔ بحر قریب انہی کی ایجاد ہے۔ فارسی عروض کی تدوین سب سے پیشتر انہی بزرگ

---

[1] ترجمان البلاغت کا فرخی سے انتساب، یاقوت کی "معجم الادبا" سے شروع ہوتا ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کے وسط تک اسے صحیح سمجھا جاتا رہا۔ حسن اتفاق سے استنبول کے کتاب خانہ فاتح سے "ترجمان البلاغت" کا ۵۰۷ ھ کا کتابت شدہ ایک مخطوطہ دستیاب ہوا جس سے پتہ چلا کہ یہ محمد بن عمر رادویانی کی تصنیف ہے۔ یہ نسخہ استنبول یونیورسٹی کے پروفیسر احمد آتش کے اہتمام سے ۱۹۴۹ء میں شائع ہو چکا ہے (مرتب)

نے کی ہے اور عروض فارسی پر سب سے پہلی تصنیف انہی کے قلم سے نکلی ہے۔ اسی قرن میں ابو موسیٰ ژلالادی نے جو رودکی کا معاصر ہے بحر مقلوب طویل میں شعر لکھے۔ تیسرے قرن میں عروض فارسی عروض عربی سے علیحدہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ محمد بن وصیف سجزی کے قطعات سے معلوم ہوتا ہے اور پہلے قرن میں شعرائے عرب فارسی زبان میں شعر گوئی کی بنیاد ڈالتے ہیں۔ اس سلسلے میں یزید بن مفرّغ اور دوسرے شعرائے عرب کا نام لیا جا سکتا ہے۔

اگرچہ محقق طوسی کے عہد سے پیشتر فارسی عروض میں اس قدر کام ہو چکا ہے لیکن ہمارے نئے محقق جناب اطہر اس کی تدوین کا سہرا محقق طوسی کے سر باندھ رہے ہیں۔ تاریخ کی منازل میں اگر یہی غلط گامزنیاں رہیں تو ہمیں اندیشہ ہے کہ حضرت اطہر اپنے قافلے کو حرم کی بجائے سومنات پہنچا دیں گے:

ہر کرا بدرقہ ایں لشکر مژگان باشد
گو ہمہ بار بوا دیئے خطرناک انداز

اس کے بعد فرمایا ہے " رودکی، دقیقی، عنصری، فرخی، فردوسی، اسدی، حکیم سنائی، عمر خیام انوری، خاقانی، نظامی، عطّار، کمال اسمٰعیل، اوزان فارسی میں کسی عروض کے پابند نہ تھے اور صرف سلامت طبع یا اصول موسیقی سے کام لیتے تھے۔"

جے پور اور اعظم گڑھ میں ممکن ہے کہ میرے مخدوم کے ان بیانات کو "نہایت پُراز معلومات" کہا جا سکے لیکن میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ اور مقامات کے لوگ اس قدر جاہل نہیں ہیں کہ ان کی اس قسم کی نکتہ آفرینیوں کی قدردانی کریں۔ میں کہتا ہوں یہ تمام اساتذہ جن کے اطہر صاحب نے ایک ایک کر کے نام گناتے ہیں فن عروض کو نہایت محنت اور جانفشانی کے ساتھ سیکھتے تھے۔ وہ دونوں زبانوں کے عروض سے واقف تھے۔ یہ کیا ارشاد ہوا کہ کسی عروض کے پابند نہ تھے؟ میرے مہربان کو سوچنا چاہیئے تھا کہ اگر یہ بزرگ عروض کے پابند نہ ہوتے تو ان کے اشعار میں یہ بے مثل موزونیت اور موسیقیت کہاں سے پیدا ہو جاتی:

سحر چشم بت بکار ست و دعائے برہمن   گبر ہر تارے کہ بندد بر میان زنّار نیست

شعرائے جاہلیت اور شعرائے فارسی میں جو فرق دیکھا جاتا ہے۔ وہ صرف عروض کے اثرات میں پیدا ہوا ہے۔ اسی لئے عروضی بلا تکلف ان اساتذہ کے کلام سے استشہاد کرتے ہیں ورنہ ایران میں کیا مخلوبات لکھنے والے نہ تھے۔ میرے مہربان کا یہ جملہ کہ "اصول موسیقی سے کام لیتے تھے" ذرا مبہم سا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان کا یہ منشا نہیں ہے کہ یہ اساتذہ گا گا کر وزن معلوم کرتے تھے۔ میرے مکرم کے زعم کے علی الرغم خاقانی کو خود عروض دانی کا اعتراف ہے۔ وہ کہتا ہے :

کیسہ ہنوز فربہ است با توازین قوی دلم — چارہ چہ خاقانی اگر کیسہ رسد بلاغری
گرچہ بموضع لقب مفتعلن دوبارہ شد — بحر ز قاعدہ نشد تا تو بہانہ آوری

انوری بھی اس فن سے بے خبر نہیں۔ وہ کہتا ہے :

تا کند تقطیع این یک وزن وزآن سخن — فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

مسعود سعد سلمان لاہوری جو خاقانی سے بھی اقدم ہے کہتا ہے :

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فع — ز وزن مجتث باشد دو حرف کمتر

ابوالفرج رونی کہتا ہے :

ز جودش گر عروضی بحر سازد — از و ناقص نیاید بحر کامل

ایک اور مقام پر کہتا ہے :

ہمیشہ تا بود تقطیع این وزن — مفاعیلن مفاعیلن مفاعل

ان مثالوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ ابوالفرج رونی، مسعود سعد سلمان، انوری اور خاقانی عروض سے واقف تھے۔ اسی پر دوسرے اساتذہ کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ حضرت اطہر کی یہ دقیانوسی معلومات کیا اس قابل ہے کہ اس کو کسی رسالے میں شائع کیا جائے۔ مگر بے چارے ایڈیٹر "شادمان" بھی کیا کریں، مجبور ہیں، انہیں مضمون نگار ملتے نہیں اور مدیر "معارف" کے نزدیک تو یہ باسی کڑھی تنقید شعر العجم کا جواب ہے :

کرد بازیچہ معشوق نظیری خود را — آنچہ خوردان نکنند او بکہن سالی کرد

ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں جو چھ ماہ کے غور و خوض کے موقع کے باوجود اطہر صاحب کی سمجھ میں نہیں آئی کیونکہ اگر وہ سمجھ جاتے تو اپنی ذات کو اور مجھے اس دردِ سر سے معافی دیتے۔ وہ یہ ہے کہ جناب پروفیسر شیرانی صاحب نے اپنے خط میں عروضی نقطۂ نظر بیان کیا تھا۔ اطہر صاحب ابتدا ہی سے عروض کے مخالف ہیں اور کلام اساتذہ کو مقدم مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عروض کی بنا شعر پر ہے۔ حالانکہ فارسی میں حالت بالکل مختلف ہے۔ لیکن جب کہ یہ حالت ہے تو پھر اس بارے میں زیادہ بحث کی کیوں ضرورت سمجھی گئی ہے؟ پروفیسر شیرانی نے کہا تھا کہ آزاد کا شعر عروضی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ جب آپ عروض ہی کو نہیں مانتے تو پھر بحث کس بات کی رہ گئی۔ ناحق محقق پر اعتراض کیا کہ محقق کو کیا حق تھا کہ وہ اس کو ناجائز ٹھہرائیں۔ قدر بلگرامی سے الجھے کہ "قدر نے یہ عجیب بات کہی کہ وزن مشطور یعنی مربع کو مذال بنا کر مضاعف کیا ہے۔" عروض میں اصلاح دی اور تسبیغ درمیانی کا فتویٰ دیا۔ کیا اس سے یہ بہتر نہیں ہوتا کہ آپ صاف کہہ دیتے کہ ہم سرے سے عروض ہی کو نہیں مانتے۔ قریب قریب اسی قسم کا جواب آزاد عظیم آبادی نے دیا ہے۔

جب اصل بحث صرف عروضی ہے تو اطہر صاحب کے اساتذہ کے امثال نقل کرنے سے موجودہ بحث میں کوئی امداد نہیں پہنچ سکتی۔ یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ حضرت اطہر صاحب، مسئلہ متنازعہ فیہ میں، جو خالص عروضی ہے، دور جا پڑے ہیں اور اصل بحث کو چھوڑ کر اپنے دعوے کی تائید میں اساتذہ کے لنگڑے لولے ابیات نقل کر رہے ہیں۔ مسلّمہ عروضی ضوابط کے سامنے شعرا کے لنگڑے اشعار پیش کرنا ایک عجیب قسم کا استدلال ہے اور یہ بات ہر ایک شخص جان سکتا ہے کہ ایسے ابیات استادوں کے کلام میں شاذ و نادر موقع پر ملتے ہیں۔ اگر ہزار مقام پر اساتذہ نے عروضی شعر لکھے ہیں تو بعض موقعوں پر ایک آدھ شعر بدرجۂ مجبوری ایسا بھی لکھ دیا ہے جس میں بعض امور میں تمام ضوابط عروضی کی پابندی نہیں کی گئی۔ اس سے استاد پر کوئی حرف گیری لازم نہیں آتی اور لوگ ایسے اشعار کو مستثنیٰ شمار کر لیتے ہیں۔ ان کی بنا پر نئے قواعد کی بنیاد نہیں رکھی جاتی۔

حضرت آزاد کے شعر:

بتراہلتے اقبال کہ زبان بوصف ادلال   غزلے سرود الحال آزاد نغمہ سازے

میں تمام بحث اس امر پر ہے کہ پہلے مصرع میں اقبال کی لام زائد از وزن باندھ دی گئی ہے۔

ع چو رندست کہ بر گردش کدو بستند

اور مصرع دوم کی ابتدا میں فعلات نے سکن ہو کر تسبیغ کی فضا پیدا کر لی ہے۔ اسی وزن کی تاریخ میں حضرت اطہر فرماتے ہیں کہ "محقق نے سب سے پہلے یہ وزن شعرائے متاخرین کے کلام سے دریافت کیا ہے اور اس کو بحر رمل مشکول سے تقطیع کیا ہے"۔ ان کی اطلاع کے لئے لکھتا ہوں کہ یہ وزن محقق کے عہد سے پیشتر کے عروضیوں کو معلوم تھا اور عروض کی کتابوں میں جیسے اور اوزان ملتے ہیں یہ وزن بھی ملتا ہے۔ "المعجم فی معاییر اشعار العجم" میں دو مقام پر اس وزن کا ذکر آتا ہے۔ صفحہ ۱۰۲ پر یہ مثال دی گئی ہے:

دل من ببرد ترکے کہ دلے چو سنگ دارد

زغمش چو نائے نالم چو بچنگ چنگ دارد

اور بحر رمل مشکول ہی سے تقطیع کیا گیا ہے۔ اسی کتاب میں صفحہ ۴۴ پر یہ مصرع دیا گیا ہے۔ ع

نہ تو گفتی ار بگفتی من ازیں خبر ندارم

یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ نظامی گنجوی اور اثیر الدین اخیکتی کے عہد میں یہ وزن عام تھا۔ ان دونوں بزرگوں کے ہاں اس وزن میں قصائد اور غزلیں ملتی ہیں۔ نظامی فرماتے ہیں:

ملک الملوک فضلم بفضیلت معانی زمی و زمان گرفتہ بمثال آسمانی

اور اثیر اخیکتی:

زمیان ببرد ناگہ دل من بت شکر لب بدو رخ برادر مہ بدو زلف نائب شب

جہاں تک مجھ کو معلوم ہے یہ وزن سب سے پیشتر لاہور کے شاعر خواجہ مسعود سعد سلمان نے استعمال کیا ہے جس کا زمانہ محقق طوسی سے پورے دو سو سال اقدم ہے۔ ناظرین کی اطلاع کے لئے چند شعر یہاں نقل کرتا ہوں:

ملکا جہان زعدل تو بنو بہار ماند کف راد تو بدیں ابر زمین نگار ماند

تو بزرگ شہر یاری و کہ دید شہر یارے کہ ز جمع شہر یاران بتو شہر یار ماند

تو شکار شیر خواہی و بدان نشاط جوئی کہ شکار گہ ز خون راست بنو بہار ماند

حضرت اطہر کا بیان ہے کہ " وسط مصرع میں زیادتی، خواہ وہ سبب میں ہو یا وتد میں، اساتذہ جائز سمجھتے ہیں اور مفتی سعد اللہ محشی معیار الاشعار بھی اسی طرف گئے ہیں کہ تسبیغ درمیانی جائز ہے اور جب تسبیغ درمیانی جائز ہے تو تذئیل بھی جائز ہے ۔"

میں یہ کہتا ہوں کہ عروضی کسی درمیانی زیادتی کے قائل ہی نہیں ہیں ۔ اگر مفتی سعد اللہ نے ایسا لکھ دیا ہے، جس کے متعلق مجھ کو کامل شبہ ہے، تاہم میں اس کو تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوں ۔ کیونکہ ہمارے مخدوم نے، خدا جانے کونسی مصلحت کے زیرِ اثر، اس حوالے کا نقل کرنا مناسب نہیں سمجھا ۔ لیکن یہ امر سب پر روشن ہے کہ وسط مصرع کی یہ زیادتی تسبیغ نہیں کہلائی جا سکتی ۔ کیونکہ تسبیغ عروض و ضرب میں ایک ساکن بڑھانے کا نام ہے اور اساتذہ کے ہاں یہ زیادتی ایک متحرک حرف کی شکل میں پائی جاتی ہے ۔

عروضی بحث سے قطع نظر کیا یہ زیادتی اساتذہ عام طور پر لانے کے عادی ہیں ۔ اوّل تو بہت کم اوزان میں اس کا استعمال ہوتا ہے اور جہاں ہوتا ہے ایسے موقع پر ہوتا ہے جس سے وزن کی اصلی موزونیت اور شگفتگی میں کوئی فرق نہ آسکے ۔ غالب کے شعر :

جب وہ جمال دل فروز صورت مہر نیم روز الخ

میں یہ زیادتی بالکل خوشگوار ہے اور کانوں پر گراں نہیں گزرتی ۔ لیکن آزاد کے شعر مذکور الصدر میں لام کا اضافہ بے حد ثقیل ہے ۔ اب یہ فرق حضرت اطہر نہ دیکھ سکیں تو اس کا کوئی علاج نہیں ۔ یہ محض طبیعت کی موزونیت اور ذوقِ سلیم پر منحصر ہے ۔ اس لئے غالب کے شعر اور آزاد کے شعر میں کوئی مناسبت نہیں ۔ آزاد کے شعر کی لام اور غالب کے شعر کی زے میں بلحاظ خفت صوتی پھر نمایاں فرق ہے ۔ اس نکتے کے سمجھنے سے میرے مخدوم انکار کرتے ہیں اور تیر اور شہتیر کا تفاوت نہیں دیکھتے ۔ کیا یہ ضروری ہے کہ اساتذہ کے ہاں بعض اشعار میں ایسی مثالیں دیکھ کر ایک کلیہ جاری کر لیا جائے اور ہر بحر میں یہ تصرف جائز مانا جائے ۔ میں کہتا ہوں اس بارے میں رجز اور رمل میں بے حد تباین ہے ۔ اس قسم کے تصرفات کے لئے ارکان کی باہمی مناسبت اور پچھلے اور آئندہ رکن کی موسیقی کے تعلق کا لحاظ از حد ضروری ہے

ورنہ وزن کی موزونیت میں خلل واقع ہو جائے گا۔ میرے مخدوم کا دعویٰ ہے کہ "شعرا اہل عروض کے اس نظریئے کو نہیں مانتے کہ اذالہ و تسبیغ رکن آخری سے مخصوص ہے۔ وہ بعض اوزان بحور مثمن میں اذالہ و تسبیغ درمیانی کو جائز رکھتے ہیں"۔ میں مثال میں بحر متقارب مثمن سالم پیش کرتا ہوں۔ کیا اس میں جناب اطہر تذئیل درمیانی کی حمایت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مثال میں یہ مصرع پیش ہے ؏

دلم برد دلدار ستم گار زید خو

دیکھیے تقارب میں اس اضافے نے کس قدر الجھن پیدا کر دی۔ یہی کیفیت رمل مشکول میں ہے۔ آزاد کے شعر میں اگرچہ مسمط چہار خانہ نے لام کی زیادتی کی ثقالت کو کسی قدر خفیف کر دیا ہے تاہم وہ ناگوار ہے۔ ذیل کے شعر کی بھی یہی حالت ہے :

زترا نہائے آں عہد غزلے سرائے چوں شہد
کہ رسید غنچہ را مہد بسرائے بوستانے

ہزج، رجز، منسرح، مضارع وغیرہ کے بعض اوزان میں اس اتفاقی زیادتی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر بحر مثمن میں اسے روشناس کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً اگر مضارع میں یہ تغیر لایا جائے تو نامناسب نہیں معلوم ہوتا لیکن رمل مشکول میں اس تبدیلی کا ادخال مناسبت تامہ کو برباد کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ زیادہ تر فلسفۂ موسیقی سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن ایک بات میں یہاں بتلائے دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ فارسی زبان میں خفت حرکات عام طور پر مشاہدہ کی جاتی ہے۔ عربی میں جہاں توالی حرکات کی کثرت ہے، فارسی میں برخلاف اس کے توالی سکنات ہیں۔ مثلاً الفاظ دوست، گوشت، خوار، خواست، خویش گرشاسپ، ارجاسپ، لہراسپ، گشتاسپ وغیرہ میں تین تین غیر متحرک حرف موجود ہیں۔ اس ساخت کے الفاظ عربی میں نامعلوم ہیں۔ خفت حرکات کی بنا پر اس زبان میں ایسی بحریں مقبول نہیں ہوتیں جن میں توالی حرکات بکثرت ہیں مثلاً بحر کامل و وافر۔ فارسی زبان کے تناسب حرکات و سکنات کو ملاحظہ کر کے استادوں نے بعض قاعدے بنا دیئے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ توالی حرکات کی صورت میں زائد سے زائد تین حروف کی اجازت دی ہے یعنی تین سے زائد متواتر حرکات مستعمل نہیں اور نہ اس زبان کی خفت کو دیکھتے

ہُوئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ تین سے زائد حرکات کی برداشت کر سکتی ہے۔اب یہ مسئلہ فارسی عروض کے مبادیات سے ہے۔اس نکتے تک نہ اطہر صاحب پہنچے نہ مدیر معارف اور مفت میں بات کا بتنگڑ کھڑا کر لیا۔اب آزاد کے مصرع " بترا نہلئے اقبال کہ زبان یوصف اولال، میں اقبال کی لام، کاف، زے اور یے چار متوالی متحرک جمع ہو گئے ہیں جن کا ادا کرنا کانوں پر ثقیل گزرتا ہے۔میں امید کرتا ہوں کہ میرے مخدوم جناب اطہر، اقبال کے لام کی تحریک میں مجھ سے اختلاف نہیں کریں گے کیونکہ جو حالت الحال کے لام کی ہے اور جس کو وہ متحرک تسلیم کر رہے ہیں وہی حالت 'اقبال' کے لام کی ماننی پڑے گی جس حالت میں کہ قدر کی مربع مشطور کی منطق بھی ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔اسی بنا پر پروفیسر شیرانی صاحب نے حافظ کے مصرع :

زرهم میفگن اے شیخ تو بدا نہلئے تسبیح

میں 'شیخ' کی 'خ' کو معترض علیہ مانا ہے۔لیکن اس کے متعلق "زمیندار" کا یہ خیال کہ مصرع میں 'تو' بعد کا اضافہ معلوم ہوتا ہے، اگر تسلیم کر لیا جائے تو پھر حضرت آزاد کا شعر اپنی آپ ہی نظیر ہے۔اب میرے مہربان جناب اطہر پر روشن ہو گیا ہو گا کہ استاد غالب اور آزاد کے شعر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔اس لئے میں حضرت اطہر کی ایسی مثالیں جو انہوں نے اپنی مفروضہ تسبیغ درمیانی کے اثبات میں اساتذہ کے کلام سے تلاش کر کے پیش کی ہیں مع شکریہ واپس کرتا ہوں کیونکہ ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو آزاد کے شعر کی موید ہو انہیں چاہیئے تھا کہ صرف رمل مشکول سے مثالیں دیتے نہ ہر قسم کا رطب و یابس جمع کر دیتے۔

رہی آزاد کے دوسرے مصرع میں تسکین۔اس کے متعلق حضرت اطہر نے اگرچہ خوب خوب موشگافیاں کی ہیں لیکن بقول داغ :

آب بقا نے گرچہ بہت روک تھام کی　　　پیری گئی نہ خضر علیہ السلام کی

ہمارے دوست کے انفاس عیسوی نے اس بحث کے مردہ قالب میں کوئی جان نہیں ڈالی جس طرح جناب معشوق حسین صاحب اس بیت کی کوب کے علاج میں ناکامیاب رہے اسی طرح تسکین کا لنگ دور کرنے میں بھی بے نیل مرام رہے۔ان کے ہاں اس تسکین پر جو بحث ہے اس قدر طویل ہے کہ میری طبیعت

نے اس کے پڑھنے سے ابا کر دیا ہے اور وہ ایسے دور دراز صحراؤں میں نکل گئے ہیں جو صریحاً ہماری بحث کی فضا سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے۔ اس میدان میں ان کے تیرِ نیم کش محقق طوسی پر بھی چلے ہیں۔ پھر میرے مخدوم کے نزدیک پروفیسر شیرانی کس شمار و قطار میں ہیں۔ ان کی بحث کے تمام نشیب و فراز پر تبصرہ یا ان کی تنقید پیش کیے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ ان کی تسکین کی بحث سے ہماری مطلق تسکین نہیں ہوئی بلکہ ان کے بیانات سے ہم اور بھی اپنے عقائد میں مضبوط ہو گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض موقعوں پر ان کے قلم عطارد رقم سے لوحِ قرطاس پر ایسے نقوش بے معنی ثبت ہوتے ہیں کہ ان کو جنات کی زبان کہنے کو جی چاہتا ہے۔

محقق طوسی کے خلاف اظہار ناراضگی کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"کیا یہ ممکن ہے کہ شعرائے متاخرین کا جس قدر کلام اس وقت تک موجود تھا، سب محقق نے دیکھ کر یہ حکم لگایا تھا کہ اس وزن میں تسکین اوسط ناجائز ہے اور اگر بفرض محقق سے پہلے شعرائے متاخرین اس زحاف کو استعمال کر چکے تھے تو محقق کو کیا حق تھا کہ اس کو ناجائز ٹھہرائیں در حالے کہ محقق خود کہہ چکے ہیں کہ "تعیین القاب آنچہ خاص باشد پارسی بروجہ متفق علیہ متعذر است"۔ یہ عجیب بات ہے کہ شعرائے متاخرین کے کلام سے محقق نے یہ نیا وزن قرار دیا تھا، اسی طرح ان کے کلام سے یہ زحاف بھی جائز قرار دیتے۔"

(صفحہ ۱۴ "شادمان")

جناب اطہر کی اس عجیب و غریب منطق کی، جو عبارت بالا میں موجود ہے، میں داد دینے سے قاصر ہوں۔ ان کو اتنا تو سوچنا چاہیے تھا کہ جب محقق جیسا فاضل عروض پر ایک محققانہ کتاب لکھنے بیٹھا ہے جو آج بھی، سات قرن گزرنے کے باوجود، اسی قدر عظمت و وقعت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہے، جیسی کہ اس تالیف کے عہد میں تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے لئے انہوں نے کس قدر عروضی مواد جمع کیا ہوگا، اساتذہ کا کلام فراہم کیا ہوگا، فارسی کے تمام تغیرات اور زحافات اور اوزان پر عبور حاصل کیا ہوگا تو کیا رمل مشکول میں تسکین کی مثال ان کو دست یاب نہیں ہو سکتی تھی۔ ہمارے کرم فرما کی منطق دیکھیے:

"اگر بفرض شعرائے متاخرین اس زحاف کو استعمال کر چکے تھے۔"

اے قبلۂ جہاں آپ نے اس زحاف کے صرف فرض کر لینے کی زحمت گوارا فرمائی تھی، وہاں لگے ہاتھوں

محقق کے پیش رو شعرا کا کلام بھی ملاحظہ کر لیا ہوتا کہ آیا انہوں نے یہ زحاف استعمال بھی کیا ہے یا نہیں۔ ورنہ آپ مجھ سے سنئے کہ محقق نے اس کی تلاش کی لیکن جب اساتذہ کے ہاں رمل مشکول میں تسکین کی مثال نہ دیکھی اور ساتھ ہی اس زحاف کے استعمال میں بحر مضارع سے التباس پایا، اس کی ممانعت کر دی۔ اب میں آپ کے محض فرض کر لینے سے کس طرح یقین کر لوں کہ اساتذہ قدیم کے ہاں یہ زحاف مستعمل ہوا ہے۔ اس کی بجائے میں یہ فرض کر لینا آسان سمجھتا ہوں کہ ہمارے دوست محقق کی فارسی نہیں سمجھ سکتے۔ اس کے ثبوت میں محقق کی عبارت بالا، جو میرے محترم نے نقل کی ہے، موجود ہے۔ اس عبارت سے ہمارے کرم فرما یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ محقق کے عہد میں فارسی زبان کے تمام زحافات معلوم نہ ہوتے تھے لیکن میں ان کا شارح بن کر کیوں گنہگار بنوں، صرف محقق کا مطلب بتلائے دیتا ہوں۔ زحافات کے ناموں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایرانیوں نے عربی اوزان کی تقلید کے علاوہ نئے اوزان میں بھی اشعار لکھے ہیں لیکن ان کے عروضیوں نے ان زحافات کے نام رکھنے میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے اور چونکہ جمہور ان کے ناموں کے متعلق متفق علیہ نہیں ہیں، اس لئے بہتر ہے کہ ہم اس بحث کو نہ چھیڑیں۔ محقق کے الفاظ ہیں:

"نیز پارسیان بر ہمہ وزن ہائے تازیان بہ تکلف شعر گفتہ اند و اصول و تغیرات ایشاں بکار داشتہ و بہ وزن ہائے دیگر از ایشاں منفرد شدہ و ہر مصنفے از ایشان تغیراتے را کہ یافتہ است غیر مستعمل تازیان لقبے نہادہ است کہ دیگران در آن متفق نیستند با آنکہ ہمہ جماعت اقتدا بعروض عرب کردہ اند ..... پس با مثال این اسباب چندًا باز کردن تغیرات و فروع مستعمل در عروض پارسی تنہا از آنچہ در عروض تازی مستعمل است و تعیین القاب آنچہ خاص باشد بپارسی بر وجہ متفق علیہ متعذر است پس اولیٰ آنکہ این معنی را تعرض نرسانیم"

اب ناظرین خیال کر سکتے ہیں کہ محقق کے اس بیان کو تسکین کی بحث سے کیا تعلق ہے:

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا
الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا

اس بحث کے نتیجے کے ذکر میں کہا ہے کہ "جب پہلے پہل محقق ہی نے یہ وزن معلوم کیا ہے اس لئے محقق کو اس وزن کے تمام اوزان [کذا] کے استقصا کرنے کا موقع نہیں ملا اور اس کے متعلق جو کچھ محقق

نے لکھا ہے وہ محض نقشِ اوّل ہے۔"

میں پیشتر دکھا چکا ہوں کہ ربل شکول کے دریافت کرنے والے محقق طوسی نہیں ہیں بلکہ یہ وزن ان کے پیش رو عروضیوں کے ہاں بھی موجود ہے اور جب محقق معیار الاشعار کی تالیف پر قلم اٹھاتے ہیں اس وقت اس وزن کو رائج ہوئے قریباً دو سو سال گزر چکے ہیں۔ محقق کے دور تک یہ وزن اس قدر عام ہو گیا تھا کہ تمام فارسی خواں دنیا اس سے واقف تھی۔ ہندوستان کے شاعر دہلی میں بیٹھ کر اس وزن میں قصیدے لکھ رہے تھے۔ عمید لویکی[1] فرماتے ہیں:

رہ طرز نو گزینم ز طراز نعت یکرہ　　　کہ دو کون شد کتابہ بطراز آستینش

یہاں شہاب مہمرہ کے قصائد سے جن کو حضرت امیر خسرو اپنا استاد تسلیم کرتے ہیں، ایک شعر نقل کیا جاتا ہے:

الغم یلوح ہستی ہمہ ہیچ در نشانی　　　بہ بقاے غیر قائم بوجود خویش فانی

اور ہمارے نئے محقق فرض کر رہے ہیں کہ چونکہ پہلے پہل محقق ہی نے اس وزن کی تدوین کی ہے اس لئے ان کو اس وزن کے تمام تغیّرات کے استقصا کا موقع نہیں ملا۔ اے حضرت! آخر دو سو سال تک دنیا کیا کرتی رہی۔ کیا عروضی اس قدر عرصہ گزرنے پر بھی یہ معلوم نہ کر سکے کہ اس وزن میں کون کون سے زحاف داخل ہو سکتے ہیں۔ میں اپنے مخدوم کو اطلاع دیتا ہوں کہ محقق نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض نقشِ اوّل نہیں ہے بلکہ دو سو سال کا تجربہ۔ اسی لئے تو تسکین کے ذکر میں انہوں نے صاف صاف کہہ دیا ہے:

"الّا آنجا کہ مانعے باشد مثلاً باشد کہ بحر بسبب تسکین در بدل افتد چنانکہ درین وزن کہ فعلات فاعلاتن عین فعلات مسکن کنند این وزن شود کہ مفعول فاعلاتن و حریک از بحر دیگر است پس تسکینے کہ مقتضی اشتباہ بود نشاید۔" (معیار الاشعار، صفحہ ۳۱)

پروفیسر شیرانی نے محقق کی عین عبارت بالا نقل کر کے اس کا مطلب بھی بیان کر دیا تھا جو

---

[1] ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی تحقیق کی رو سے صحیح نسبت 'لویکی' ہے (مرتب)

درحقیقت محقق کی عبارت ہی کا عکس تھا اور اس کے متعلق اگر کوئی اعتراض ہو سکتا تھا تو محقق پر نہ پروفیسر شیرانی پر۔ لیکن اس پر ہمارے فاضل معشوق حسین صاحب نے اپنی طرف سے جو حاشیہ چڑھایا ہے، قابل دید ہے۔ فرماتے ہیں:

"تعجب ہے اور سخت تعجب ہے کہ فاضل پروفیسر نے کیونکر اس کو اپنا موید سمجھا . . . . فاضل پروفیسر نے جو بحر اور وزن میں فرق ہے اس کو دریافت نہیں کیا۔ بحر ایک ہوتی ہے، وزن اس کے متعدد ہوتے ہیں۔ مثلاً بحر تو متقارب ایک ہے اور اس کے اوزان فارسی وعربی میں ایک سو سے زیادہ ہیں۔ بعض اوزان کا خلط جائز ہے بعض کا ناجائز۔ لیکن بحر کا خلط بحر دیگر سے کسی طرح جائز نہیں۔"

میں کہتا ہوں کہ یہ استدلال، جس کا نمونہ میں نے اوپر نقل کیا ہے، دیوؤں کی زبان میں ہے، جس کو خود جناب اطہر سمجھ سکتے ہیں یا مدیر معارف۔ ہمیں صرف حضرت معشوق حسین صاحب کے فرمانے سے معلوم ہوا کہ عربی وفارسی میں بحر متقارب کے ایک سو سے زیادہ وزن ہیں۔ اگر ساتھ ہی معشوق حسین صاحب ان اوزان کی فہرست، جن کو ہضم کر گئے ہیں، ضم کر دیتے تو ان کا یہ مضمون اور بھی "نہایت پر از معلومات" ہو جاتا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا ہے:

"وزن متحقق ہوتا ہے تمام شعر کی تقطیع سے یا کم از کم مصرع کی تقطیع سے نہ کہ ½ شعر یعنی نصف مصرع سے۔ اگر تسکین اوسط سے کسی شعر یا کم از کم مصرع کا وزن بدل جائے اور وہ شعر یا مصرع دوسری بحر میں تقطیع ہو سکے تو کہا جائے گا کہ بحر بدل گئی۔ اگر نصف مصرع کا وزن بدل جائے اور نصف مصرع رمل مشکول میں اور نصف مصرع مضارع میں تقطیع ہو تو وہ نہ رمل مشکول کہلائے گا نہ مضارع بلکہ عروضی معلوم کرلے گا کہ دیگر اشعار کس وزن و بحر میں ہیں۔ جب یہ معلوم ہو جائے کہ دیگر اشعار کا یہ وزن ہے تو نصف مصرع میں زحافات مستعملہ کو دریافت کر کے اس تمام مصرع کو اس بحر میں تقطیع کرے گا جس میں دیگر اشعار ہیں۔" (شادمان، صفحہ ۱۵)

میں ناظرین سے اپنے مہربان معشوق حسین صاحب کی اس خارج از آہنگ اور پیچیدہ تقریر کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔ ان کو غالباً خود اس پیچیدہ ادائی کا احساس ہو گیا ہے ع :

که پیر صومعه را بار در گل او فتاده است

اسی لئے فرمایا ہے "میں اس الجھے سوت کو اچھی طرح سلجھانا چاہتا ہوں"۔ یہ استعارہ اگرچہ شاعرانہ اور فاضلانہ معلوم نہیں ہوتا تاہم اس کے برجستہ اور برمحل ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس بارے میں ہمیں ان کے ساتھ کامل اتفاق ہے:

در نور دگفت گو از آگہی وامانده ایم
پیچ و تاب رہ نشان دوری سر منزل است

غالباً ان کی تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ تسکین مصرع کے ایک رکن میں، عام اس سے کہ کسی دوسری بحر سے التباس پیدا ہو، جائز ہے البتہ اگر پورے شعر یا مصرع کی بحر بدل جائے تو ناجائز۔ لیکن میرے مخدوم گرامی نے یہ قاعدہ کہاں سے ایجاد کیا کہ تسکین کا عمل ہمیشہ پورے شعر یا مصرع پر چلنا ضروری ہے۔ محقق نے اس کی کوئی تعمیم نہیں کی۔ بلکہ ان کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ مصرع کے نصف ارکان میں بھی بصورت التباس رمل و مضارع اس کے مخالف ہیں۔ دیکھئے انہوں نے مثال میں فعلات فاعلاتن یعنی شعر کا ¼ حصہ (جیسا کہ حضرت اطہر کی اصطلاح میں کہا جا سکتا ہے) پیش کیا ہے جس سے بہر تقدیر ان کا یہی منشا ہے کہ رمل و مضارع کے التباس کے لئے وہ ایک سے زیادہ کیا بلکہ ایک رکن میں بھی تسکین کے روادار نہیں۔ اطہر صاحب کو یہ بھی سوچنا چاہیئے تھا کہ ان کا قاعدہ رمل مشکول مربع کی صورت میں بالکل تارِ عنکبوت بن جاتا ہے۔ اگر اس شکل میں ایک رکن میں بھی تسکین کو روشناس کیا گیا تو بحر بالکل بدل جائے گی۔

ہمارے دوست اپنے استدلال کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کسی غزل یا قصیدہ کا وزن ایک شعر پہ قائم نہیں ہو سکتا، چنانچہ خود محقق نے بھی اپنے کشف یا روشن خیالی سے اس خطرہ کو قبل از وقت محسوس کر لیا تھا کہ چودھویں صدی میں ایسے فاضل ہوں گے جو شعر کا وزن ½ مصرع سے قرار دیں گے۔ اس لئے محقق نے پہلے ہی یہ لکھ کر کہ وزن شعر مصرع ہائے دیگر قصیدہ سے قائم ہوگا، اپنے آپ کو اس اعتراض سے بری کر لیا ہے چنانچہ وہ معیار الاشعار میں اسی

بحر متنازعہ رمل کے بیان میں لکھتے ہیں " فرق درمیان مشترکہ ازیں سہ بحر یعنی ہزج ۔ رمل ۔ رجز توان خواند ۔ از مصرع ہائے دیگر قصیدہ ظاہر شود و ہم بریں قیاس در دیگر مواضع ، فاضل پروفیسر نے لاتقربوا الصلوٰۃ کو لیا اور انتم سکارا کو چھوڑ دیا ۔" (شادمان، صفحہ ۱۶ - ۱۷)

ہمارے محترم بغیر اپنی سمجھ پر زور ڈالے یا سمجھنے کی کوشش کئے ، جو چیز ان کی نظر میں سب سے پہلے مفید مقصد معلوم ہوتی ہے، قبول کر لیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہ موافق ہے یا مخالف :

ترک مرا زگیر و دار شغل غرض بود نہ سود
فربہ اگر نیافت صید خردہ بلا عزے گرفت

بحث صرف اس قدر تھی کہ رمل مشکول میں فعلات کی تسکین سے مضارع کا التباس لازم آتا ہے، اس لئے یہ تسکین مناسب نہیں ۔ اس پر آپ نے یہ شگوفہ کھلایا کہ غزل یا قصیدہ کا وزن ایک شعر پر قائم نہیں ہو سکتا مثلاً اگر کوئی شخص حافظ کی غزل

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا ۔ الخ

کا وزن معلوم کرنا چاہے تو صرف ایک مصرع سے معلوم نہیں کر سکتا نہ پورے شعر سے بلکہ اس کو چاہیئے کہ ہمارے مخدوم کی ہدایت پر عمل کر کے تمام غزل پڑھے تاکہ صحیح وزن متحقق ہو اور یہ جو شاعرے والے طرحی مصرع بحر و قافیہ معلوم کرنے کے لئے دے دیا کرتے ہیں سو یہ بھی جھک مارا کرتے ہیں ۔ ہمارے دوست کوہ کندن و کاہ برآوردن کی بے نظیر مثال ہیں :

معشوق جمیل است و غیور ار نہ بگویم
مجنوں نسب از لیلیٰ ایں سلسلہ دارد

لیکن آخر یہاں انہوں نے محقق طوسی کو کیوں تکلیف دی ۔ بے شک محقق اس عبارت کے لکھنے کے گنہگار ہیں لیکن آج اگر وہ زندہ ہوتے تو میرے مخدوم کی یہ بھاکا سن کر فرماتے ، من چہ می سرایم و طنبورۂ من چہ می سراید ۔

محقق نے ہزج اخرب مکفوف مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیلن ، رجز مثمن مطوی مفتعلن

اور رمل مخبون میں فعلاتن میں عام واقع ہونے والے اسی زحاف تسکین کے ذکر میں، جس سے تینوں بحروں کے ارکان مذکورہ مفعولن مفعولن بن جائیں گے، فرمایا تھا، یہ امر کہ آیا یہ مفعولن ہزج سے تعلق رکھتا ہے یا رجز سے یا رمل سے، اسی قصیدے کے دیگر اشعار سے دریافت ہو سکتا ہے۔ اور یہ فقرہ انہوں نے محض طالب علم کے رفع اشتباہ کی خاطر تحریر کر دیا ہے کیونکہ یہ زحاف (تسکین) ان تینوں بحروں نیز متدارک میں مشترک ہے۔ مثلاً ہم نے مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیلن کو، تحت تسکین، مفعولن مفعولن مفعولن مفعولن بنا لیا (یہی شکل رمل مخبون کے فعلاتن اور رجز کے مطوی مفتعلن سے تسکین کے عمل سے پیدا ہو سکتی ہے) اس کو ہم ہزج سے بھی مان سکتے ہیں، رجز سے بھی اور رمل سے بھی۔ اس موقع پر انہوں نے کہا ہے کہ ان ارکان مزاحف کی صحیح بحر معلوم کرنے کے لئے اس قصیدہ کے دوسرے اشعار کی بحر دریافت کر لو۔ جس بحر میں وہ اشعار ہیں اسی میں اس کو بھی شمار کرو۔

اس سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس بحث کو مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ محقق کے ہاں تسکین نے تینوں بحروں میں ایک ہی شکل پیدا کر دی ہے۔ یہاں سوال ہے رمل میں تسکین کے ذریعے سے مضارع کے التباس کا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا ہے: "ہم کو معلوم ہے کہ عروضی سند تو فاضل پروفیسر کے بھی علم میں ہے کیونکہ انہوں نے اپنے مضمون میں قواعد العروض صفحہ ۴۱ کا حوالہ دیا ہے۔ ممکن نہیں کہ اسی صفحے میں انہوں نے یہ الفاظ نہ پڑھے ہوں: 'اس میں جو ارکان مشکول (یعنی فعلات) آتے ہیں ان کو سب جگہ مسکّن کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ تسکین سے ہر فعلات مفعول ہو جائے گا اور مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن بحر مضارع ہے۔'"

میں کہتا ہوں کہ جناب اطہر نے مدیر معارف کے اس چباتے ہوئے نوالے کو دوبارہ چبانا کیوں کر پسند کیا۔ یعنی یہ حوالہ مدیر معارف دے چکے تھے اور پروفیسر شیرانی نے جواب میں کہا تھا کہ قواعد العروض کی اس عبارت کو اسی تالیف کے اس بیان کے تابع ماننا چاہیئے جو تسکین کے ذکر میں صفحہ ۴۹ پر دیا گیا ہے وھو ہذا:

" تسکین : جس مقام پر تین متحرک متوالی ایک جا جمع ہو جائیں ، خواہ ایک رکن کے ہوں مثلاً مفتعلن یا فعلاتن میں ، خواہ دو رکن کے جس طرح مفعول مفاعیلن میں ، پس درمیان والے متحرک کو ساکن کر لینا چاہیے مثال اوّل و دوم کو مفعولن اور سوم کو مفعولن مفعولن بنا لینا مگر شرط یہ ہے کہ جہاں تسکین سے بحر بدلتی ہو یا کسی اور زحاف کا عمل چل سکتا ہو وہاں تسکین نہ چاہیے مثلاً فعلات فاعلاتن کو تسکین دے کر اگر مفعول فاعلاتن کہو تو بحر رمل سے بحر مضارع ہو جائے گی ، یہاں نہ چاہیے ۔"

کیا یہ سمجھا جائے کہ میرے مخدوم پڑھتے وقت کتاب سے ڈیڑھ بالشت اونچی نگاہ رکھتے ہیں ۔ آخر قواعد العروض کا یہ بیان ہمارے مہربان کی نگاہ سے کیوں چھپا رہا حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ قدر اپنے بیان (صفحہ ۱۷۴) میں بالکل تنہا ہیں اور ان کے دونوں بیانات میں صریح تناقض موجود ہے ۔ اساتذۂ عروض میں سے کوئی بھی ان کا موید نہیں ، نہ خود قدر نے اس کی کوئی مثال پیش کی ہے اور نہ کلام اساتذہ سے ان کی تائید ہوتی ہے ۔ مدیر معارف نے جو مثال دی ہے ایک خوش طبعانہ خداعی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی اس کے بعد مدیر معارف کے اس بطل اعظم نے ایک فخریہ انداز میں فرمایا ہے :

" اب سند استعمال بھی ملاحظہ فرمائیے ۔ نظیری نیشاپوری سے تو آپ واقف ہوں ہی گے (کذا) کس مرتبہ کا عربی داں شاعر ہے جس کا اس کے دیوان اور سوانح سے پتہ چلتا ہے ۔ اس کا اس وزن میں قصیدہ ہے ۔ وہ کہتا ہے :

ہمہ ماہ بحر و کان را ز عطائے او وظیفہ
چو ہلال در فزونی چوں بدر در زیانی "

عربی میں نظیری کا یہ مرتبہ خدا جانے کیوں اس کے تذکرہ نگاروں نے دنیا سے چھپانے کی کوشش کی ہے لیکن ہم کو تو اس کی عربی دانی کجا اس کی فارسی دانی کا بھی قائل نہیں ہونا چاہتے اگر وہ درحقیقت ایسے ہی مہمل اشعار لکھنے کا عادی ہے جس کی مثال علامہ اطہر مدظلہ العالی نے شعر بالا میں پیش کی ہے ۔ کیا اچھا ہوتا جہاں انہوں نے اس شعر کی تقطیع پر غور کیا تھا اس کے معانی پر بھی لحاظ فرما لیتے اور اپنی ذات گرامی کو ایک مہمل شعر دنیا کے سامنے پیش کرنے کی خفت سے بچانے ۔ ہمیں

اندیشہ ہے کہ انہوں نے مصرع " بلبلاں را بانوا کار نست با مضمون چہ کار" پر عامل ہو کر رسی کی بجائے سانپ پر ہاتھ ڈال دیا ہے اور نظیری کی جگہ نظیری کے کاتب کا حوالہ دیا ہے۔ وکیل صاحب ناحق اس دشت خارزار میں گرم جولاں ہوتے۔ میں اپنے مخدوم محترم سے التجا کرتا ہوں کہ وہ اس شعر کو یوں پڑھیں:

همه ماه بگـــردکاں راز عطائے او وظیفه

چو هلال در فـــزدنی نه چو بدر در زیانی

اب دیکھئے کہ شعر کے معنی موتی کی طرح چمکنے لگے ہمیں یاد رہے کہ کاتب غلط نویس بھی ہوا کرتے ہیں اور پڑھنے والے ان کی تصحیح کر لیا کرتے ہیں لیکن ایسا کسی نے نہیں کیا کہ ایسے اغلاط کو مفید مطلب پا کر استاد کے سر منڈھ دیا جائے۔

اس کے بعد حکم ہوا ہے: "عرفی کا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں۔ وہ کہتا ہے:

روم از جہاں و شادم کہ براہ ما قیامت

زخیال غمــزۂ تو چشم بلا نشستہ"

میں اپنے مکرم سے دست بستہ دریافت کرتا ہوں کہ کیا غلط ابیات نقل کرنا حکیم جی نے نسخے میں لکھ دیا ہے یا کسی پیر کی منت مانی ہے۔ اساتذہ کے کلام میں یہ ناپاک تصرّف، اپنے مدعا کے اثبات کے جوش میں، سخت قابل افسوس ہے۔ عرفی کا صحیح شعر یوں ہے:

روم از جہان و شادم کہ براہ تا قیامت

زخیال غمـــزۂ او حشم بلا نشستہ

اب اطہر صاحب غور کریں کہ ان کی تسکین کا نسناس بالکل غائب ہو گیا۔ انہیں چاہیے کہ پہلے مصرع میں " براہ ما " کی بجائے " براہ تا " اور دوسرے مصرع میں " چشم " کی بجائے " حشم " با حلائے عطی و تحریک اوّل و دوم پڑھیں۔

جامی کا شعر ذیل بھی اس تسکین کے ثبوت میں اطہر صاحب نے پیش کیا ہے:

برہم بماند دیدہ کس زاں دیار نامد

خبرے ندارم از خود کہ خبـــر زیار نامد

یہاں پھر مجھے کہنا پڑتا ہے ع صُوفی خانقاہ غلط کردہ راہ را

اطہر صاحب کو غور کرنا چاہیئے تھا کہ استاد "کس ازاں" لکھتے ہُوئے جو مصرع میں بالکل موزوں ہے "کس زاں" لاکر کیوں خواہ مخواہ تسکین کا داغ اپنے شعر میں روشناس کرتا۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ 'کس زاں' کے بجائے 'کس ازاں' پڑھا جائے اور تسکین کو مہمل سمجھا جائے۔

خسرو علیہ الرحمتہ کا ایک مشہور شعر ہے، جس کو بچے کوچہ و بازار میں گاتے پھرتے ہیں۔ اطہر صاحب کی دلیری قابلِ رشک ہے کہ اس میں بھی اصلاح دینے سے نہ شرمائے۔ آپ نے اپنی مفروضہ تسکین کی خاطر اس شعر کو یوں لکھا ہے:

بلبم رسید جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس زانکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

اصل شعر کلیات دواوین عناصر امیر خسرو (طبع نول کشور، ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۹۶) میں یوں ہے:

بلب آمدہ است جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازانکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

سونے پر سہاگہ یہ کہ سیّد مظفر علی اسیر مترجم معیار الاشعار کو بھی شریک جرم بنانے کی کوشش کی ہے اور بیان کیا ہے:

"اس شعر پر مترجم معیار الاشعار صاحب زر کامل عیار نے بھی استدلال کیا ہے۔"

لیکن ستم ظریفی یہ کی کہ وہ استدلال بیان نہیں کیا۔ یہ بھی ایک وکالت کا فقرہ تھا اور ناظرین کو دھوکا دینا مقصود تھا۔ لیکن میں یہاں اس استدلال کو بیان کئے دیتا ہوں:

حدیث مے بہ دف و چنگ درمیاں آریم
کنوں کہ کار بہ شیخ نہفتہ داں افتاد

سیّد مظفر علی اسیر فرماتے ہیں:

"اور یہ حکم یعنی فعلن اور فعلاتن میں تسکین اوسط کر لینا مطرد ہے یعنی بہت ہے مگر جس جگہ کوئی مانع

ہو مثلاً تسکین اوسط سے بحر بدل جاتے جیسا اس وزن میں کہ فعلات فاعلاتن ۔ رمل مشکول قول شاعر:

ع : پس ازانکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

اگر اس میں ہبین کو ساکن کریں یہ وزن ہو جاتے مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن ، مضارع اخرب ۔ قول شاعر ع من خوب می شناسم پیرانِ پارسا را ، پس بحر بدل جاتے اور ایسی تسکین اوسط کے باعث اشتباہ ہو ، نہ چاہیے ۔" (زر کامل عیار صفحہ ۹۶ ، نولکشور ، طبع دوم ، ۱۳۲۱ھ)

اب اسیر صاف صاف " پس ازانکہ " پڑھ رہے ہیں اور اس کی تقطیع فعلات کے ساتھ کر رہے ہیں اور میرے مخدوم دنیا کی آنکھوں میں خاک ڈال کر اسی شعر کو تسکین کی مثال میں پیش کر رہے ہیں۔

ع : وائے بر جانت اگر مانند خود یاریت ہست

لیکن اطہر صاحب کی جرأت آزمائی اسی پر ختم نہیں ہوئی ہے ۔ یہی شعر آپ نے ہمایوں (صفحہ ۲۶، بابت ماہ فروری ۱۹۲۲ء) میں نقل کیا ہے اور چونکہ وہاں کوئی تسکین کی بحث درپیش نہیں تھی ، اس لئے مصرع دوم کو بالکل صحیح حالت میں لکھا ہے یعنی:

ع : پس ازانکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۵ء میں صرف تین سال کا فرق ہے میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس عرصے میں ہمارے مہربان اطہر صاحب نے اسی روشن ضمیری اور کشف کے ذریعے سے جو انہوں نے محقق کی طرف منسوب کی ہے' خود بھی اثر پذیر ہو کر امیر خسرو سے دریافت کر لیا ہے کہ انہوں نے اس شعر میں تسکین قائم کی ہے ۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میرے مخدوم نے اپنے پیشے کے اخلاق علمی مباحث میں صرف کر دیتے ہیں ۔ اگر در خانہ کس است این حکایت بس است :

نہفت شوخی و بے پردہ شور جنگش را
زیادہ تندی این بادہ بر درنگش را

میرے مخدوم نے کل یہ چار مثالیں پیش کی ہیں ۔ فرمایا ہے : "یہ اسادان کے علاوہ ہیں جو مدیر معارف نے حافظ علیہ الرحمتہ کے کلام سے پیش کئے ہیں ۔" بے چارے مدیر معارف نے تسکین

کے ثبوت میں صرف ایک مثال پیش کی ہے اور میں ناظرین کو اطلاع دیتا ہوں کہ مدیر معارف اور ہمارے مخدوم جناب اطہر کی مثالوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ایک اگر گڑ ہے تو دوسری گلگلہ ہے۔ ایسی اگر دس ہزار مثالیں بھی پیش کی جائیں تو کس کام کی۔ جناب مدیر معارف نے تسکین کی مثال میں یہ شعر دیا ہے :

بکشائے تیر مژگان و بریز خون حافظ
کہ چناں کشندۂ رانکشد کسں انتقامے

اس میں جناب مدیر "بکشائے" کو بسکون دوم بروزن مفعول پڑھتے ہیں اور تسکین ثابت کرتے ہیں۔ ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس لفظ کو بہ تحریک دوم پڑھیں اور بروزن فعلات مانیں اور اپنی مفروضہ تسکین سے دست کش ہوں۔

آخر میں جناب اطہر نے پروفیسر شیرانی کی تقطیع میں غلطی نکالی ہے۔ اس کا شکریہ موصوف کی طرف سے میں ادا کرتا ہوں اور عرض ہے کہ ع : ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

دنیا قدر شناس نہیں ہے ورنہ قبلہ اطہر صاحب خطاب "تقطیع یار جنگ" کے مستحق ہیں۔ ناظم الملک تقطیع یار جنگ کا جوڑ بھی خوب ملتا ہے۔ لیکن میں ایک بات عرض کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اخبار بین پبلک سب کی سب حضرت اطہر کی طرح فاضل نہیں ہوتی۔ پروفیسر ممدوح نے ان کی سہولت کے لئے ملفوظی تقطیع کر دی تھی اور یہ سمجھ کا پھیر ہے جو اس کو غلط کہا گیا۔ اور غالباً میرے ممدوح میرے ہم خیال ہوں گے کہ ایسی غلطی نکالنا زیادہ تر تنگ دِلی پر مبنی ہے۔ اب بھی اگر وہ اس غلطی پر اصرار کرتے ہیں تو مجھے ناحق کہنا پڑتا ہے کہ قبلہ آپ نے اپنی تقطیع پر ایک نظر اور ڈال لی ہوتی، خود بدولت بھی اسی غلطی کا شکار ہیں۔

ع : کیں گنا ہیست کہ در شہر شما نیز کنند

کیونکہ صفحہ ۸۰ "رسالہ شادمان" میں آپ "چوں بدر" کو مفعول کے ساتھ تقطیع کر رہے ہیں جو قطعاً غلط ہے اس لئے کہ اس میں موزوں کے حروف موزوں بہ سے زیادہ ہیں۔ صحیح تقطیع ہے ، چو بدر = مفعول،

مرا خواندی و خود بدام آمدی ۔

اسی رسالے کے صفحہ ۱۹ پر آپ ' اصطنا ' کو مفاعلن کے ساتھ تقطیع کر رہے ہیں اور یہ غلطی پروفیسر شیرانی کے سر منڈھ رہے ہیں ۔ ممدوح نے ' ط اصطنا ' مفاعلن لکھا تھا (اخبار زمیندار ، بابت ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۴ء)

لیکن قبلہ تقطیع کے میدان میں آپ کا بہترین کارنامہ وہ ہے جو رسالہ ہمایوں بابت ماہ فروری ۱۹۲۲ء کلام خسرو کے تحت میں شائع ہوا ہے ۔ چونکہ دیر کی بات ہے اور انسان کا حافظہ کمزور ، اس لئے ممکن ہے کہ آپ کی یاد سے اُتر گئی ہو ۔ میں بجنسہٖ آپ کی عبارت یہاں نقل کئے دیتا ہوں :

" علامہ شبلی مرحوم نے شعر العجم کے صفحہ ۱۰۹ میں امیر خسرو کی یہ رباعی نقل کی ہے :

ہر مُوئے کہ در دو زلف آں صنم است   صد بیضہ عنبریں بر آں موئے خم است
چوں تیر بداں راس دلش راز یرا کہ   چوں خربوزہ دندانش درون شکم است

مولانا نے مصرع اوّل پر نوٹ دے کر لکھا ہے ، جس نسخہ سے یہ رباعی نقل کی ہے وہ غلط تھا ، میں نے اسی طرح نقل کر دیا ۔

ہمارے خیال میں مصرع اول پر کوئی وجہ نوٹ دینے کی نہیں ہو سکتی بجز اس کے کہ اس مصرع کا وزن نامانوس ضرور ہے ۔ اسی سے مولانا کو اس پر ناموزونی کا شبہ ہُوا ورنہ معنی میں کچھ اغلاق نہیں ۔ بے شک یہ مصرع رباعی کے عام اوزان سے ایک علیحدہ وزن رکھتا ہے لیکن ناموزوں نہیں ہے ۔ رباعی کے اوزان ہی میں یہ بھی ایک وزن ہے ۔ مصرع موزوں ہے اور اس کا وزن عروضی اخرب مکفوف مجبق ازل ، مفعول مفاعیلن مفعول فعول اور تقطیع یہ ہے :

ہر موئے = مفعول ، کہ در دو زل = مفاعیلن (کذا) ،
فی آں صن (کذا) = مفعول ، نمست = فعول

جس شخص کو زحافات عروض معلوم ہوں گے ، اس کو کبھی اس مصرع پر ناموزوں ہونے کا شبہ نہیں ہو سکتا ۔" (ہمایوں ، صفحہ ۳۰ - ۳۱)

آپ ایک مصرع کی غلط تقطیع کرتے ہیں اور معصومانہ لہجے میں فرماتے ہیں کہ "بیشک یہ مصرع رباعی کے عام اوزان سے ایک علیٰحدہ وزن رکھتا ہے لیکن ناموزوں نہیں ہے۔" مگر اس کی تقطیع ایسے وزن میں کی جاتی ہے جو رباعی کے اوزان میں داخل ہے۔

اس قدر جاننے کے بعد میں نہیں کہہ سکتا کہ ملک کو ہمارے مخدوم جناب اطہر کی تاریخ دانی پر ناز کرنا چاہیے یا ان کی عروض دانی پر یا شیوۂ شعر فہمی پر یا تقطیع پر۔

ھر جا کہ بینم از تو سزائے پرستشی
بر کعبہ می تواں زہمہ سو نماز کرد

بدقسمتی سے انہوں نے اپنی معلومات کی جھولی کے تمام ٹکڑوں کو ایک ہی وقت میں نمائش دے کر ہمارے حسنِ عقیدت کا خاتمہ کر دیا ہے:

بہت شور سُنتے تھے پہلو میں دِل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نکلا

حصّہ سوم

مسکوکات

سکہ جاتِ قدیمہ

(از ماہ نامہ "خیالستان"۔ لاہور ——— بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء)

طلوعِ آفتابِ اسلام کے وقت عرب اقوام کے دو قوموں سے زیادہ تعلقات رہے ہیں۔ مغرب میں اہلِ روم سے اور مشرق میں اہلِ ایران سے۔ رومی فلسطین اور شام پر قابض تھے اور ایرانی یمن اور جزیرہ پر۔ جب اسلام نے ایک ہی وقت میں ان دونوں اقوام کو پیچھے ہٹایا اور دمشق اسلامی پایۂ تخت بن گیا۔ اس وقت سکّے کا سوال پیش آیا۔

سکّے کی ابتدا

ان ایّام میں موجودہ سکّہ یا ایرانی تھا یا رومی۔ معاصریت کی وجہ سے ان کی شکل وصورت میں مماثلت قریبہ ہے، اگرچہ مذہبی اعتبار سے بالکل مختلف ہیں۔ ایرانی سکّے میں ایک طرف بادشاہِ عہد کی تصویر ہوتی تھی۔ دوسری طرف فروغ آتش یزداں اور دو خدمت گار آذر پرست ہوتے تھے۔ مذہبی لحاظ سے یہ سکّے مسلمانوں کی نگاہ میں شروع ہی سے قابلِ اعتراض ہوں گے لیکن ضروریاتِ عہد کو مدِ نظر رکھ کر ایک عرصے تک انہی پر اکتفا کی گئی اور کوئی نیا سکّہ شائع نہیں ہوا البتہ یہ ترمیم کی گئی کہ اُسی سکّے کو لے کر اس کے حاشیے پر بسم اللہ لکھ دی جاتی تھی۔

اسلامی سکّہ

اس عمل کے بہت جلد بعد، موجودہ سکّے کی تقلید میں، کہا جاتا ہے، اسلامی سکّہ رواج دیا گیا اور رومی سکّے کا حتی الامکان تتبع کیا گیا۔ چنانچہ بعض قدیم سکّے ایسے ملتے ہیں جن میں خلیفہ تلوار ہاتھ میں لئے دیکھا جاتا ہے جب کہ رومی سکّے میں بادشاہ اپنے ہاتھ میں عصائے مع صلیب کے نظر آتا تھا۔ سکّے کی پشت پر جب کہ رومیوں کے ہاں تین زینوں پر صلیب ہوتی تھی، اسلامی سکّے میں ایک ستون ہے، جس پر ایک گیند دکھائی دیتی ہے اور یونانی عبارت کے بجائے خطِ کوفی میں یہ لکھا ہوتا تھا:

"بسم اللہ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ محمد رسول اللہ بسم اللہ ضرب ھذا الدینار سنہ ست وسبعین۔"

علیٰ ہٰذا ایرانی سکوں میں کسی قدر تبدیلی کی گئی تھی، جیسا کہ اُوپر لکھا جا چکا ہے اس میں ہلال اور ستارے اضافہ کئے گئے اور حاشیے پر "بسم اللہ" کے لفظ اضافہ کر دیئے گئے۔ ہرقل کے مسیحی سکوں میں بھی عربی الفاظ ملتے ہیں، جو مسلمانوں نے اپنے دَور میں ٹھپہ کئے ہیں۔

خلیفہ عبدالملک (سنہ ۷۶ھ)

خلیفہ عبدالملک پہلا شخص ہے، جس نے سنہ ۷۶ھ میں اپنا سکّہ جاری کیا۔ ان قدیمی سکوں میں زیادہ تر مذہبی جذبات غالب ہیں، مثلاً سکّے کے ایک طرف پوری "قل ھواللہ" لکھی ہوئی ہے۔ دوسری طرف "لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ"۔ حاشیے پر ایک طرف "محمد رسول اللہ ارسلہ بالحق والھدیٰ لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ ولو کرہ المشرکون"۔ یہاں زیادہ تر عیسائیوں کی طرف اعتراض مقصود ہے۔ پشت پر دوسرے حاشیے پر "بسم اللہ ضرب ھذا الدرھم بواسط فی سنہ خمس و تسعین ومائۃ۔"

بغیر نام کا سکّہ

یہاں تاریخ کے سوائے حکمران خلیفہ کا نام نظر نہیں آتا اور اس میں شک نہیں کہ اموی خاندان کے دَور میں کسی خلیفہ نے اپنے نام کو سکّے پر نہیں دکھایا اور ہم یہ صرف تاریخوں کی رُو سے ہی کہہ سکتے ہیں کہ فلاں سکّہ کون سے اموی خلیفہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس زمانے کی کوفی نہایت سہل، سادہ اور صاف طریقے پر لکھی گئی ہے اور آج بھی نہایت آسانی سے پڑھی جا سکتی ہے۔

مختلف اسلامی ممالک اور خاندانوں کے سکّے

سکّے کی یہ روش، جو عہد بنو امیہ میں رواج پا گئی تھی۔ کئی صدیوں تک مختلف ممالک اور خاندانوں میں جاری رہی۔ چنانچہ بنو عباس، بنو امیہ، اندلس، سامانیوں، آل بویہ، بنو ہمدانی، بنو عقیل، غزنویں اور سلجوقیوں کے عہد تک اسی طرز کے سکّے نظر آتے ہیں۔ فاطمین مصر نے اپنے عہد میں یہ ترمیم کی کہ سکّے

کی شکل کے مطابق سطور کو بھی مدور شکل میں ترتیب دیا۔ آلِ ایوب، ان کے جانشینوں نے ابتدا میں انہی کی تقلید کی۔ بعد میں انہوں نے وہی سادہ مگر قدیمی یعنی راست سطور والا طریقہ اختیار کیا۔ مملوک نے انہی کی تقلید کی۔ چھٹے قرن کی ابتدا میں سکّے کے اندرونی احاطے کے کتبے کو محصور کر دینے کا رواج قائم کیا۔ اس کی شکل کبھی مربع، کبھی ستارہ نما، مدور، بیضوی، چار، چھ اور آٹھ محرابی شکل والی ہوتی تھی۔ یہ وصف ایوبیوں، سلجوقیوں اور مغلوں کے سکّوں میں پایا جاتا ہے۔ ارضِ روم اور صوریہ کا سکہ ایوبیوں، سلاجقۂ روم، ارتقیوں اور زنگیوں کے دور میں بلادِ اسلامیہ کے سکّوں سے ایک حیثیت میں مختلف ہے۔ یعنی اس میں رُومی سکّوں کا تتبع زیادہ آشکار ہے۔ چہرے، نصف بالائی جسم اور انسانوں کی آدھی یا پوری تصویریں اُن میں نظر آتی ہیں۔ علیٰ ہٰذا سواروں، عقابوں، شیروں، آفتاب اور آدم گاؤ وغیرہ کے تمثال بھی پائے جاتے ہیں۔ چونکہ فرنگیوں سے ان کے تعلقات قائم تھے اس لئے تجارتی اغراض و مقاصد کی بنا پر اغلب ہے کہ انہوں نے یہ بدعت اپنے ممالک میں جاری کی ہو۔

تبدیلیاں

"قل ھو اللہ" کا استعمال چوتھے قرن ہجریہ سے ترک ہو جاتا ہے۔ کلمہ البتہ بہت عرصے تک جاری رہا اور گیارھویں صدی میں اس کا رواج اٹھتا ہے۔ ہندوستان میں عالمگیر کے عہد سے کلمے کا استعمال مستقل طور پر اٹھا دیا گیا۔ اس کے بعض جانشینوں، مثلاً عالمگیر ثانی کے بعض سکّوں میں کلمہ پھر نمودار ہوتا ہے۔

سنی شیعی سکّوں کا فرق

سنی شیعہ سکّوں میں یہی فرق زیادہ ممتاز ہے کہ متاخر کے ہاں "علی ولی اللہ" اضافہ کر دیا گیا ہے۔ صفویوں کے سکّوں میں بارہ اماموں کے نام ملتے ہیں۔ کوفی خط کتابوں سے بہت جلد متروک ہو گیا، لیکن سکّوں میں اس کے رواج کا زمانہ بہت طویل ہے اور نویں صدی کے اختتام تک پایا جاتا ہے۔ بالخصوص تیموری خانوادے میں۔ لیکن ہندوستان کا مذاق اس قدیم اور عربوں کے اصلی خط کے مخالف ہی رہا۔ جب تک مسلمان ہندوستان میں اپنے آپ کو مسافر خیال کرتے رہے، وہ ان کے ساتھ رہا، یعنی چھٹی صدی کے اختتام تک۔ چنانچہ معز الدین غوری اور ابوالفتح یلدز علاالدین خوارزم شاہ وغیرہ کے

سکوں سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ خاندان غلاماں کے دَور ہی میں یہاں نسخی خط کا رواج عام ہو چکا تھا۔

نستعلیق

خط نستعلیق، میرے خیال میں، ماورالنہر میں مغلیہ دَور کی یادگار ہے کیونکہ اس خط کے اوّل سرپرست تیموری خاندان کے سلاطین ہیں۔ سکّوں میں اس کا مروّج جلال الدین اکبر کو کہا جاتا ہے، لیکن دراصل یہ فخر اس کے چچا کامران شاہ کے حصے میں آیا ہے۔ راقم کے پاس اس کا ایک سکہ سنہ ۹۵۱ھ کا ہے، جس میں اگرچہ باقی کتبہ خطِ نسخ میں ہے لیکن کامران کا نام، جو مربع احاطے میں لکھا گیا ہے، خط نستعلیق میں ہے۔

سکّے کی ضخامت و وزن ہندوستان میں

ہندوستان نے جہاں کوفی خط کے خلاف تعصب رکھا وہاں سکّے کے متعلق بلحاظ جسامت و ضخامت و وزن بھی اپنی ملکی خصوصیات و روایات کو برقرار رکھا۔ اگرچہ شمالی حملہ آوروں نے اپنے اپنے سکّے یہاں رواج دیئے لیکن وہ مقبول نہیں ہوئے۔ آل غزنہ نے درم و دینار کو یہاں رواج دیا۔ غوریوں کا سکہ غزنویوں سے کسی قدر ملتا جلتا ہے لیکن یہ سکّے انہی کے دم تک رہے۔ قطب الدین ایبک دہلی کا پہلا سلطان مانا جاتا ہے لیکن اس نے غالباً کبھی اپنے نام کا سکّہ رائج نہیں کیا بلکہ اپنے آقا معزالدین محمد بن سام کے نام پر۔ یہی وجہ ہے کہ قطب الدین کا سکّہ نہیں ملتا اور معزالدین کا سکّہ کثرت سے ملتا ہے۔

قطب الدین کے جانشینوں کا سکّہ بالکل ہندوستانی ہے اور وزن و جثّے کے اعتبار سے وہ زیادہ تر ہندوستان کے قدیمی یونانی یا قمری سکّے سے ملتا جلتا ہے۔ قدیم اسلامی درم اور دینار کا وزن تین چار ماشہ اور چھ ماشہ تک ہوتا ہے لیکن ہندوستان کا روپیہ یا اشرفی دس سے بارہ ماشے یا ایک تولے تک ہوا کرتا ہے۔ بابر جب ترکستان سے اُٹھ کر ہندوستان آیا تو اپنا سکہ بھی ساتھ ہی لایا۔ بابر کے سکّے زیادہ تر اس عہد کے تیموری اور شیعی سکّوں سے ملتے جلتے ہیں۔ نہ وزن میں اختلاف ہے اور نہ شکل میں۔ ہمایوں کے سکّے بھی اسی نمونے کے ہیں لیکن شیر شاہ نے مغلوں سے ہندوستان چھین کر ہندی سکّے ہی کا رواج دیا۔ سوری خاندان کے یہ سکّے بالخصوص اسلام شاہی روپے بلحاظ سادگی، قامت اور نمود و نمائش، دُنیا کے بہترین سکّوں کے مقابلے میں بے فروغ نہیں ٹھہر سکتے۔ ہمایوں اور اس کی تقلید میں جلال الدین اکبر نے اپنے

ابتدائی عہد میں آبائی سکوں کو رواج دیا لیکن وقارِ سلطنت کے باوجود ان کو کچھ فروغ حاصل نہیں ہوا اور سوری سکے میں کسی قدر ترمیم کر کے اسی کو رواج ملا جو اب تک بدستور قائم ہے اور روپیہ کہلاتا ہے اور بعض ریاستوں میں جاری ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے دَور سے کلدار سکہ ہندوستان میں فروغ پا رہا ہے لیکن اس کا محیط اسلام شاہی اور شیر شاہی سکوں کے قریب قریب ہے۔

درم و دینار مختلف عہدوں میں

یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ ابتدائے اسلام میں درم و دینار کا رواج ہوا ہے۔ درم چاندی کا اور دینار سونے کا سکہ ہوتا تھا مگر بہ اعتبار وزن ہر عہد میں اس کا وزن مختلف رہا ہے بلکہ ایک ہی مملکت کے مختلف شہروں میں ان کا وزن مختلف ہوتا تھا محمود کے عہد میں ہم دیکھتے ہیں کہ دینار ضرب نیشاپور، اور امصار کے دینار کے مقابلے میں ½ حصہ زیادہ وزنی تھا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ادبیات میں دینار نیشاپوری کا ذکر آتا ہے۔ اسی طرح ان کے نام بھی مختلف ہوا کرتے تھے، مثلاً یمین الدولہ محمود کے درہموں پر "یمینی" لکھا ہوتا ہے۔ اس سے راقم خیال کرتا ہے کہ وہ اس خاص درم کا نام ہے کیونکہ "یمینی" یمین الدولہ کی طرف منسوب ہے۔ اسی طرح "دولتِ یمینی" اور "ملکِ یمینی" کی بندشیں، جو غزنوی دَور کے ادب میں ملتی ہیں، سب محمود ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ سلطان ابراہیم بن مسعود کے درم پر سب سے آخر میں "نصیری" کا لفظ ملتا ہے۔ چونکہ اس کا لقب "نصیر الدولہ و ظہیر الملۃ" ہے اس لئے اس کا یہ سکہ "نصیری" کہلایا۔ علیٰ ہٰذا اس کے فرزند سلطان مسعود سومیں کے بعض سکوں میں "قاہری" کا لفظ ملتا ہے، جو ظاہر ہے کہ سکے کا نام ہے اور ظن غالب ہے کہ "قاہر الملوک" اس کے خطاب کا بھی حصہ ہے، جس طرح کہ اس کے باپ کے نام کے ساتھ ملتا ہے۔

زبانیں

ابتدا میں عربی کو پہلوی، یونانی اور لاطینی سے سابقہ پڑا لیکن اس حالت میں موجودہ سکے پر عربی اضافہ کر دی جاتی ہے۔ طبرستانی سکے پر ایک عرصے تک پہلوی جاری رہی یعنی وہی ساسانی سکہ استعمال میں آتا رہا اور صرف عربی میں مسلمان عمال کے نام ہوتے تھے مثلاً سلیمان، سعید، عمرو، ہانی مغفل وغیرہ۔ شمالی ہند میں تیسری صدی ہجری میں ایسے سکے ملتے ہیں، جن پر سوار اور بیل نظر آتے ہیں۔ ان میں

ایک طرف سنسکرت میں عبارت ہے اور دوسری طرف خلیفہ المقتدر (سنہ ۲۹۵ و ۳۲۰ ھ) کا نام سوار کے اوپر عربی میں نظر آتا ہے۔ اسی قسم کا سکہ غزنوی اور غوری بلکہ خاندان غلاماں کے عہد میں بھی ملتا ہے۔ بخارا میں قبلائی خاں کے سکے پر ایک طرف چینی عبارت اور دوسری طرف عربی ہوتی تھی۔ گذشتہ صدی میں ممالک چین میں مسلمانوں نے اپنی بغاوت کے دوران میں ایک طرف چینی اور دوسری طرف عربی کا استعمال کیا ہے۔

مسیحی عربی سکے

سلرنو اور سسلی (صقلیہ) کے عیسائی بادشاہوں نے، جنہوں نے مسلمانوں کا ان ممالک سے ساتویں قرن ہجری میں اخراج کیا ہے، مسلمانوں کے اتباع میں اپنا سکہ عربی زبان میں جاری کیا۔ ان کا سکہ سلاطین ایوبیہ کے سکوں سے مشابہ ہے لیکن توحید کے مناسبے کے بجائے اس میں تثلیث کا اعلان تھا۔ نیز یہ کہ پوپ کلیسائے مسیح کا امام اور بادشاہ یا تثلیثی فرقے کا امیر تھا۔ جارجیا کے سکوں پر ذولسانی کتبات ملتے ہیں۔ کبھی اس پر شمال سے حملے ہوتے اور کبھی جنوب سے۔ کبھی اس کے سکوں پر جارجی اور یونانی تحریریں ملتی ہیں، کبھی جارجی اور پہلوی۔ بعد میں جارجی اور عربی کتبے نظر آتے ہیں اور استیلائے مغول کے بعد جارجی، عربی اور مغولی زبانیں ملتی ہیں۔ ایران میں مغولی سکوں پر عربی کے ساتھ ساتھ بعض اوقات مغولی زبان بھی نظر آتی ہے۔ ممالک ارمن کی بھی وہی حالت رہی ہے جو جارجیا کی ہے۔ استیلائے سلجوق کے دَور سے پیشتر اس کے سکے پر ایک طرف بادشاہ ارمن کی تصویر اور پشت پر شیر کی تصویر ہوتی تھی اور ارمنی زبان میں کتبہ ہوتا تھا لیکن جب وہ ملک ساتویں صدی میں سلجوقیوں نے مسخر کر لیا تو اس میں یہ تبدیلی کی گئی کہ ایک طرف شاہ ارمن کی تصویر برقرار رہی، دوسری طرف عربی کتبہ نمودار ہو گیا، جو خود سلجوقی سکوں کے مماثل تھا۔

عربی اور دیوناگری

ہندوستان میں بعض سلاطین دہلی نے عربی اور دیوناگری میں اپنے سکے جاری کیے ہیں مثلاً سلاطین بنگال اور سلاطین سور کے سکے۔ ایم ڈروین (M. DROWIN) نے اکبر کے ایک سکے پر سنسکرت

کا کتبہ دریافت کیا ہے۔ ہندوستان کی متعدد ریاستوں کے سکّے پر فارسی اور ہندی کتبے ملتے ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بعض بعض سکّوں پر چار چار زبانیں تک دیکھی گئی ہیں، مثلاً انگریزی، فارسی، اردو، بنگالی، تامل اور تلنگی۔ جزائر الہند STRAITS میں اس کمپنی نے انگریزی، فارسی اور ملائی زبانوں میں سکّہ جاری کیا لیکن ایک ایسا سکّہ بھی تھا جس پر ان زبانوں کے علاوہ چینی کتبہ بھی پایا جاتا ہے۔

تصویری سکّے

بعض سلاطینِ اسلام نے، باوجود ممانعت تصویر کشی، اپنے سکّوں پر جانوروں وغیرہ کی تصویر سے بھی کام لیا ہے۔ یہ طرزِ عمل کسی خاص عہد کی طرف نسبت نہیں دیا جا سکتا بلکہ ہر عہد میں ایسا کیا گیا ہے لیکن یہ تصاویر اکثر اوقات کسی ملک یا خاندان کی علاماتِ امتیاز ہیں: مثلاً عقاب دوسرا ارتقیوں اور زنگیوں کے ہاں، شیر ببر مملوک میں، شیر اور آفتاب سلاجقہ اور تاتاریوں میں، ماہی، طیور اور انسانی شکلیں رسولی خاندان یمن میں، دوازدہ بروج کی شکلیں جہانگیر کے سکّوں پر اور قندھار میں ایرانیوں کے زمانے میں بارہ سالوں کی تصویریں۔ جہانگیر کے بعض سکّے ایسے بھی ملا کرتے ہیں، جن میں خود اس کی تصویر دکھائی گئی ہے، لیکن ایسی مثالیں اسلام میں نہایت نادر ہیں۔ ان نقش و نگار کے علاوہ ایک اور علامت بھی ملا کرتی ہے، جس کو بعض اوقات علامت ٹکسال بھی کہا جا سکتا ہے، لیکن یہ یقیناً نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کسی خاص ٹکسال کا نشان ہے، کیونکہ ایک ہی وقت میں ایک ہی ٹکسال کی مختلف علامات پائی جاتی ہیں۔ بعض وقت ایک عہد میں ایک ٹکسال کے ساتھ ایک ہی علامت ملتی ہے، مثلاً ہمایوں کے پیسوں پہ اکبر آباد کے جلوس پر علامت "کلا" خاص طور پر پائی جاتی ہے۔ اکبر کے بعض سکّوں پر، جو آگرہ سے تعلق رکھتے ہیں، پھر یہ علامت ملتی ہے۔ جہانگیر اور شاہجہان کے زمانوں میں یہ علامت غائب ہو جاتی ہے جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ ان علامات کا مخصوص تعلق ٹکسال کے ساتھ ہے، لیکن برخلاف اس کے، صرف عالمگیر کے سکّوں پر، جو سورت میں بنائے گئے ہیں، تیس مختلف علامات نظر آتی ہیں۔ بہرحال اس کے متعلق کوئی خاص رائے قائم نہیں کی جا سکتی کہ ان علامات کی اصلی حقیقت اور قیمت کیا ہے۔ موجودہ زمانے میں ہندوستان میں ہر ریاست اپنی اپنی خاص علامت رکھتی ہے، جس کو حقیقت میں علامت ٹکسال کہا جا سکتا ہے۔

پہلی صدی ہجری میں عرب عمّال کے

ایرانی مسکوکات

(از اورینٹل کالج میگزین - بابت نومبر سنہ ۱۹۴۲ء)

سطور ذیل سے مقصد میرے مجموعۂ مسکوکات سے ان سکوں کی فہرست ناظرین کی خدمت میں پیش کرنا ہے، جو عمّالِ عرب نے ایران میں جاری کئے - یہ سکّے تمام تر پہلی صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں اور ساسانی سلاطین کے سکوں کی تقلید میں تیار کئے گئے ہیں - یہ فہرست مختصر ہے لیکن جو کچھ حاضر ہے، ہدیۂ احباب ہے - اس ملک میں ان قدیم سکوں کا دستیاب ہونا بہت دشوار ہے -

حضرت فاروق اعظم کے عہد میں اسلامی فتوحات کا سیلاب ایران کی طرف بڑھتا ہے - قادسیہ اور نہاوند کی جنگوں نے ساسانی حکومت کا چراغ گُل کر کے ایران کو خلافتِ اسلامیہ کا محکوم بنا دیا - اس سرزمین میں جگہ جگہ عربوں کی چھاؤنیاں قائم ہو گئیں اور خلافت اپنے عاملوں کے ذریعے سے ان پر حکومت کرنے لگی - ہم یہاں سیاسی حالات سے بحث نہیں کرنا چاہتے، نہ اس انتظام کا ذکر کرتے ہیں جو عربوں نے ایران پر حکمرانی کے واسطے اختیار کیا - ہمارا تعلق مسکوکات سے ہے - ان کے سلسلے میں گاہ گاہ ہمیں تاریخ کی طرف رجوع کرنی پڑے گی - ایران میں آمدِ عرب کے وقت ساسانی سکہ چل رہا تھا جس پر کوئی مستقل سنہ نہیں ہوتا تھا بلکہ جلوسی، جو ہر بادشاہ اپنے اپنے جلوس کی تاریخ کی یادگار میں اختیار کرتا تھا۔ ان میں دو قسم کے سکّے زیادہ مقبول معلوم ہوتے ہیں جو خسرو پرویز اور یزدجرد خاتم شاہانِ ایران سے تعلق رکھتے ہیں - عربوں نے یزدگرد بالخصوص خسرو پرویز کے سکوں کی ہر دلعزیزی دیکھ کر انہی سکوں کو اپنے لئے نمونہ بنا لیا - چنانچہ یہ سکّے اپنی وضع قطع، زبان و خط و دیگر امور میں بالکل ایرانی سکوں کے مطابق تھے - ان کی زبان پہلوی تھی - ایک طرف بادشاہ کی تصویر، منہ کے سامنے اس کا نام، گردن کے طرف بادشاہ کے واسطے دُعا، حاشیے میں راست و چپ، پائین و بالا، چاند ہلال اور ستارے، سکوں کی پُشت

پر دائرے میں مقدس آگ کا مجمر، اس کے دائیں بائیں دو خدمت گزار، دائرے میں دائیں جانب شہر کا نام، ترخیم شدہ شکل میں یعنی صرف ابتدا کے دو تین حروف درج ہوتے تھے، باقی حصہ حذف کر دیا جاتا تھا۔ دائرے کی بائیں طرف تاریخ، سال مرقوم ہوتی تھی۔ عربوں نے ان سکوں کو جوں کا توں قبول کر لیا لیکن اس قدر ترمیم کی کہ اپنی حکومت کے اعلان کے واسطے رخ کی طرف جدھر بادشاہ کی تصویر ہوتی تھی، بیرون دائرہ حاشیے پر کوئی عربی کلمہ بخط کوفی، جس میں زیادہ تر الفاظ "بسم اللہ" یا "بسم اللہ ربی" بہت عام ہیں، ایک طرف اضافہ کر دیا۔ باقی امور حسب دستور قدیم رہنے دیتے۔ حتیٰ کہ بادشاہ کے نام تک کو نہیں بدلا بلکہ سن بھی یزدجردی اختیار کر لیا۔ محققین کا خیال ہے کہ سکہ خواہ خسرو پرویز کے نام کا ہو یا یزدجرد کے نام کا، دونوں سکوں پر یزدجردی تاریخ قائم رہی۔ یزدجرد سنہ ۲۰ جلوس یزدجردی (مطابق سنہ ۳۱ھ) میں ایک ایرانی آسیابان کے ہاتھ سے مرو میں مارا گیا۔ اسی تاریخ سے عربی سکے، جن کو ہم "بسم اللہی" کہیں گے، شروع ہو جاتے ہیں۔ سنہ ۲۰ یزدجردی کے ایسے سکے موجود ہیں، جن پر "بسم اللہ" درج ہے لیکن یہ لازمی نہیں کہ ہر عربی سکے پر "بسم اللہ" ہو۔ ایسے سکے بھی کثرت سے ملتے ہیں، جن پر "بسم اللہ" یا کوئی اور اسلامی کلمہ مذکور نہیں اور یزدجرد کے بعد لگے ہیں، جیسا کہ ان کی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے اور یہی تاریخیں ان کو یزدجردی سکوں سے ممیز کرتی ہیں۔ ایسے سکے اس مجموعے میں متعدد ہیں۔ یہ غالباً حضرت عثمان سنہ ۲۳ و ۳۵ھ مطابق سنہ ۱۲ و ۲۴ یزدجردی کا زمانہ ہے۔ جب پہلی مرتبہ مسلمانوں کے سکے ایران میں لگنے شروع ہوتے ہیں اور ہر ایسا سکہ جس پر سنہ ۲۰ یزدجردی سے بعد کی تاریخ ہے، سمجھ لینا چاہیے کہ اسلامی دور کا ہے۔ تقریباً نصف صدی ختم ہونے تک ان سکوں میں یزدجردی سنہ جاری رہا۔ بعد میں اس تاریخ کو موقوف کر کے ہجری تاریخ اختیار کر لی گئی لیکن یہ تبدیلی غیر محسوس طور پر ہوئی ہے اور ہم اپنی موجودہ معلومات کی روشنی میں کسی خاص سال تک اس کی حد بندی نہیں کر سکتے۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ان والیوں کی دو مختلف شہروں کی ٹکسالوں میں سے ایک پر یزدجردی سنہ پایا جاتا ہے اور دوسری پر ہجری سنہ استعمال ہو رہا ہے یا ایک ہی والی کے ابتدائی سکے ایرانی سنہ میں ہیں اور بعد کے ہجری سنہ میں۔ بلکہ بعض اوقات یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ایک خاص سکے پر ہجری تاریخ ہے یا یزدجردی۔ اسی طرح ایک اور اشتباہ پیدا کرنے والا امر یہ ہے کہ ایرانیوں نے یزدجرد

کی وفات پر ایک جدید فارسی سنہ کا اجرا کیا تھا جو یزدجردی سال سے بیس سال چھوٹا ہے۔ گمان گزرتا ہے کہ یہ سنہ بھی سکوں میں استعمال ہوا ہے۔ یہ امور ہیں جو بعض اوقات خاص خاص سکوں کی تاریخوں کی نسبت ہمارے لئے حیرانی اور تذبذب کا سامان بنتے ہیں۔

سکہ، اگرچہ شاہی حقوق کے ذیل میں شمار ہوتا ہے لیکن خلفائے راشدین میں سے کسی نے بھی سکوں پر اپنا نام درج نہیں کرایا، نہ انہوں نے سکہ چلایا، نہ سکے پر ان کا نام آیا۔ بنو امیہ نے اگرچہ سکے چلاتے لیکن انہوں نے تمام مدتِ خلافت میں اپنا نام سکوں پر نہ دیا، اگرچہ حضرت معاویہ اور عبدالملک ابن مروان کے ناموں کے چند سکے دستیاب ہوتے ہیں لیکن یہ استثناء قائم کرتے ہیں، نہ قاعدہ۔ بلکہ جب عبدالملک نے سنہ ۷۵ھ میں خالص عربی طرز کے سکے اپنی قلمرو میں رائج کیے، تب بھی ان خلفاء کا نام سکوں پر نہ آیا۔ یہ خلفائے بنو عباس ہیں، جن کا نام سب سے پہلے سکوں پر نمودار ہوتا ہے۔ ورنہ اس سے پیشتر حضرت عثمان اور حضرت علی کے دور میں سکوں پر یا تو خسرو پرویز کا نام لکھا جاتا تھا، جو نہایت عام ہے یا یزدجرد کا نام دیا جاتا تھا، جو اتنا عام نہیں۔ بعض اوقات ہرمز کے نام کے بھی سکے ملتے ہیں لیکن بعد میں عرب والیوں نے ان ساسانی سلاطین کا نام ہٹا کر اپنا نام درج کرنے کا دستور جاری کر دیا۔ یہ دستور مغربی محققین کے بیان کے مطابق سنہ ۴۱ھ سے شروع ہو کر، جو حضرت معاویہ کی خلافت کا پہلا سال ہے، سنہ ۷۴ھ تک، جو عبدالملک بن مروان کی حکومت کا زمانہ ہے، قائم رہتا ہے۔

میرے پاس جو سکے ہیں، زیادہ تر بنو امیہ کے بعد کے عمّال سے متعلق ہیں۔ ان میں حضرت عبداللہ بن زبیر اور ان کے والیوں کے سکے بھی شامل ہیں، جنہوں نے جداگانہ خلافت قائم کر کے ایک عرصے تک خراسان پر، اپنے عاملوں کے ذریعے سے حکومت کی ہے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ عبداللہ ابن عامر ۲۔ زیاد ابن ابوسفیان ۳۔ عبیداللہ ابن زیاد ۴۔ سلم ابن زیاد ۵۔ عبداللہ ابن زبیر
۶۔ عبداللہ ابن حازم ۷۔ طلحہ ابن عبداللہ ۸۔ عمر ابن عبیداللہ۔

یہاں ان عرب عاملوں کے مختصر حالات دیئے جاتے ہیں، جو زیادہ تر "تاریخ سیستان" اور مسٹر جان واکر کی "فہرست عرب ساسانی مسکوکات" طبع سنہ ۱۹۴۱ء کے دیباچے سے ماخوذ ہیں۔

۱۔ عبداللہ ابن عامر بن کریز ۔ سنہ ۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو ایالت بصرہ اور عثمان ابن العاص کو فارس کی حکومت سے معزول کر کے، دونوں علاقے عبداللہ ابن عامر کے حوالے کر دیئے۔ عبداللہ کی عمر اس وقت صرف پچیس برس کی تھی۔ اس نے کچھ عرصے بصرہ میں قیام کیا، اس کے بعد زیاد بن ابیہ کو اپنی نیابت کے واسطے بصرہ میں چھوڑ کر ایران آگیا۔ اصطخر فتح کیا، خرہ اردشیر پر جنگ کی، گازرون اور داراب جرد مسخر کرنے کے بعد پھر خرۂ اردشیر پر آدھمکا اور اس دفعہ اس پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا جب یزدجرد ساسانی بھاگ کر مرو میں پناہ گزین ہوا، عبداللہ بن عامر نے مجاشع بن مسعود التمیمی کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ مجاشع نے سیرجان پر قبضہ کیا۔ سنہ ۳۰ھ میں عبداللہ نے مجاشع کو سیستان کی تسخیر کے واسطے رخصت کیا۔ سیستانی بڑی بے جگری کے ساتھ لڑے، بہت مسلمان مارے گئے۔ مجاشع ناکام واپس لوٹا۔ جب دربارِ خلافت میں اس مہم کی ناکامی کی اطلاع پہنچی، آپ نے ربیع بن زیاد الحارثی کو بڑی فوج کے ساتھ عبداللہ ابن عامر کے پاس بھیجا کہ اس کو سیستان کی مہم پر مقرر کردے۔ عبداللہ نے تعمیل ارشاد میں ربیع کو سیستان روانہ کیا۔ اُس نے جاکر یہ صوبہ فتح کرلیا۔ بعد میں ربیع غزنیں تک پہنچا اور بست ہوتا ہوا عبداللہ بن عامر کے پاس پہنچ گیا۔ سیستانیوں نے موقع پاکر بغاوت کردی۔ اس مرتبہ ان کی سرکوبی کے واسطے عبداللہ ابن عامر نے سنہ ۳۲ھ میں حسب الحکم خلافت عبدالرحمٰن بن سمرہ کو مقرر کیا۔ اس نے بغیر لڑے بھڑے سیستانیوں سے معاملہ طے کرلیا۔ سنہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان کی شہادت کا حادثہ پیش آیا، جس سے تمام معاملات خلافت درہم برہم ہوگئے۔ حضرت علی کی خلافت کے زمانے میں عبداللہ ابن عامر کو خلافت کے نزاع میں حصہ لینا پڑا۔ جنگ جمل میں وہ ام المومنین کے طرف داروں میں تھا۔ جب سنہ ۴۱ھ میں حضرت معاویہ کا دَورِ حکومت آیا، انہوں نے ایالت بصرہ دوبارہ عبداللہ بن عامر کے سپرد کردی جس کے ساتھ خراسان و سیستان کا علاقہ بھی شامل تھا۔ عبداللہ سب سے پیشتر سیستان آیا۔ اس کا مقدمہ احنف بن قیس کے حوالے تھا۔ کچھ مدت کے بعد خراسان گیا اور نشاپور میں اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ سنہ ۴۴ھ میں عبداللہ بن عامر معزول ہوتا ہے اور اس کا عہدہ زیاد بن ابیہ کے سپرد ہوتا ہے۔

۲۔ زیاد بن ابیہ ۔ یہ اپنے عہد کا سب سے مشہور و معروف شخص ہے۔ ابتدا میں بصرہ میں عبداللہ بن عامر کا دبیر تھا۔ اس کی کارگزاری سے خوش ہوکر عبداللہ نے ایران جاتے وقت بصرہ کی حکومت اس کے تفویض کی۔

حضرت معاویہ نے، اس کو اپنا بھائی تسلیم کر کے، ایالت بصرہ اس کو عنایت کی۔ چنانچہ اب وہ زیاد ابن ابوسفیان کہلانے لگا۔ کچھ عرصے کے بعد کوفہ کی عملداری اس کے حوالے ہوئی۔ زیاد نے سیستان میں ربیع الحارثی کو اپنا نائب بنا کر بھیج دیا۔ سنہ ۵۱ھ میں عبیداللہ ابی بکرہ کو حکومت سیستان دی۔ زیاد نصف سال بصرہ میں اور وہ نصف سال کوفہ میں گزارتا۔ اس کی غیر حاضری میں بصرہ میں سمرا ابن جندب اور کوفہ میں عبداللہ خالد نیابت اس میں کام کرتے۔ مؤرخین نے زیاد کی تاریخ وفات سنہ ۵۳ھ دی ہے لیکن سکوں کی شہادت اس بیان کی تائید نہیں کرتی۔ اس کے سکّے سنہ ۵۶ھ تک کے ملتے ہیں۔

۳۔ عبیداللہ بن زیاد ۔جب حضرت معاویہ کو زیاد کی وفات کی خبر پہنچی، آپ نے سنہ ۵۳ھ میں ایالت خراسان اس کے فرزند عبیداللہ کے حوالے کی۔ عبیداللہ نے اپنے بھائی عباد بن زیاد کو سیستان کا حاکم مقرر کیا۔ اسی عباد کے عہد میں عرب شاعر ابن مفرّغ نے سیستان میں عباد، اس کے باپ زیاد اور دادی سمیّہ کی ہجویں لکھی ہیں جو ان ایّام میں بہت مشہور ہوئیں۔ عباد نے تنگ آ کر شاعر کو قید کر دیا۔ قید میں اس نے رسکی پی، اس کو کالے دست آنے۔ ایرانی بچے یہ ماجرا دیکھ کر پکار اٹھے "این چیست، این چیست"۔ ابن مفرغ نے اس ناگفتنی حالت میں بھی اپنی شاعری یاد رکھی اور فارسی میں یوں جواب دیا:

آبست و نبیذ است　　　عصارات زبیب است

و دنبہ فربہ و پی است　　　وسمیّہ روسپی است

سمیّہ زیاد کی ماں کا نام تھا۔ چونکہ زیاد کا باپ نامعلوم تھا اس لئے عرب اس کو زیاد بن ابیہ کہتے ہیں۔ فارسی زبان میں یہ قدیم ترین شعر مانے جا سکتے ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عرب ہیں، جو فارسی میں ابتداءً شعر گوئی شروع کرتے ہیں، بعد میں ایرانی تقلیداً اس فن کو اختیار کرتے ہیں۔

زیاد کے فرزندوں میں عبیداللہ سب سے زیادہ شہرت اور قابلیت کا مالک ہے۔ اس نے ماوراالنہر پر حملے کئے، بخارا تک پہنچا۔ اس مہم کے بعد وہ عراق بلوا لیا گیا۔ یہاں آ کر خارجیوں کا معرکہ اس نے نہایت کامیابی سے سر کیا۔ سنہ ۶۰ھ میں جب یزید برسرِ حکومت آیا، اُس نے کوفہ اور بصرہ کی دونوں ایالتیں عبیداللہ کو تفویض کر دیں۔ واقعہ کربلا یعنی حضرت امام حسین کی شہادت عبیداللہ کے دامن پر ایسا داغ ہے، جس نے

ہمیشہ کے واسطے اس کو مسلمانوں کی نگاہ میں ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔

سنہ ۶۴ھ میں، یزید کی موت پر عبید اللہ نے اپنے واسطے رعایا سے بیعت لینی چاہی۔ بصری اس قدر برہم ہوتے کہ مجبوراً اسے عراق سے نکلنا پڑا۔ شام پہنچ کر معاویہ ثانی کی وفات کے بعد اس نے نئے خلیفہ مروان کی شدت کے ساتھ امداد کی۔ مروان نے عراق کی تسخیر کے لئے اسی کو تعین کیا۔ یہ لڑائی دیر تک چلتی رہی حتیٰ کہ مروان کا فرزند عبد الملک برسرِ حکومت آیا۔ سنہ ۶۷ھ میں موصل کے قریب، دریائے زاب کے کنارے وہ لڑائی میں قتل ہوا اور اس کا سر مختار کے پاس کوفہ میں بھیج دیا گیا۔ جو سلوک اس نے امام حسین کے سر کے ساتھ کیا تھا، وہی سلوک اس کے سر کے ساتھ ہوا اور شہدائے کربلا کا انتقام پورا ہوا۔

عبید اللہ کے سکّے کثرت سے ملتے ہیں، جن میں ذیل کی ٹکسالیں معلوم ہیں:

۱۔ ابرشہر (نیشاپور)، ۲۔ ایران (سوسا؟)، ۳۔ آذربائیجان، ۴۔ بلخ، ۵۔ بہ قباد، ۶۔ بیشاپور، ۷۔ بصرہ، ۸۔ داراب جرد، ۹۔ سکستان (سیستان)، ۱۰۔ کرمان، ۱۱۔ نہاوند، ۱۲۔ رے، ۱۳۔ دشت میسان، ۱۴۔ اصطخر، ۱۵۔ زرنج وغیرہ اور ان ٹکسالوں پر تینوں سنہ یعنی یزدجردی، ہجری، سنہ مابعد یزدجردی استعمال ہوتے ہیں۔

۴۔ <u>سلم ابن زیاد</u>۔ جب یزید ابن زیاد کو کابل میں، جہاں وہ ایک بغاوت فرو کرنے گیا تھا، شکست ہوئی اور اکثر اہلِ اسلام قتل اور اسیر ہوئے۔ مقتولین میں یزید تھا اور اس کا بھائی ابو عبیدہ بن زیاد اسیروں میں شامل تھا۔ جب اس ہزیمت کی خبر شام میں یزید بن معاویہ کو پہنچی، اس نے سلم بن زیاد کو خراسان اور سیستان کی حکومت پر روانہ کیا۔ سلم اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ سخی مانا جاتا ہے اور عربی مقولہ "اَجْوَدُ مِنْ بَنِی زِیاد" اسی کے حق میں کہا گیا ہے۔ سلم نے ترکوں کے خلاف جنگ کی اور سمرقند تک یورش کی۔ یہاں اس کو کافی کامیابی ہوئی مگر یزید کی موت پر سلطنت کے معاملات درہم برہم ہو گئے۔

سلم نے اس وقت اپنے واسطے بیعت کی کوشش کی لیکن اس کو بھی اپنے بھائی عبید اللہ کی طرح بھاگ کر جان بچانی پڑی۔ سنہ ۷۳ھ میں سلم نے وفات پائی۔ سلم کے زمانے میں خراسان میں دو عملی ہو گئی ہے۔ سنہ ۶۴ھ میں حضرت عبد اللہ ابن زبیر نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ خراسان میں ان کا عامل عبد اللہ ابن خازم تھا۔ اس

لئے ان حریف دعوے داروں میں دیر تک جنگیں ہوتی رہیں۔ آخر میں سلم کو ہزیمت ہوئی۔

۵۔ طلحہ ابن عبداللہ بن خلف الخزاعی ۔ جو طلحۃ الطلحات کے نام سے مشہور ہے۔ سلم بن زیاد نے اسے سیستان کا والی مقرر کیا۔ عمر، طلحہ کا بھائی، اس کا سپہ سالار تھا۔ طلحہ نہایت نیک طبیعت اور سمجھ دار انسان تھا۔ سخاوت، شجاعت اور عدالت میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ اس کے اخلاق اور حسن سلوک سے سارے سیستانی اس کے گرویدہ ہوگئے۔ کابل کے قیدیوں کو جن میں ابوعبیدہ ابن زیاد اور دوسرے مسلمان شامل تھے، پانچ لاکھ زر فدیہ ادا کر کے رہا کروایا۔ سنہ ۶۲ھ کے آخر میں یزید نے طلحہ کی جگہ پر اسود بن سعید کو سیستان بھیج دیا۔ کچھ عرصے کے بعد اسی منصب پر محمد بن طلحہ الطلحات کی تقرری ہوئی۔ سال بھر بعد سنہ ۶۴ھ میں یہی منصب دوبارہ طلحہ کی طرف رجوع ہوا۔ طلحہ نے سیستان پہنچ کر اپنے فرزند کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ سیستانیوں میں طلحہ کی ہردل عزیزی بہت بڑھی ہوئی تھی اور اس کو بھی ان سے بے حد محبت تھی۔ وہ اپنی وفات تک اسی ملک میں رہا۔ طلحہ نے اپنے فرزند کو وصیت کی کہ میری وفات پر مجھ کو اسی سرزمین میں دفن کرنا۔ چنانچہ اس کی وصیت پر عمل ہوا اور "قصل مہاجر" میں اس کو دفن کیا۔

سطور بالا میں عمّال بنو امیہ کا ذکر ہوا ہے۔ ذیل میں دوسرے دعویدار خلافت حضرت عبداللہ ابن زبیر اور ان کے بعض والیوں کے حالات حوالۂ قلم کئے جاتے ہیں:

۶۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر ۔ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر کے نواسے ہیں۔ جنگ جمل میں اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ پیادوں کی فوج کی افسری کی۔ جب حضرت معاویہ نے یزید کے واسطے بیعت لینی چاہی، یہ امر حضرت عبداللہ کو ناگوار گزرا لیکن حضرت معاویہ کے انتقال تک خاموش رہے۔ جب یزید تخت نشین ہوا، آپ نے مخالفت کی اور خلافت کے دعوے دار ہوتے۔ یزید نے ایک فوج ان کے خلاف مدینے بھیجی۔ مدینہ بری طرح سے غارت ہوا۔ یہ سنہ ۶۳ھ کا واقعہ ہے۔ دوسرے سال یزیدی فوجوں نے مکّے کا محاصرہ کیا، جو حضرت عبداللہ ابن زبیر کا دارالخلافہ تھا۔ جنگ کے دوران میں کعبے کو جلا دیا گیا اور مکّے کا بھی شاید وہی حشر ہوتا، جو سال گذشتہ مدینے کا ہوا تھا۔ مکّے والوں کی خوش قسمتی سے عین اس موقعہ پر یزید کی موت کی خبر پہنچی۔ اب حضرت عبداللہ ابن زبیر کا ستارہ اوج پر تھا۔ نہ صرف حرمین شریفین میں ان کو خلیفہ مان لیا گیا بلکہ مصر، بصرہ و کوفہ بھی ان

کے حلقۂ اطاعت میں آگئے ۔ ابتدا میں انہوں نے حارث بن عبداللہ کو عراق کی حکومت پر مقرر کیا۔ پھر اس کو معزول کر کے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کی تقرری کی ۔ قصہ مختصر مصعب، عبدالملک بن مروان کے ساتھ جنگ میں مارے گئے ۔ اب عبدالملک نے حضرت عبداللہ ابن زبیر کے خلاف حجاج بن یوسف کو روانہ کیا۔ اس نے مکے کا محاصرہ کیا اور حرم میں منجنیقیں لگائیں ۔ آخر سنہ ۷۳ھ میں حضرت عبداللہ ابن زبیر شہید ہوئے ۔

۷ ۔ **عبداللہ ابن خازم** ۔ اس کا نام پہلی مرتبہ صوبہ خراسان کی فتوحات میں نظر آتا ہے ۔ سنہ ۳۲ھ میں، فتح ہرات کے وقت، وہ عبداللہ ابن عامر کی فوج کا سالار تھا ۔ سال آئندہ میں خراسان کی ایالت اس کے حوالے ہوئی، جس منصب پر حضرت علی کی خلافت کے زمانے تک سرافراز رہا ۔ حضرت علی نے خراسان پر اپنا آدمی بھیجا لیکن سنہ ۴۱ھ میں معاویہ خلیفہ ہوئے، عبداللہ ابن خازم اپنے عہدے پر بحال کر دیا گیا اور سنہ ۴۴ھ تک اسی منصب پر ممتاز رہا ۔ بالآخر اس نے بنو امیہ کی بیعت توڑ دی اور خلافت حضرت عبداللہ بن زبیر کا سرگرم طرف دار بن گیا ۔ عبدالملک نے سات سال کے خراج خراسان کی معافی کا لالچ دے کر اسے توڑنا چاہا مگر وہ قابو میں نہ آیا ۔ سنہ ۶۴ھ میں اس نے سلم بن زیاد کو شکست دے کر نکال دیا ۔ اس کے بعد وہ اپنی وفات تک، جو سنہ ۷۲ھ میں ہوتی ہے، خراسان کا واحد مالک بنا رہا ۔

۸ ۔ **عمر بن عبیداللہ بن معمر** : حضرت عبداللہ ابن زبیر کی خلافت کے زمانے میں کچھ مدت کے واسطے بصرہ کا عامل رہا، پھر یہ عہدہ حارث ابن عبداللہ ابن ابی رابعہ کو مل گیا ۔ سنہ ۶۷ھ میں عمر فارس کا عامل بنا، جہاں حضرت مصعب ابن زبیر نے اس کو خوارج کے خلاف بھیجا تھا ۔ یہ مہم کامیاب ثابت نہ ہوئی ۔ بالآخر وہ بنو امیہ کے تابعین میں شامل ہو گیا ۔ سنہ ۷۳ھ میں وہ بحرین کی مہم پر بھیجا گیا ۔ عمر کے سکے سنہ ۶۷ھ سے سنہ ۷۰ھ تک کے ملتے ہیں ۔

ٹکسالوں پر نوٹ

معلوم ہوتا ہے کہ ساسانیوں میں دار الضربوں کے اسمار کا مکمل شکل میں نہیں بلکہ مخفف شکل میں لکھے جانے کا دستور قائم تھا، یعنی دار الضرب کے نام کے صرف ابتدائی حروف درج ہوتے تھے ۔ عربوں نے اپنے دور میں اس روایت پر بھی عمل کیا ۔ اس عہد کے لوگوں کے لئے ان مخفف ناموں کا معلوم کرنا کوئی دشوار امر نہیں تھا ۔

لیکن فی زمانہ یہ نام، جن کا اکثر حصّہ حذف شدہ ہے، سخت دشواری کا موجب بنے ہیں۔ مغربی محققین نے بڑی جد و جہد اور تلاش و تحقیق کے بعد ان ٹکسالوں کے پورے نام دریافت کئے ہیں۔ بعض ایسی ٹکسالیں بھی ہیں، جو اس وقت تک عقدۂ لاینحل ثابت ہوئی ہیں۔ میرا مقصد مثالوں سے زیادہ واضح ہو سکتا ہے۔

مثلاً 'اط' سے مقصد اصطخر ہے۔ 'اہم' سے مراد ہمدان ہے۔ 'ب ی ش' بیشاپور ہے۔ 'ب ل ح' بلخ ہے۔ 'دا' داراب جرد۔ 'م ر' مرو۔ 'ن ہ' نہاوند۔ 'ر ئ' رے۔ 'ش ی' الشیرجان۔ 'س ک' سکستان (سیستان) اور 'زر' زرنج ہے۔

یہ وہی دار الضرب ہیں، جو میرے مجموعے میں موجود ہیں اور جن کی فہرست آگے آتی ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے ایران کے نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ بلخ اور مرو صوبہ خراسان میں، اصطخر، بیشاپور، اردشیر خرہ اور داراب جرد، فارس میں، رے ہمدان اور نہاوند جبال میں، الشیرجان کرمان میں اور السوس خوزستان میں واقع ہیں۔ بعض ایسی ٹکسالیں ہیں جن کی سراغرسانی سے میں عاجز ہوں۔ نہ وہ مسٹر جان واکر کی ٹکسالوں کی فہرست میں شامل ہیں۔ مثلاً 'سار' جو میرے خیال میں پہلوی خط نہیں ہے، اگرچہ وہ کوفی سے ملتا جلتا ہے لیکن کوفی بھی نہیں ہے۔ ایک اور نامعلوم ٹکسال 'س' ہے، جو واکر کے ہاں بھی درج نہیں۔ اسی طرح ایک ٹکسال 'لا' نامعلوم ہے۔ 'ٹ' ایک اور دار الضرب ہے جو 'ب ج' معلوم ہوتی اور واکر کی فہرست میں درج ہے لیکن وہ اس پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکے۔

پہلوی خط کی اشکال

یہ امور پہلوی خط کی اشکال کی طرف ہماری توجہ مبذول کرتے ہیں۔ اس زبان میں کلہم سولہ حروف ہیں۔ جن کے ذریعے سے عربی کی اٹھائیس اصوات ادا کی گئی ہیں۔ یہ امر بجائے خود پیچیدہ اور پریشان کن ہے، اس پر طرّہ یہ کہ جب مفردات کو مرکب شکل میں لکھا جاتا ہے، حروف کا وصل بے قاعدہ صورت میں کیا جاتا ہے، جس سے ہماری دقت اور بھی المضاعف ہو جاتی ہے۔ ہم میں فی زمانہ ایک ایسی آسان پسند جماعت پیدا ہو گئی ہے، جس پر عربی حروف کی مرکباتی صورت بے حد گراں گزرتی ہے۔ اگر وہ پہلوی کی بے قاعدگیاں دیکھیں گے تو خدا جانے کیا کہیں گے۔ پہلوی میں 'سین' جو ہمارے شین کے مطابق ہے۔ کبھی 'ش' ہے، کبھی

اُس، کبھی سُسی، کبھی دُس، اور کبھی سُد ہے۔ اسی طرح "۳" "اَوْ"، "ہوْ"، "اَن"، "ہن"، "اَز" اور "ہز" کی آوازیں دیتا ہے۔ اگر ہم کسی پہلوی فرہنگ کی ورق گردانی کریں تو معلوم ہوگا کہ صرف ایک ہی کلمہ، جو سہ حرفی ہے، مختلف آوازیں اور مختلف معنی دیتا ہے۔ یعنی اسی ایک شکل سے بیسیوں لفظ بن جاتے ہیں، جو صوت اور معنوں میں بالکل متغائر ہیں۔

پہلوی کے بعض مفردات، کوفی کے مفردات سے ملتے جلتے ہیں۔ مثلاً ب، ہ، د، ش، ط، ل، م، ن، تو تقریباً مطابق ہیں۔ پہلوی بھی عربی کی طرح راست سے چپ کی طرف لکھی جاتی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ پہلوی کے نصف حروف کوفی کے ساتھ مل رہے ہیں لیکن تحریر میں حرفوں کے جوڑنے میں بے ضابطگی ہماری نگاہ میں اسے زیادہ ڈراؤنا بنا دیتی ہے۔ اس میں ایک حد تک اس خط کے ساتھ ہماری عدم مزاولت شامل ہے۔

عرب والیوں کے مسکوکات میں پہلوی اور عربی کے علاوہ کم از کم دو قسم کے اور خط یا ان کی علامات ملتی ہیں۔ پہلا خط غالباً "ہیطلی" یا "ہیتالی" ہے، جو ماوراءالنہر میں رائج تھا۔ عرب "ہیطل" سے مراد تمام بلاد ماوراءالنہر لیتے ہیں، جن میں بخارا، سمرقند و خجند و دیگر بلاد ترکستان شامل ہیں۔ شاہنامہ میں "ہیتال" ایک قوم کے نام کی حیثیت سے آرہا ہے۔ نوشیرواں کے حالات میں فردوسی نے ایک داستان "در رزم خاقان با غاتقر سالار ہیتالاں" لکھی ہے، جو اس شعر سے شروع ہوتی ہے:

کنوں رزم خاقان و ہیتال گیر   چو رزم آمدت پیش گوپال گیر

فردوسی غاتقر کا دارالسلطنت بخارا بتاتا ہے۔

ہیطلی سکوں کے نمونے میرے پاس نہیں ہیں۔ البتہ بعض سکوں پر ہیطلی دارالضرب کی تصدیقی علامت موجود ہے۔ بعض مہریں ہیں جن پر یہ خط درج ہے۔ جان واکر نے چار سکے، جو پہلوی، ہیتلی اور عربی خطوں میں ہیں، اپنی فہرست میں دیئے ہیں۔

ان سکوں کی دیگر خصوصیات میں کہا جاتا ہے کہ جس قدر کلمے آتے ہیں، سب کے سب رخ کی طرف، جدھر بادشاہ کی تصویر ہے، دائرے سے باہر حاشیے پر درج ہیں۔ صرف نمبر ۵۹ مستثنیٰ ہے، جس میں سکے کی پشت پر حاشیے میں "ضرب بالمشرق" ملتا ہے۔ ان سکوں میں یہ عربی الفاظ ملتے ہیں:

۱- "بسم اللہ": نمبر ۵۱، ۵۸، ۶۰، ۶۳، ۶۶، ۶۷ اور ۷۳۔

۲- "بسم اللہ ربی": نمبر ۶، ۱۰، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۳، ۵۴، ۵۶ اور ۶۴۔

۳- "للہ": نمبر ۲۔

۴- "للہ الحمد": نمبر ۶۱۔

۵- "اللہ ولی عوز": نمبر ۵۳ اور ۵۴

۶- "جائز": نمبر ۹۴ (بعد میں ٹکسال والوں نے تصدیق میں لگایا ہے)۔

۷- "(؟) للہ": نمبر ۵۵، ۵۷ اور ۵۹۔

۸- "ضرب بالمحرق": نمبر ۵۴۔ (جان واکر اس کو ضرب بالمشرق پڑھتے ہیں مگر میرے ہاں میم کے بعد صاف 'جیم' یا 'خ' ہے)۔

۹- "~۱~ے": یہ عربی نہیں ہے، شاید پہلوی ہو۔ جان واکر کی فہرست میں (نمبر ۱۸، پلیٹ 2 II پر) اس کی شکل کسی قدر مختلف ہے یعنی آخری حرف جو انگریزی ڈبلیو معلوم ہوتا ہے، ان کے ہاں انگریزی این کے ہم شکل ہے۔ یعنی "~۱ح"۔ اس علامت سے کیا مراد ہے، میں نہیں جانتا۔ بہرحال یہ علامت اصلی ہے نہ وصلی، یعنی بعد میں کسی نے نہیں بنائی۔ ایسی علامت پشت پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتی ہے کیونکہ ٹھپے کا اثر دوسری جانب سطح کے اُبھر جانے سے نمودار ہو جاتا ہے۔

ذیل میں بعض ٹکسالی جائزوں کی علامتوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۰- "ال لور+": نمبر ۵۵، ۵۷ اور ۵۹۔ لیکن نمبر ۴۶ پر زیادہ واضح ہے جہاں بشکل "ال لورق" ہے۔ اگر اس کو عربی مانا جائے تو 'البرزخ' یا 'البرزین' پڑھ سکتے ہیں لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ یہ عربی نہیں ہے، اگرچہ اس کے مشابہ ضرور ہے۔ یہ دار الضرب کی تصدیقی علامت ہے۔ مسٹر واکر کے ہاں اس کا نمبر ۳۵ ہے۔

۱۱- سکہ نمبر ۶۲ پر دو جائزوں کی علامت ہے۔ ان جائزوں کا نمبر واکر کے ہاں ۱۴ اور ۳۴ ہے۔

۱۲- سکہ نمبر ۶۰ پر ایک حیوانی چہرے کی علامت ہے، جو واکر کے ہاں نمبر ۲ سے ملتا جلتا ہے۔

۱۳- سکہ نمبر ۲۶ پر پرندے کی شکل کی علامت۔

۱۴۔ سکہ نمبر۲ پر علامت 'م ح' جو مسٹر واکر کے جائزوں کی علامات میں شامل نہیں۔

۱۵۔ سکہ نمبر۳، پر علامت مثل چہرۂ خوک۔ یہ علامت مسلمانی نہیں ہو سکتی۔

چند الفاظ ان سکوں کی تاریخوں کے متعلق بھی کہنے چاہیئیں، جن کی ترتیب فارسی ترتیب کے برعکس ہے۔ اور عربی کے مطابق ہے۔ فارسی میں عشرات احاد سے پہلے آتے ہیں مثلاً بست و پنج، سی و ہفت، چہل و یک وغیرہ، لیکن ان سکوں پر لکھا ہے: 'پنج وست'، 'ہفت سہ' اور 'یا چہل'۔

تاریخیں چونکہ مختلف سنوں میں دی گئی ہیں' اس لئے ان کی شناخت کے واسطے عمال کے حالات اور ان کے تاریخی واقعات کے ساتھ، ان تاریخوں کو تطابق دینا نہایت ضروری ہے۔ مثال میں سکستان (سیستان) کے سکہ نمبر ۶۳ سنہ ۲۰ کو لیجئے۔ بقول صاحب 'تاریخ سیستان' یہ ملک سنہ ۳۰ھ میں ربیع بن زیاد بن اسد الزیال کے ہاتھ پر فتح ہوتا ہے، اس لئے اس سکے کا سنہ ۲۰ ہجری نہیں مانا جا سکتا بلکہ یزدجردی جو سنہ ۳۱ھ کے مطابق ہے۔ گویا یہ سکہ سیستان کے تعلق میں نہایت قدیم ہے یعنی جس سال سیستان فتح ہوا، اس کے بہت جلد بعد ضرب ہوا۔ عبداللہ ابن عامر کا سکہ ضرب داراب جرد سنہ ۴۱، جس کا نمبر ۶۶ ہے، اس مجموعے میں موجود ہے۔ اس سنہ کو یزدجردی مانا جا سکتا ہے، جو سنہ ۵۲ھ کے مطابق ہو گا۔ لیکن سنہ ۵۲ھ میں عبداللہ ابن عامر یہ سکہ نہیں لگا سکتا کیونکہ وہ سنہ ۴۴ھ میں معزول ہو چکا ہے اس لئے ہمیں اس سنہ کو ہجری ماننا ہو گا۔ تاریخ سے ہمیں معلوم ہے کہ حضرت معاویہ نے سنہ ۴۱ھ میں اس سردار کو دوبارہ ایالتِ بصرہ پر مقرر کیا تھا۔ چنانچہ یہ سکہ اسی سال کی یادگار ہے۔

عرب ساسانی سکوں کا یہ سلسلہ حضرت عثمان کے عہد سنہ ۳۱ھ مطابق سنہ ۲۰ یزدجردی سے شروع ہو کر سنہ ۸۳ھ پر ختم ہوتا ہے۔ ان سکوں میں زیادہ قدیم وہی ہیں جو خسرو پرویز اور یزدجرد کے نام پر لگائے گئے ہیں۔ بعد میں عرب والیوں کا نام بالعموم درج ہوتا ہے۔ چونکہ اصل پہلوی سکوں کا نقل کیا جانا وقت طلب ہوتا، اس لئے میں نے ان کی عبارت کو اردو رسم الخط میں منتقل کر دیا ہے۔ مکمل فہرست ذیل میں درج ہے۔ اس فہرست کی تیاری میں میں نے مسٹر جان واکر کی فہرست سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں ان سکوں کو تاریخی ترتیب میں پیش نہ کر سکا۔ فہرست پہلے سے تیار تھی، اس کی

روشنی میں یہ تمہید تحریر ہوئی۔ اس موقعہ پر ترتیب کے بدلنے سے نہ صرف فہرست بلکہ تمہید کو بھی دوبارہ لکھنا پڑتا۔

فہرست عربی، ساسانی مسکوکات

رخ — پشت

(۱)

رخ: دوہرے دائرے میں نیم تنہ، نیم رخی تصویر، شاہی چہرہ، ریش دار، گھنگھریالے بال، پشت پر گچھے دار پھولے پھولے پٹے۔ گلے میں کنٹھا، کنٹھے کے وسط میں دو موتی فاصلے سے آویزاں۔ دوہرے موتیوں کا ہار گردن میں، جس کا زیریں حصہ دائرے کی آڑ میں، کندھوں پر دو طرفہ ستارہ دار ہلال، تین موتیوں کا مثلث نما گوشوارہ۔ سر پر تاج، تاج پر مروارید کی دوہری لڑی، تاج کے وسط سے ہما کے شہپر اُبھر کر دو طرفہ سایہ افگن، جن کے درمیان ستارہ دار بڑا ہلال۔ بائیں شہپر کے نیچے، تاج کے برابر، چھوٹا ستارہ والا ہلال۔ اس کے ساتھ چہرے کے سامنے دائیں سے بائیں جانب، بخط پہلوی بادشاہ کا نام "خُسرویؒ" (خسرو پرویز)۔ دائیں شہپر کے نیچے ستارہ۔ اس کے ساتھ عبارت "افزوت گدہ" (افزوں باد ملک)۔

پشت: سہ خطی دائرے کے عین وسط میں مقدس آگ کا مجمر، پیل پایوں پر نمودار، بھڑکتے شعلے۔ مجمر کے دائیں بائیں دو ملازم استادہ۔ شعلوں کے بالائی حصے میں دائیں بائیں چھوٹے ہلال۔ دائرے کے دائیں ضلع میں بخط پہلوی دارالضرب کا نام "ب ی ش" (بیشاپور)۔ بائیں ضلع میں پہلوی حروف میں تاریخ "چہار چہل" (چہل و چہار)، سنہ ۴۴ھ بیرون دائرہ، رخ کی طرح مساوی فاصلوں پر چار ستارے والے ہلال[1]۔

---

[1] ۔ ناظرین کی سہولت کے واسطے میں نے یہ تفصیلی صراحت دے دی ہے۔ باقی اس کے جزوی اختلاف کے ساتھ اسی انداز اور نمونے کے سمجھنے چاہئیں۔ اس لئے ہر سکّے کی طویل صراحت کی ضرورت نہیں۔

بیرون دائرہ چار ستارہ دار ہلالوں کے ذریعہ
سے حاشیہ، چار مساوی ضلعوں[2] راست، چپ،
بالا و پائیں میں منقسم۔ راست و پائیں ہلالوں کے
درمیان پہلوی میں "افد"[1] (آفرین) مرقوم۔

---

(۲) نیم رخی تصویر، بائیں کندھے پر ہلال، تاج کے دونوں طرف ستارے، بادشاہ کا نام "ہسروے" (خسرو) "افزوت گدہ"
حاشیہ: بالا و راست ہلالوں کے مابین جائز کی علامت "مم"۔ راست و پائیں کے درمیان "اللہ"۔

آگ کے دائیں ہلال، بائیں ستارہ۔ دائیں ملازم کے سر پہ دوہرا ہلال، بائیں ملازم کے سر پہ ستارہ دار ہلال۔
دار الضرب: "درت" = اردشیر خرہ۔
تاریخ: "سہ" = سی، سنہ ۳۰ (سنہ ۴۱ھ)

---

(۳) "ہسروی" (خسرو)۔ تاج شاہی کی سیدھی طرف ستارے والا ہلال، الٹی طرف ستارہ۔
حاشیہ: مابین راست و پائیں ہلال[2] "افد" (آفرین)

دونوں ملازموں کے سر پہ ہلال۔ دار الضرب: "ض ط" = اصطخر۔
تاریخ: "پنج سہ" (سی و پنج) سنہ ۳۵۔

---

(۴) "ہسروے" (خسرو)۔ "افزوت گدہ"۔ (اپنے

مقدس آگ کی دائیں طرف ہلال، بائیں طرف

---

[1] "افد" والے سکوں کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض محققین ان کو عرب ساسانی تسلیم کرتے ہیں۔ مسٹر واکر ساسانی کہتے ہیں لیکن "افد" عرب مسکوکات پر بھی موجود ہے، اگرچہ قلت کے ساتھ ملتا ہے۔

[2] حاشیہ بہ اعتبار چہار ہلال چار قطعوں یا ضلعوں میں اس طرح منقسم ہے۔ (۱) ضلع مابین بالا و راست، (۲) مابین راست و پائیں، (۳) مابین پائیں و چپ اور (۴) مابین چپ و بالا۔ بغرض اختصار میں آئندہ ان ضلعوں کا نام لینے کے بجائے ان کے نمبر شمار سے کام لوں گا۔

کندھے پر ہلال)۔ ستارہ۔

حاشیہ، ضلع دوم میں "افد"۔ دارالضرب: "ص ط" = اصطخر۔

تاریخ: "نوح وست"۔ سنہ ۲۹۔

---

(۵) "ہسروے" (خسرو) "افزوت گدہ"۔ تاج کے دائیں ستارہ والا ہلال، بائیں ستارہ۔ دونوں ملازموں کے سر پر ستارہ دار ہلال۔

دارالضرب: "ر د" = رے۔ تاریخ: سہ سنہ ۳۰۔

---

(۶) "ہسروے" (خسرو) "افزوت گدہ"۔ آگ کے دائیں ستارے والا ہلال، بائیں ستارہ۔

حاشیہ: ربع دوم "بسم اللہ" دارالضرب: "ب ی ش" = بیشاپور۔

ربع سوم "ربی" تاریخ: "پنج سہ"، سنہ ۳۵ = سنہ ۴۶ھ۔

---

(۷) "ہسروے" (خسرو) آگ کے دائیں ہلال، بائیں ستارہ۔ ملازموں

"افزوت گدہ"۔ کے سر پر ہلال۔

حاشیہ: ربع دوم "افد"۔ دارالضرب: "و ی ر" = السوس۔

تاریخ: "نوح وست"، سنہ ۲۹۔

---

(۸) "ہسروے" (خسرو) آگ کے دائیں ہلال، بائیں ستارہ۔

"افزوت گدہ"۔ موتیوں کے کنٹھے میں تین دارالضرب: "ش ی" = الشیرجان۔

مثلث نما بڑے موتی۔ تاریخ: شش وست = بست وشش۔

حاشیہ: ربع دوم "افد"۔ سنہ ۲۶۔

"ہسروے" (خسرو)، "افزوت گدہ"۔ تاج کے دائیں ستارے دار ہلال۔ بائیں ستارہ خورد۔

(9) ملازموں کے سر پہ ہلال۔
دارالضرب: "ن ی" = نہاوند۔
تاریخ: دوج سہ = سی و دو (سنہ ٣٢)۔

"ہسروے" (خسرو)، "افزوت گدہ"۔
حاشیہ: ربع دوم "بسم اللہ"
ربع سوم "ربی"

(10) دارالضرب: "ب ی ش" = بیشاپور
تاریخ: چہر سہ = سی و چہار
سنہ ٣٤ = (سنہ ٤٥ھ)

"ہسروے" (خسرو)، "افزوت گدہ"۔
بائیں کندھے پر ستارے دار ہلال۔

(11) دارالضرب: "ب ل ہ" = بلخ۔
تاریخ: "سہ" = سی سنہ ٣٠۔

"ہسروے" (خسرو) "افزوت گدہ"۔ بائیں کندھے پر ستارے دار ہلال اور موتیوں کے ہار کے قریب ایک اور ستارے دار ہلال۔

(12) دارالضرب: "ب ل ہ" = بلخ۔
تاریخ: "نوج وست" = بیست و نہ
سنہ ٢٩۔

"ہسروے" (خسرو)
"افزوت گدہ"۔

(13) دارالضرب: "ا ہ م" = ہمدان۔
تاریخ: "سہ" = سی سنہ ٣٠۔

"ہسروے" (خسرو)، "افزوت گدہ"۔
دونوں کندھوں پر سامنے کی طرف ہار سے باہر ستارے دار ہلال۔ دائیں کندھے پر ایک اور ہلال۔

(14) دارالضرب: "ب ل ہ" = بلخ۔
تاریخ: "دوج سہ" = سی و دو
سنہ ٣٢۔

"ہسروے" (خسرو) (۱۵) دارالضرب: بلخ۔
"افزودت گدہ"۔ تاریخ: "پاج سہ" = سی ویک (سنہ ۳۱)۔

"ہسروے" (خسرو) کنٹھے سے نیچے دو موتی، (۱۶) دارالضرب: "رد" = الرے
فاصلے پر لٹکتے ہوئے۔ "افزودت گدہ"۔ تاریخ: شش دست = بست وشش (سنہ ۲۶)۔

"ہسروے" (خسرو) (۱۷) دارالضرب: "سے"؟ (بخط پہلوی)
"افزودت گدہ"۔ تاریخ: "پاج سہ" = سی ویک (سنہ ۳۱)۔

ایضاً۔ (۱۸) دارالضرب: بلخ
تاریخ: "نوج دست" = بیست ونہ (سنہ ۲۹)۔

ایضاً۔ (۱۹) دارالضرب: بلخ
تاریخ: "ہفت دست" (سنہ ۲۷)۔

ایضاً۔ (۲۰) دارالضرب: "ص ط" = اصطخر۔
دائیں کندھے پر ہلال۔ تاریخ: ہفت سہ = سی وہفت (سنہ ۳۷)

"ہسروے" (خسرو) (۲۱) دارالضرب: "ما ے (ن ک)" = نہاوند۔
"افزودت گدہ"۔ تاریخ: "ہفت سہ" = سی وہفت۔
(سنہ ۳۷)۔

"ہسروے" (خسرو) (۲۲) دارالضرب: "ن ہ" = نہاوند
"افزوت گدہ"۔ تاریخ: "یاج سہ" = سی ویک (سنہ ۳۱)

ایضاً۔ (۲۳) دارالضرب: بلخ۔
تاریخ: "سہ" = سی (سنہ ۳۰)

ایضاً۔ (۲۴) دارالضرب: "ۃ ہ م" = ہمدان
تاریخ: "ہشت سہ" = سی وہشت (سنہ ۳۸)۔

ایضاً۔ (۲۵) دارالضرب: "ٹ" = ب ج ؟
تاریخ: "ہفت سہ" = سی وہفت (سنہ ۳۷)۔

ایضاً۔ ربع دوم میں جائز کی علامت (۲۶) دارالضرب: "ے سی" = ن ہ = نہاوند۔
بشکل چہرۂ موش۔ تاریخ: "پنج وسہ" = سی وپنج (سنہ ۳۵)

"ہسروے" (خسرو) (۲۷) دارالضرب: نہاوند
"افزوت گدہ"۔ تاریخ: مثل نمبر ۲۶۔

ایضاً۔ (۲۸) دارالضرب: "ۃ ہ م" (ہمدان)
تاریخ: دواج سہ = سی ودوم (سنہ ۳۲)

"ہسروسے" (خسرو) (۲۹) دارالضرب: "نہہ" = ن ہ = نہاوند۔
"افزودت گدہ"۔ تاریخ: "دوج سہ" = سی ودو

ایضاً۔ (۳۰) دارالضرب: "دہ" = داراب جرد۔
ربع دوم میں "افد"۔ تاریخ: "ہفت سہ" = سی وہفت (سنہ ۳۷)

ایضاً۔ (۳۱) دارالضرب: نہاوند۔
تاریخ: مثل نمبر ۲۶۔

ایضاً۔ (۳۲) دارالضرب: السوس۔
ربع دوم میں "افد"۔ تاریخ: ہفت سہ = سی وہفت (سنہ ۳۷)

ایضاً۔ (۳۳) دارالضرب: "ارت" = اردشیر خرہ۔
تاریخ: "پنج سہ" = سی وپنج (سنہ ۳۵)

ایضاً۔ (۳۴) دارالضرب: "س"؟
تاریخ: "پنج سہ" = سی وپنج (سنہ ۳۵)

ایضاً۔ (۳۵) دارالضرب: ہمدان۔
تاریخ: مثل نمبر ۲۴۔

"ہسروے" (خسرو)، "افزودت گدہ"۔ (۳۶) دارالضرب و تاریخ مثل نمبر ۳۲۔

ایضاً۔ (۳۷) دارالضرب: "زر" = زرنج۔

دائیں کندھے پر ہلال۔ ربع دوم میں "افد"۔ تاریخ: "پنج وست" = بست و پنج (سنہ ۲۵)

"ہسروے" (خسرو) "افزودت گدہ"۔ (۳۸) دارالضرب: نہاوند۔

ربع اوّل میں علامت جائزہ "ٮٮٮ"۔ تاریخ: "یاج سہ" = سی و یک (سنہ ۳۱)

"ہسروے" (خسرو) (۳۹) دارالضرب: ہمدان

"افزودت گدہ"۔ تاریخ: "ہشت وست" = بست و ہشت (سنہ ۲۸)

ایضاً۔ (۴۰) دارالضرب: اصطخر۔

ربع دوم میں "افد"۔ تاریخ: "ہفت سہ" = سی و ہفت (سنہ ۳۷)

"ہسروے" ۔ "افزودت گدہ"۔ (۴۱) دارالضرب: اصطخر

تاریخ: "چہار سہ" = سی و چہار (سنہ ۳۴)

---

(۴۲) دارالضرب: داراب جرد۔

ایضاً۔ تاریخ: "ہشت سہ" (سنہ ۳۸)

ایضاً۔ (۴۳) دارالضرب: ہمدان۔ تاریخ: "سہ" (سنہ ۳۰)

"ہسروے"۔"افزدت گدہ"۔ (۴۴) دارالضرب: "الرے"
تاریخ: "سہ" (سنہ ۳۰)

ایضاً (۴۵) دارالضرب: نہاوند۔
تاریخ: "ہشت سہ" (سنہ ۳۸)

ایضاً (۴۶) دارالضرب: زرنج۔
دائیں کندھے پر ہلال۔ تاریخ: "ہفت [سہ]"؟ (سنہ ۳۷)

ایضاً۔ (۴۷) دارالضرب: بلخ۔
تاریخ: مثل نمبر ۱۴۔

"ہسروے" (خسرو)۔"افزدت گدہ"۔ (۴۸) دارالضرب: "س ک" = سکستان (سیستان)
ربع دوم میں "بسم اللہ"۔ ربع سوم میں "ربی"۔ تاریخ: "ہشت جہل" = چہل وہشت (سنہ ۴۸)

"ہسروے"۔"افزدت گدہ"۔ (۴۹) دارالضرب: سک (سیستان)
ربع اوّل میں علامت جائزہ "ک ۲"۔ ربع دوم "بسم اللہ"۔ ربع سوم "ربی"۔ ربع چہارم "عاس" (جائز) تاریخ: "ہشت وست" = بیست وہشت۔ (سنہ ۲۸)

"ہسروے"۔"افزدت گدہ"۔ ربع اوّل میں (۵۰) دارالضرب: سک (سیستان)۔ تاریخ: "...جہل"۔
"سہ ایک" (علامت) ربع دوم "بسم اللہ" ربع سوم "ربی"۔ (سنہ ۴۹؟)۔ داکائی زنگ میں غائب)

"مسلم زیاتان" (مسلم بن زیاد)
"افزودت گدہ"۔ ربع دوم میں "بسم اللہ"۔

(۵۱) دارالضرب: "م رو" = (مرو)
تاریخ: "سہ شصت" = شصت وسہ (سنہ ۶۳ھ)

"ہسروے"۔ "افزوت گدہ"۔
بائیں کندھے پر ستارے دار ہلال۔ دائیں
کندھے پر دو ستارے دار ہلال۔

(۵۲) دارالضرب: بلخ
تاریخ: "دوج سہ" = سی و دو (سنہ ۳۲)

"ہسروے"۔ "افزوت گدہ"۔
داہنے کندھے پر جلی ہلال۔ تاج کے دائیں بائیں
نہ ہلال نہ ستارہ۔
حاشیہ: ربع اوّل "اللہ ولی عوز"۔ ربع دوم
"بسم اللہ"۔ ربع سوم "ربی"۔

(۵۳) دارالضرب: "سک" = سیستان۔
تاریخ: "ہشت جہل" = چہل وہشت۔
(سنہ ۴۸ھ)

"ہسروے"۔ "افزوت گدہ"۔
داہنے کندھے پر جلی ہلال۔ تاج کے دائیں
بائیں ہلال و ستارہ ندارد۔
حاشیہ: ربع اوّل "اللہ ولی عوز"۔ ربع دوم
"بسم اللہ"۔ ربع سوم "ربی"۔

(۵۴) دارالضرب: "سک" = سیستان
تاریخ: ... جہل = ۴؟
(اکائی مٹ گئی ہے)
حاشیہ: ربع دوم "حدب مالعمدو"۔

"طلحۃ عبداللہ"۔ "افزوت گدہ"۔
حاشیہ: ربع اوّل = "ہ ال ۲ر۲"

(۵۵) دارالضرب: س ک = سیستان
تاریخ: "ششست" = شصت وشش (سنہ ۶۶ھ)

(علامت جائز) ربع دوم "طلحہ - لله" -
ہلال - پائیں "؛ * ؛" -

"ہمسروے" - "افزودت گدہ" - (۵۶) مثل نمبر ۴۸ بالا -
ربع دوم: "بسم اللہ" - ربع سوم: "ربی" -

"طلحہ عبداللہ" - "افزودت گدہ" - (۵۷) دارالضرب و تاریخ مثل نمبر ۵۵ بالا -
حاشیہ: ربع اول "لول ۲ ر ۲" (علامت جائز)
ربع دوم "طلحہ لله" - ربع سوم: "؛ * ؛" -

"عبیت اللہ زیاتن" (عبیداللہ بن زیاد) (۵۸) دارالضرب: سک (سیستان)
"افزودت گدہ" - تاریخ: "شش پنجہ" = پنجاہ و شش (سنہ ۵۶ھ)
حاشیہ: ربع دوم "بسم اللہ" - "*" قریب
ہلال پائیں -

"طلحہ عبداللہ" - "افزودت گدہ" - (۵۹) دارالضرب و تاریخ مثل نمبر ۵۵ بالا -
حاشیہ: ربع اول: "ل وُ ر د" - ربع دوم:
"طلحہ لله" - ربع سوم "؛" قریب ہلال پائیں -

"عبیداللہ زیاتن" - "افزودت گدہ" - (۶۰) دارالضرب: سک (سیستان)
کندھے اور بازو کے جوڑ پر دونوں طرف ستارے اور تاریخ: شش پنجہ (سنہ ۵۶ھ)

ہلال۔ جائزہ کی علامت مثل نمبر۲۔ در فہرست واکر

ربع اوّل: "بسم اللہ"۔ ربع دوم:

"عمر عبید اللہ"۔ "افزوت گدہ"۔ (۶۱) دارالضرب: "ب ی ش" (بیشاپور)

ربع دوم: "للہ الحمد:" تاریخ: "ہفتات" = ہفتاد (سنہ ۷۰ھ)

"عبید اللہ ہزمن" (عبد اللہ ابن خازم) (۶۲) دارالضرب: مرد

"افزوت گدہ"۔ تاریخ: "شش شعت" = شعت وشش۔

ربع دوم: علامت جائز نمبر ۱۴ و ۳۱ و ۴۳ (سنہ ۶۶ھ)

در فہرست واکر۔ ربع سوم: "ب" قریب ہلال زیریں۔

"یزکرت" (یزدجرد) "افزوت گدہ"۔ (۶۳) دارالضرب: سک (سیستان)

ربع دوم: "بسم اللہ" تاریخ: "وست" = بست (سنہ ۲۰)

"ہسروے" (خسرو)؟ "افزوت گدہ"۔ (۶۴) دارالضرب: سیستان۔

ربع اوّل: علامت جائز "ال ۲ ربع" نمبر ۳۵ تاریخ: "ششت" = شعت وشش (سنہ ۶۶ھ)

در فہرست واکر۔ ربع دوم: "بسم اللہ"۔ ربع سوم: "بی"۔

"ہسروے" (خسرو) "افزوت گدہ"۔ (۶۵) دارالضرب: نہاوند۔

ربع دوم: "افد"۔ تاریخ: "دوج سہ" = سی ودو (سنہ ۳۲)

"عبداللہ عامرن" (عبداللہ ابن عامر) (٦٦) دارالضرب: "دار" (داراب جرد)
"افزوت گدہ"۔ ربع دوم "بسم اللہ"۔ تاریخ: "یاجہل" = چہل ویک (سنہ ٤١ھ)
ہلال زیریں کے دائیں بائیں "..."

"عبداللہ امیر وُرُوْ اَشْنِکَن" (٦٧) دارالضرب: مرورت (مروالرود)
(عبداللہ امیر المومنین) "افزوت گدہ"۔ تاریخ: "پنج شصت" = شصت وپنج (سنہ ٦٥ھ)
ربع دوم: "بسم اللہ"۔

"ہسروے"۔ (٦٨) دارالضرب: الرے۔
تاریخ: سہ = سی (سنہ ٣٠)

"یزدکرت" (یزدجرد) "افزوت گدہ"۔ (٦٩) دارالضرب: سیستان
کان میں بندے، گلے میں دوہرا کنٹھا، کنٹھے تاریخ: "..سہ" (سنہ ؟-٣)
سے تین بندے کی قطع کے جواہرات آویزاں، (اکائی نہیں پڑھی جاتی)
دوہرا ہار۔

---

(٧٠) دارالضرب: الرے۔
تاریخ: ہفت سہ (سنہ ٣٧)

"یزدکرت" (یزدجرد) (٧١) دارالضرب: "مسادٗ" (؟)۔
کان میں بندا، دوہرا کنٹھا۔ کنٹھے سے تین جواہرات تاریخ: لا المطے (؟)

آدیناں - دوہرا ہار -

"زیارت ابوسفان" (زیاد ابوسفیان) (۷۲) دارالضرب : اصطخر

"افزوت گدہ" - تاریخ : "جہر پنجا [ہ]" = پنجاہ و چہار (سنہ ۵۴ھ)

ربع اوّل : علامت مثل خوک - ربع دوم :

"بسم اللہ" - ربع سوم : "ربی" -

"ہسروے" - "افزوت گدہ" - (۷۳) دارالضرب : سیستان -

ربع دوم : "بسم اللہ" - ربع سوم : "ربی" - تاریخ : "ہشت جہل" = چہل و ہشت -

(مثاہوا) (سنہ ۴۸ھ) -

"ہسروے" - "افزوت گدہ" - (۷۴) دارالضرب : بلخ -

تاریخ : "دُوج سہ" = سی و دو - (سنہ ۳۲ھ)

ایضاً - (۷۵) دارالضرب : بیشاپور -

ربع دوم : "بسم اللہ" - ربع سوم : "ربی" - تاریخ : پنج سہ (سنہ ۳۵)

"ہسروے" - "افزوت گدہ" - (۷۶) دارالضرب : مرو -

ربع دوم : "افد" - تاریخ : ہشت سہ (سنہ ۳۸)

"زیات ابوسفان" (زیاد ابوسفیان) (۷۷) دارالضرب : بیشاپور -

ربع دوم: "بسم اللہ" - ربع سوم: "ربی" - | تاریخ: "چہر پنجاہ" = پنجاہ و چہار (سنہ ۵۴ھ)

"زیاد ابوسفان" (زیاد ابوسفیان) | (۷۸) | دار الضرب: نہر تیرہ -
"افزوت گدہ" - ربع دوم: "بسم اللہ ربی" - | | تاریخ: "ائیک پنجا" = پنجاہ و یک (سنہ ۵۱ھ)

"ہسروے" - "افزوت گدہ" | (۷۹) | دار الضرب: الشیرجان -
ربع دوم: "حدی" (جید؟) | | تاریخ: صاف نہیں پڑھی جاتی -

"ہسروے" - "افزوت گدہ" | (۸۰) | دار الضرب: نہاوند
ربع دوم: "للہ" - | | تاریخ: "یاج سہ" = سی و یک (سنہ ۳۱)

"ہسروے" - "افزوت گدہ" | (۸۱) | دار الضرب: السوس -
ربع دوم: "بسم اللہ" | | تاریخ: ششش و شصت (سنہ ۶۶ھ)

"ہسروے" - "افزوت گدہ" | (۸۲) | دار الضرب: "ب ج" -
ربع دوم: "بسم" - | | تاریخ: مٹی ہوئی -

فہرست ختم ہوئی - اس فہرست کے بیاسی سکوں میں سے خسرو کے باسٹھ، یزدجرد کے تین اور والیانِ عرب کے تیرہ سکے ہیں۔ خسرو کے سکوں میں سے سولہ یقیناً مسلمانی ہیں - اس طرح مسلمانی سکوں کی کل تعداد بتیس ہوتی ہے - پچاس ایسے سکے ہیں، جن پر بظاہر کوئی مسلمانی علامت موجود نہیں لیکن احتمال یہی ہے کہ مسلمانی ہیں - مسٹر واکر نے تمام ایسے سکوں کو، جن پر کوئی مسلمانی علامت نہیں دیکھی جاتی، اپنی

فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ احتیاط اسی کی مقتضی ہے، مگر میرے نزدیک ہر سکے پر مسلمانی علامت کا ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً فہرست ہذا کے سکہ نمبرا، ضرب بیشاپور کو لیجئے، جو خسرو کے نام کا ہے اور کلمۂ "أفذ" کا بھی حامل ہے، جس کے لئے کہا گیا ہے کہ خسرو کے سکوں کے واسطے مخصوص ہے لیکن اس کی تاریخ ضرب "سنہ ۴۴" پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سکۂ ہذا خسرو کی ٹکسال کا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس نے صرف اڑتیس سال سلطنت کی ہے۔ یہ سکہ سنہ ۴۴ میں ضرب ہوتا ہے اس لئے لازماً اس کو مسلمانی عہد کی یادگار ماننا پڑے گا۔

اگر مسٹر واکر کی پیروی کی جاتے تو اس فہرست کے تمام ایسے سکے، جو سنہ ۳۸ سے قبل کے ہیں، خسرو کی ٹکسال کے مانے جائیں گے کیونکہ ان پر کوئی مسلمانی علامت موجود نہیں۔ اس نقطۂ نظر سے خسرو کے ۴۹ سکے ساسانی تسلیم کئے جائیں گے اور ان کا سن خسرو کا جلوسی سن سمجھا جائے گا۔

اگر ان کا سن یزدجردی مانا جاتا ہے تو تمام سکے اسلامی عہد کے مانے جائیں گے۔ اس عہد میں مسلمانوں نے سکوں پر یزدجردی سن اختیار کر لیا تھا۔ سنہ ۲۰ یزدجردی، یزدجرد کی وفات کا سال ہے، اس لئے اس تاریخ سے بعد کے تمام سکے مسلمانی شمار ہوں گے۔ ایک امر جو خسرو کے جلوسی سن کے نظریے کے مخالف اور یزدجردی سنہ کے حق میں ہے، یہ ہے کہ اس فہرست کے تمام سکوں پر تاریخیں سنہ ۲۰ سے بعد کی ہیں اور کوئی سکہ سنہ ۲۰ سے قبل کا شامل نہیں۔ یہ محض اتفاق نہیں ہے بلکہ دلیل ہے اس عقیدے کی کہ یہ سکے عہد مابعد یزدجرد کی پیداوار ہیں، لہٰذا مسلمانی۔ اگر خسرو پرویز کے عہد کے یادگار ہوتے تو ایک ایسے مجموعے میں، جس کی تعداد باسٹھ تک پہنچتی ہے، بھلا زیادہ نہ سہی چند سکے تو ایسے ہوتے جو خسرو پرویز کے ابتدائی سالوں یا اس کے عہد کے نصف اوّل سے تعلق رکھتے۔ اس لئے بحیثیت مجموعی ان کو اسلامی عہد کے تصور کرنا ہوگا۔

نمائش مخطوطات و مسکوکات

بسلسلۂ

روداد اجلاس سالانہ ادارۂ معارفِ اسلامیہ

مسکوکات

(از اورینٹل کالج میگزین - بابت نومبر سنہ ۱۹۳۳ء)

زیر نمائش مسکوکات کی تعداد تقریباً پانچ ہزار تھی جو تمام وکمال اکثر سلسلۂ سلاطین ہند وغیرہم کے طلائی و نقرئی و مسی سکوں پر شامل تھی۔ ان میں ایک سو سکے طلائی تھے، ساڑھے تین ہزار نقرئی اور باقی تانبے کے تھے۔ ان سکوں کی نمائش سے غرض یہ تھی کہ شائقین و اہل علم بیک وقت مسلمانی عہد کی ٹکسالوں کی ان شاندار خدمات کا تماشہ دیکھ لیں جو گذشتہ سات سو سال میں وہ ہندوستان کے مختلف صوبوں اور شہروں میں سرانجام دیتی رہی ہیں۔

سکہ شناسی درحقیقت تاریخ کا ایک نہایت اہم شعبہ ہے اور اس کی قدر و قیمت اور اہمیت معلوم کرنے کے لئے ہم کو تاریخ سے تفصیلی آگاہی اور واقفیت کی ضرورت ہے۔ تاریخ کی رہبری کے بغیر یہ فن ایک راز سربستہ رہتا ہے لیکن جہاں مسکوکات کی حقیقی قیمت معلوم کرنے کے لئے تاریخ کی ضرورت ہے، وہاں خود یہ فن تاریخی بیانات کی تائید و توضیح و ترمیم اور بعض اوقات تردید بھی کرتا ہے۔ اس کے ذریعہ سے ہماری معلومات میں نئے اضافے ہوتے ہیں اور ان کی روشنی میں نئے واقعات بھی دریافت ہوتے ہیں۔

ہندوستانی مسکوکات کا مطالعہ مقابلتہً ایک جدید فن ہے اور اس وقت تک جس قدر اس کے عالم اور شائق ہوتے ہیں، سب کے سب مغربی اصحاب ہیں۔ ہندوستان کے بہت کم لوگوں نے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا ہے اور ایک نہایت قلیل تعداد نے اس کی طرف توجہ کی ہے۔ مغربی اصحاب میں میسن کے عہد سے لے کر اب تک متعدد اہلِ قلم نے اس فن پر کام کیا ہے، جن میں ایڈورڈ طامس کو مجدد کا خطاب ملنا چاہیئے۔ طامس کے بعد ایک درجن کے قریب اور لوگ ہیں جو بہ حیثیت جامع یا بہ حیثیت فہرست نگار

اس موضوع میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ ان میں لین پول، راجرس، ایلس، نیلسن رائٹ، وہائٹ ہیڈ، ڈاکٹر کوڈرنگٹن، ڈاکٹر ٹیلر، برون، بلیزبی، وہائٹ کنگ وغیرہم ایسے نام ہیں جو کبھی فراموش نہیں کئے جا سکتے۔ ہندوستانیوں میں پروفیسر ہودی والا کا نام ہمیں نہایت احترام کے ساتھ لینا ہوگا۔ یہی ایک ایسے بزرگ ہیں، جو اس فن کی راہ و چاہ سے نہایت غیر معمولی شناسائی رکھتے ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اہلِ یورپ بھی ان کے تبحّر اور علمیت کو نہیں پہنچتے۔

گذشتہ ساٹھ سال میں مسکوکات پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور متفرق مضامین سے لے کر مستقل تالیفات تک موجود ہیں، لیکن اب تک کوئی مکمل کتاب یا فرہنگ اس مضمون پر وجود میں نہیں آئی ہے۔ مضامین کے سلسلے میں سب سے زیادہ قیمتی حصہ وہ ہے، جو بنگال ایشیاٹک سوسائٹی اپنے عالمانہ و محققانہ مجلّے کے ساتھ "مسکوکاتی ضمیمہ" کے نام سے شائع کرتی رہی اور کر رہی ہے۔ یہ مضامین نہایت عالمانہ ہیں اور واقف کاروں کے قلم سے نکلے ہیں۔ ان کی اطلاع مستند ہونے کے علاوہ جدید بھی ہے۔

گورنمنٹ نے شعبہ مسکوکات کو ٹریژر ٹروو ایکٹ (TREASURE TROVE ACT) کے ذریعہ سے بہت کچھ تقویت پہنچائی ہے اور ہندوستان کے ہر صوبے میں سرکاری عجائب خانوں میں یہ شعبہ بھی نہایت ضروری مانا گیا ہے اور اس میں ہر سال بذریعہ ٹریژر ٹروو ایکٹ یا بذریعہ خریداری نئے سکّوں کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ کلکتہ، لکھنؤ، لاہور اور دہلی میوزیم نے اپنے اپنے مجموعوں کی فہرستیں بھی شائع کردی ہیں۔

ہر سال نئے سکّے دریافت ہوتے ہیں اور ان سے ہمارا دائرہ اطلاع وسیع تر ہوتا جاتا ہے، لیکن گورنمنٹ ٹریژر ٹروو ایکٹ نے اس فن کو جہاں فائدہ پہنچایا ہے وہاں نقصان بھی پہنچایا ہے، وہ یوں کہ گورنمنٹ قانوناً ہر ایسے دفینے کی مالک بن جاتی ہے جو اتفاق سے زمین یا پرانی عمارات سے دریافت ہوں۔ چنانچہ ہر ایسے خزانے کی برآمد کی اطلاع پر پولیس دست اندازی کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصل دفینے کے دریافت کرنے والے کو اس غیبی عطیہ پر مالکانہ حقوق سے بے دخل کر کے تمام خزانہ بحق سرکار ضبط ہو جاتا ہے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دریافت کرنے والا، پولیس کو اطلاع ملنے سے قبل اس خزانے کو تلف کرنے کی کوشش میں مصروف ہو جاتا ہے اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے ان ذرائع سے کام

لیتا ہے جن سے یہ مسکوکات تلف ہوں ۔ اوّل تو وہ خود ہی گلا ڈالتا ہے ، اگر وہ خود نہیں کر سکتا تو صرّاف کو فروخت کر دیتا ہے اور یہ ہوشیار قوم، موقعہ کے خطرات کا جائزہ لے کر، ان کو گلا دیتی ہے اور نتیجہ یہ کہ اس سرکاری ایکٹ کی بنا پر آئے سال سینکڑوں نایاب اور نادر سکّے نہایت بے دردی کے ساتھ ہمیشہ کے لئے ضائع کر دیئے جاتے ہیں ۔ اس ایکٹ کی بنا پر سرکار اور رعایا میں ایک ختم نہ ہونے والی جنگ جاری رہتی ہے اور ہر فریق من مانی کارروائی کرتا ہے اور یہ کہنا شاید بے جا نہ ہوگا کہ ایک مقدار ان سکّوں کی جو ہر سال زمین اُگلتی ہے، دُنیا کو ان کا پتہ لگے بغیر ضائع ہو جاتی ہے ۔

ذیل میں ان سکّوں کی فہرست درج کی جاتی ہے جو ادارۂ معارف اسلامیہ کی نمائش میں رکھے گئے ۔

طلائی سکّے

دینار بنو امیّہ

سنہ ۱۰۰ھ ۔ یہ نہایت قدیم اور سادہ کوفی میں ہے ۔

بنو سامان

منصور بن نوح : سنہ ۳۶۴ھ

آل غزنہ

محمود غزنوی : نیشاپور سنہ ۳۹۴ھ ، ہرات

سنہ ۴۱۲ھ ، غزنہ

مسعود بن محمود : یک

مسعود ثانی : سنہ ۴۴۰ھ ۔ یہ ایک نہایت نایاب دینار ہے ۔

ابو شجاع فرخ زاد ، غزنہ دو عدد

ابراہیم بن مسعود : یک ۔

.....

آل غور

معز الدین محمد سام : ڈبل دینار ۔ سنہ ۶۰۲ھ ، غزنہ و سنہ عدد دیگر ۔ ایک ہندی سکّہ ۔

ایل خانی

اباقا خان : سنہ ۶۷۹ھ

خاندان غلاماں

ناصر الدین محمود : سنہ ۶۵۴ھ

غیاث الدین بلبن : سنہ ۶۶۸ھ

معز الدین کیقباد : یک

خلجی

جلال الدین فیروز شاہ : سنہ ۶۸۹ھ ، سنہ ۶۹۴ھ

علاء الدین محمد شاہ : سنہ ۷۰۷ھ

خسرو خاں نمک حرام : سنہ ۷۲۰ھ

تغلق

غیاث الدین تغلق: دیوگیر سنہ ۷۲۴ھ، دہلی سنہ ۷۲۵ھ، با کلمۂ المتوکل علی اللہ یک۔

محمد بن تغلق: بنام سلطان الشہید تغلق ۷۳۲ھ و ۷۳۳ھ، ضرب دہلی۔ سنہ ۷۲۶ھ و ۷۲۷ھ، نوع دیگر دہلی۔ سنہ ۷۲۷ھ، بنام ابو العباس احمد خلیفۂ مصر یک۔

بنام المستکفی ابو ربیع سلیمان۔

محمد تغلق کی وفات سندھ میں ہوتی ہے دہلی میں اس کے وزیر خواجۂ جہاں نے کسی مجہول النسب بچے کو سلطان مرحوم کا فرزند تسلیم کر کے تخت پر بٹھا دیا۔ چنانچہ اس نئی اشرفی پر اس کا نام یوں درج ہے: غیاث الدین محمود شاہ بن محمد شاہ سنہ ۷۵۲ھ۔ لیکن فیروز شاہ تغلق کی آمد پر وزیر کی پالیسی ناکام رہی۔

فیروز شاہ سلطانی: یک۔

سلاطین مالوہ

حسام الدین ہوشنگ شاہ: سنہ ۸۲۷ھ۔

علاء الدین محمود شاہ: یک۔

ابو الفتح غیاث شاہ: سنہ ۸۸۵ (۸۸۰ھ) سنہ ۸۸۱ھ (مربع) سنہ ۸۷۶ (مدور)

سلاطین دکن

شمس الدین محمد شاہ بن ہمایوں شاہ: سنہ ۸۶۸ھ، سنہ ۸۷۳ھ۔

سلاطین جونپور

شمس الدین ابراہیم شاہ: سنہ ۸۳۸ھ۔

یہ ایک نہایت اعلیٰ اشرفی ہے اور بالکل نایاب ہے۔ برٹش میوزیم میں اس طرز کی ایک اشرفی ہے، لیکن اس سے کوئی نسبت نہیں رکھتی۔

سلاطین سور

شیر شاہ سور: سہ عدد مدور و یک مربع۔

اسلام شاہ: یک (مدور)

سوریوں کی اشرفیاں نہایت کم یاب ہیں۔ اسلام شاہ کی صرف ایک اشرفی اب تک معلوم تھی اور یہ دوسری ہے۔

سلاطین مغلیہ

ہمایوں: سہ عدد۔

جلال الدین اکبر: اردو ظفر قرین سنہ الف (مربع)، ایضاً نصف، دارالخلافہ آگرہ سنہ ۹۷۱ھ، سنہ ۹۷۲ھ، سنہ ۹۸۱ھ، سنہ ۵۰ جلوس، پٹنہ سنہ ۹۸۶ھ (مربع)، جونپور سنہ ۹۷۵ھ، سنہ ۹۷۸ھ، دارالملک حضرت دہلی سنہ ۹۷۷ھ، لاہور سنہ ۹۷۰ھ۔ لاہوری ٹکسال

کی اشرفیوں میں یہ سب سے قدیم ہے۔ فتح پور سنہ ۹۸۱ھ ، (مربع)۔

جہانگیر: احمد آباد سنہ ۱۰۲۶ھ ، لاہور سنہ ۱۳ جلوس ۔

شاہجہان : اکبرآباد سنہ ۱۰۴۱ھ ، سنہ ۱۰۴۵ھ ، سنہ ۱۰۴۹ھ ، برہان پور سنہ ۱۰۶۸ھ ، دولت آباد سنہ ۱۰۵۰ھ ، شاہجہان آباد سنہ ۱۰۶۶ھ۔

عالمگیر: اٹاوا سنہ ۱۱۱۶ھ ، اکبرآباد سنہ ۱۰۹۱ھ سنہ ۴۶ جلوس ، اورنگ آباد سنہ ۱۰۷۲ھ ، سنہ ۱۰۸۷ھ خجستہ بنیاد سنہ ۱۱۱۲ھ ، دارالملک کابل سنہ ۳۷ جلوس ، ملتان سنہ ۱۰۷۶ھ ، بیجاپور سنہ ۱۱۰۹ھ۔

شاہ عالم بہادر ، برہان پور سنہ ۲ جلوس ، خجستہ بنیاد سنہ ۱۱۲۳ھ ، برہان پور سنہ احد۔

جہاندار شاہ : شاہجہان آباد سنہ ۱۱۲۴ھ ، ایضاً بطرز دیگر سنہ ۱۱۲۴ھ۔

فرخ سیر : اکبر آباد (نذری) ، سنہ ۱۱۳۰ھ ، شاہجہان آباد سنہ ۳ جلوس۔

شاہجہان ثانی : اکبرآباد سنہ ۱۱۳۱ احد (نذری)

محمد شاہ : اکبرآباد سنہ ۱۶ جلوس ۔

(نادر شاہ) : پشاور سنہ ۱۱۵۸ھ ۔

احمد شاہ بہادر : اکبر آباد سنہ ۱۱۶۴ھ۔ جے پور سنہ ۱۱۶۴ھ و سنہ ۱۱۶۵ھ (نذری)

عالمگیر ثانی : شاہجہان آباد سنہ ۲ جلوس ، ایضاً بطرز دیگر سنہ ۱۱۷۰ھ ، جے پور سنہ ۱۱۷۳ھ (نذری) ۔

شاہ عالم ثانی : شاہجہان آباد سنہ ۱۲۲۰ھ ، نجیب آباد سنہ ۱۶ جلوس ۔

محمد بہادر شاہ : سوائی جے پور سنہ ۱۲۵۴ احد۔

نقرئی سکے

ان سکوں میں نمونے کے واسطے بعض غیر اسلامی سکے بھی شامل کر لیے گئے ہیں، جو اسلامی سکوں کے ساتھ بالواسطہ تعلق رکھتے ہیں مثلاً :

(۱) یونانی سکے، جو افغانستان میں لگائے گئے۔

(۲) شاہانِ اشغانیہ کے ایرانی سکے ۔

(۳) ہندی سکے، جنہیں انگریزی میں "پنچ مارکڈ" (PUNCH MARKED) کہتے ہیں۔

(۴) ساسانی سکے، جو نوشیرواں اور خسرو پرویز کی تصویر کے حامل ہیں۔

(۵) عرب عمال کے سکے، جو ایران میں ساسانی مسکوکات کی تقلید میں لگائے گئے۔ ان میں وہ سکے بھی شامل ہیں، جن کے حاشیے پر لفظ

"بسم اللہ" بخطِ کوفی اضافہ کیا گیا ہے۔ دوسرا اقدام یہ ہوا ہے کہ عرب عمّال نے ان سکّوں سے شاہانِ ایران کا نام ہٹا کر اپنا نام درج کر دیا۔ بالآخر خلیفہ عبد الملک نے خاص اسلامی' درہم بخط کوفی لگائے۔ یہ تحریک سنہ ۷۵ھ سے شروع ہوتی ہے۔ اس مجموعے میں سب سے قدیم درہم سنہ ۹۰ھ سے تعلق رکھتا ہے۔ ان میں وہی قدیم اور سادہ وصاف کوفی ہے۔ خلیفہ کا نام ان پر درج نہیں ہوتا، صرف تاریخ اور ٹکسال ملتی ہے۔ اس مجموعے میں بنوامیہ کے درہم حسب ذیل ہیں،

ولید: واسط سنہ ۹۰ھ، سنہ ۹۳ھ و سنہ ۹۵ھ، داراب جرد سنہ ۹۳ھ، شابور (نیشاپور) سنہ ۹۵ھ۔

سلیمان: واسط سنہ ۹۷ھ۔

یزید دوم: واسط سنہ ۱۰۳ھ۔

ہشام: واسط سنہ ۱۰۵ھ، سنہ ۱۱۱ھ، سنہ ۱۲۳ھ، سنہ ۱۲۴ھ، سنہ ۱۲۵ھ۔

بنوعباس: اکثر سکّے دارالسلام (بغداد) سے، بعض سمرقند اور مکہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ بخوفِ طوالت تفصیل نظر انداز کر دی جاتی ہے۔

بنوفاطمہ مصر: صرف چند سکّے۔

بنوسامان: چند سکّے۔

آلِ غزنہ

ناصر الدین سبکتگین، یمین الدولہ محمود، محمد بن محمود، سلطان مسعود شہید، سلطان مودود وغیرہم کے کل سکّے ایک سو چالیس ہیں جن میں محمود کے سکّوں کی کثرت ہے۔ یہ سکّے اچھی حالت میں نہیں ہیں۔ ان کے حاشیے' جن پر تاریخ وٹکسال ہوتی ہے، اکثر کٹے ہوئے ہیں۔ جن پر ٹکسال ہے وہ غزنہ، بلخ و ہرات وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ محمودی سکّوں میں بعض قابلِ ذکر ہیں۔ پہلا ایک ذولسانی سکہ ہے جس میں ایک طرف سنسکرت اور دوسری طرف کوفی خط ہے۔ اس پر ٹکسال کا نام "محمود پور" ہے اور سنہ ۴۱۹ھ ہے۔ محمود پور لاہور کا جدید نام ہے' جو محمود نے رکھا ہے۔ ایک اور دلچسپ سکہ وہ ہے جس میں محمود کے نام کے علاوہ دائرے کے کناروں کے اندر امیر نصر بن ناصر الدین کا نام ملتا ہے۔ یہ سکّہ غالباً سجستان (سیستان) سے علاقہ رکھتا ہے۔

سلاطین غور

غیاث الدین محمد بن سام و معز الدین محمد بن سام دونوں بھائیوں کے نام کا سکہ، ایک سکہ صرف معز الدین کے نام کا۔

خاندان غلاماں

علاء الدین مسعود: دو عدد

ناصر الدین محمود: دہلی سنہ ۶۵۷ھ، سنہ ۶۶۰ھ، سنہ ۶۶۱ھ۔

غیاث الدین بلبن: دہلی سنہ ۶۶۴ھ، سنہ ۶۶۵ھ، سنہ ۶۶۶ھ، ناگور سنہ ۶۵۰ھ۔ یہ سکہ کسی اور جگہ نہیں ہے۔

معز الدین کیقباد: دہلی سنہ ۶۸۷ھ، سنہ ۶۸۹ھ۔

خلجی سلاطین

جلال الدین فیروز شاہ: دہلی سنہ ۶۹۱ھ، سنہ ۶۹۳ھ، سنہ ۶۹۵ھ۔

علاء الدین محمد شاہ: دہلی سنہ ۶۹۵ھ، سنہ ۶۹۶ھ، سنہ ۷۰۴ھ، سنہ ۷۰۵ھ، سنہ ۷۰۶ھ، سنہ ۷۰۸ھ، سنہ ۷۱۰ھ، سنہ ۷۱۱ھ، سنہ ۷۱۲ھ، سنہ ۷۱۳ھ، سنہ ۷۱۴ھ، سنہ ۷۱۵ھ۔

دیوگیر سنہ ۷۱۲ھ، سنہ ۷۱۵ھ

دار السلام سنہ ۷۰۶ھ، سنہ ۷۰۷ھ، سنہ ۷۱۰ھ، سنہ ۷۱۱ھ، سنہ ۷۱۳ھ، سنہ ۷۱۴ھ۔

قطب الدین مبارک شاہ: حضرۃ دار الخلافہ سنہ ۷۱۸ھ، ۷۱۹ھ (مربع)، حضرت دہلی سنہ ۷۱۶ھ، سنہ ۷۱۷ھ (مدور)

تغلق

غیاث الدین تغلق: حضرۃ دہلی سنہ ۷۲۱ھ، سنہ ۷۲۴ھ۔

محمد بن تغلق: حضرۃ دیوگیر۔

محمد شاہ بن فیروز شاہ: سنہ ۸۲۴ھ۔

سلاطین دکن

تاج الدین فیروز شاہ: احسن آباد؛ سنہ ۸۱۸ھ۔

علاء الدین ہمایوں شاہ: یک۔

سلاطین مالوہ

حسام الدین ہوشنگ شاہ: سنہ ۸۳۸ھ۔

ابو الفتح غیاث شاہ بن محمود شاہ: سنہ ۸۹۵ھ۔

غیاث شاہ کی ایک مربع چونی ہے، جس کی ایک جانب غیاث شاہ بن محمود شاہ مرقوم ہے۔ دوسری جانب الکبریاء للہ اور سنہ ۸۸۶ھ مرقوم ہے۔ اسی نقش کے ساتھ اس کے جانشینوں کے

بھی بعض سکے ہیں لیکن طامس ایڈورڈ کے عہد سے لے کر اب تک سارے سکہ شناس عبارت "اُلکبر یاءللہ" کو "اکبر باللہ" پڑھتے چلے آتے ہیں اور فہرست نگار بھی ان کے ساتھ متفق ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ "اُلکبر یاءللہ" پڑھنا صحیح ہے۔

ناصر شاہ بن غیاث شاہ خلجی: مربع سنہ ۹۱۵ھ ودو دیگر۔

محمود شاہ بن ناصر شاہ خلجی: مدور سنہ ۹۳۳ھ، نصف آں مربع سنہ ۹۲۶ھ (سنہ ۹۲۴ھ)، سنہ ۹۱۹ھ، سنہ ۹۱۷ھ۔

بنگالہ

ابوالمجاہد سکندر، سلطان حسین شاہ، جلال الدین محمد شاہ، داؤد شاہ کررانی۔

کشمیر

محمد شاہ: (مربع)، نادر شاہ

گجرات

محمود شاہ: چانپانیر سنہ ۹۰۳ھ۔

مظفر شاہ بن محمود شاہ: سنہ ۹۲۹ھ، سنہ ۹۳۲ھ، سنہ ۹۲۶ھ، دیگر سنہ ۹۳۲ھ۔

محمود شاہ لطیف شاہ: سنہ ۹۶۱ھ

سور

شیر شاہ: شیرگرہ سنہ ۹۴۹ھ، سنہ ۹۴۸ھ، ست گانو سنہ ۹۵۰ھ، چنار سنہ ۹۴۹ھ، کالپی، گوالیر سنہ ۹۵۱ھ، سنہ ۹۵۲ھ، آگرہ سنہ ۹۴۹ھ۔

اسلام شاہ: باجہاں پناہ سنہ ۹۵۱ھ، شق بکر سنہ ۹۵۹ھ، گوالیر سنہ ۹۵۸ھ، شریف آباد سنہ ۹۵۳ھ، با ۷۷۵ سنہ ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹ و ۹۶۰ھ۔

محمد عادل شاہ: سنہ ۹۶۱ھ، سنہ ۹۶۳ھ۔

مغل

مغلیہ خاندان کے سلسلے میں چنگیزی اور ایل خانی سلسلوں کے بعض سکے ہیں، جن میں چنگیز کے سکوں کے علاوہ ایل خانیوں میں الجائیتو سلطان محمد خدابندہ (ضرب بغداد، سنہ ۷۱۴ھ تبریز)۔ ابوسعید بہادر خاں (تبریز سنہ ۷۲۵ھ، بازشوستر سنہ ۷۲۲ھ، سیواس سنہ ۷۲۰ھ، جاجرم سنہ ۷۲۵ھ، ماردین سنہ ۷۲۰ھ)، طغا تیمور خاں (سنہ ۷۳۹ھ کاشان)، اور سلیمان خاں (ضرب سلطانیہ) قابلِ ذکر ہیں۔

تیموریوں میں تیمور کے بنام سیورغاتمش، محمود وغیرہ۔ اس کے جانشینوں میں شاہ رخ بہادر (مختلف دارالضرب وسنین)، ابوسعید، ابوالقاسم بہادر،

ابو الغازی سلطان حسین بہادر وغیرہ۔

مغلیہ خاندان : ظہیر الدین بابر (ضرب آگرہ)، نصیر الدین ہمایوں (ضرب آگرہ، ضرب کابل)، کامران غازی (ضرب کابل سنہ ۹۵۱ھ۔ ایک دلچسپ پہلو اس سکے کا یہ ہے کہ نستعلیق پہلی مرتبہ سکوں میں نظر آتا ہے۔ درمیان میں "کامران غازی" بخط نستعلیق ہے۔ باقی عبارت حاشیوں پر بخط ثلث ہے)، سلطان سلیمان بادشاہ (یک)

جلال الدین محمد اکبر

ضرب لاہور : یہ سکہ ہمایوں اور بابر کے سکوں کی طرز میں ہے اور غالباً اکبر کے پہلے سال جلوس سے تعلق رکھتا ہے۔ جس طرح اکبر کی سلطنت وسیع تھی، اسی طرح اس کا زمانہ سلطنت بھی دراز ہے۔ اور ٹکسالیں بھی بے شمار ہیں۔ اس مجموعے میں پانچ سو سے زیادہ اس کے سکے ہیں، جو چھبیس ٹکسالوں سے تعلق رکھتے ہیں، بہ تفصیل ذیل :

اجین : سنہ ۹۹۵ھ، سنہ ۹۹۶ھ، سنہ ۹۹۹ھ، سنہ ۱۰۰۰ھ۔

احمد آباد : سنہ ۹۸۰ھ، سنہ ۹۸۱ھ، سنہ ۹۸۱ھ (بوضع دیگر)، سنہ ۹۸۲ھ (در مربع دو خطی)، سنہ ۹۸۲ھ، بصدق ابوبکر سنہ ۹۸۲ھ (اس سکے میں بجائے ٹکسال کے نام "احمد آباد" کے غلطی سے پشت کا نقش "بصدق ابوبکر" کھد گیا ہے۔ اس غلطی کی بنا پر شائقین کو اس سکے کی بہت تلاش رہا کرتی ہے)، سنہ ۹۸۳ھ، سنہ ۹۸۴ھ، سنہ ۹۸۵ھ، سنہ ۹۸۶ھ، سنہ ۹۸۷ھ۔ اس سال تک تمام سکے مدور ہیں۔

مربع : سنہ ۹۸۷ھ، سنہ ۹۸۸ھ، سنہ ۹۹۰ھ، سنہ ۹۹۱ھ، سنہ ۹۹۲ھ، سنہ ۹۹۳ھ، سنہ ۹۹۴ھ، سنہ ۹۹۵ھ، سنہ ۹۹۷ھ، نصف سنہ ۹۹۷ھ، سنہ ۹۹۸ھ، سنہ ۹۹۹ھ، سنہ ۱۰۰۰ھ، سنہ ۱۰۰۱ھ۔

سنہ ۹۹۱ھ میں گجرات میں تخت گجرات کے ایک وارث نے اکبر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ چند یوم کے لئے اس صوبے میں مغلوں کی حکومت ختم ہو گئی۔ بغاوت کا سرغنہ ایک گجراتی شہزادہ مظفر بن محمود تھا جس نے اپنا سکہ بھی چلایا ہے۔ یہ سکہ گجراتی سکے سے مختلف اور اکبری سکے کے تتبع میں ہے، جس پر عبارت "سلطان مظفر شاہ ابن محمود شاہ سنہ ۹۹۱ھ" دوہرے خط کے نقطہ دار مربع میں درج ہے۔ فرق اسی قدر ہے کہ ان سالوں کے مغلیہ سکوں کی طرح مربع نہیں ہے بلکہ مدور ہے اور عام وضع و قطع سنہ ۹۸۷ھ اور

اس کے قبل کے سکّوں کی طرح ہے۔

سنہ ۱۰۰۰ھ کے قریب یا اس سے قبل ہجری تاریخ کو اُڑا کر سنہ الٰہی میں، جو اکبر کے ابتدائی سالِ جلوس سے شروع ہوتا ہے، تاریخ دی جانے لگی ہے۔ اس مجموعے میں الٰہی سکّے سنہ ۲۷ سے ملتے ہیں چنانچہ مربّع سنہ ۲۷ و سنہ ۲۸، بعد میں فارسی مہینوں کے ساتھ نکلنے لگے یعنی:

مہر سنہ ۳۸، بہمن سنہ ۳۸، شہریور سنہ ۳۸، دی سنہ ۳۸، اسفندارمز سنہ ۳۸، فروردین، اردی بہشت، خورداد، تیر سنہ ۳۹۔ اس موقع پر پھر تبدیلی کی جاتی ہے اور سکّہ مربّع سے مدوّر کر دیا جاتا ہے۔

مدوّر: ابان، آذر، بہمن، دی سنہ ۳۹، فروردی، اردی بہشت، امرداد، بہمن سنہ ۴۰ (۴۰)۔ احمد آباد کے سکّوں میں یہ چار کا ہندسہ نہایت عجیب ہے۔ سب سے پہلی مرتبہ وہ سنہ ۹۹۴ھ کے سکّے پر نظر آتا ہے۔ اس کے بعد سنہ ۴۰ میں نظر آتا ہے اور پھر ہمیشہ کے لئے غائب ہو جاتا ہے۔

نصف تیر سنہ ۴۰، ربع سنہ ۴۰۔ یہاں ایک اور امر کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ جہاں اکبر کی نفاست پسند طبیعت نے بعض الفاظ کے ظاہری عیوب کو ناپسند کر کے انہیں بدلا ہے مثلاً 'کرنگ' میں اصلاح دے کر 'سرنگ' بنا لیا، 'اندھیاری' کا نام 'اجیالی' رکھا، وہاں فارسی مہینے 'مرداد' میں بھی بد مذاقی کی بو پا کر اس کا نام 'مرداد' کی جگہ 'امرداد' بہ ترکیب ہندی رکھ دیا۔ چنانچہ ہم اوپر دیکھتے ہیں کہ سکّے میں ماہ 'مرداد' کی جگہ 'امرداد' لکھا گیا ہے۔

خورداد، آبان، امرداد، آذر، بہمن سنہ ۴۱، خورداد، امرداد، دے، بہمن، اسفندارمز سنہ ۴۲، اردی، مہر، بہمن، اسفندارمز سنہ ۴۳، اردی، امرداد، امرداد (منقوش)، بہمن سنہ ۴۴، فروردی، اردی، خورداد، تیر، آبان سنہ ۴۵، اردی، خورداد، تیر، آذر، دی، بہمن، اسفندارمز سنہ ۴۶، فروردی، آذر، (تیر، مہر، آبان منقوش)، دی، بہمن، اسفندارمز، سنہ ۴۷، خورداد، تیر، آذر، دے، بہمن سنہ ۴۸، آذر، دے، بہمن سنہ ۴۹، فروردی سنہ ۵۰۔

اردو: سنہ ۹۸۷۔

اردو ظفر قرین: الف (مربّع)، بے الف (مربع)، با الف (مدوّر)

اکبر پور: سنہ ۹۷۱ھ، سنہ ۹۷۲ھ، سنہ ۹۷۳ھ، سنہ ۹۷۴ھ۔

آگرہ: سنہ ۹۶۷ھ، سنہ ۹۷۶ھ، سنہ ۹۷۷ھ،

سنہ ۹۷۸ھ، سنہ ۹۷۹ھ، وضع دیگر سنہ ۹۷۹ھ
سنہ ۹۸۰ھ، سنہ ۹۸۲ھ، وضع دیگر سنہ ۹۸۲ھ
سنہ ۹۸۳ھ، سنہ ۹۸۴ھ، سنہ ۹۸۵ھ، آبان
سنہ ۴۶ (الٰہی - مدوّر) -

الور: ایک -

الہ آباد: (مع شعر) اردی بہشت، خورداد
سنہ ۴۷، (دیگر) بغیر تاریخ و ماہ -

انہروالہ پٹن: سنہ ۹۸۴ھ -

برار: اردی سنہ ۴۴، اردی سنہ ۴۷،
خورداد، بہمن سنہ ۴۹ -

برہان پور: مہر، دی سنہ ۴۸، خورداد،
بہمن، آبان سنہ ۴۹، فروردی، خورداد سنہ ۵۰ -

بنگالہ: (با شعر) سنہ عدد -

بھکر: سنہ ۹۸۴ھ، سنہ ۹۸۵ھ، سنہ ۹۸۵ھ
(اس سکے میں نو کے ہندسے کا سر بجائے چپ کے
راست کی طرف ہے)، سنہ ۹۸۶ھ -

پٹنہ: (مدوّر) سنہ ۹۸۳ھ، سنہ ۹۸۶ھ
(مربّع)، سنہ ۹۸۶ھ، سنہ ۹۸۷ھ، (الٰہی) دی
سنہ ۴۶ ×

تتہ: (مدوّر) آبان سنہ ۴۰، (مربّع) آذر
سنہ ۴۲، اردی بہشت سنہ ۴۳، آذر سنہ ۴۴،
امرداد، بہمن سنہ ۴۵، اردی، خورداد، مہر، آبان
سنہ ۴۶، تیر، مہر سنہ ۵۰ ×

جون پور: سنہ ۹۶۰ھ، سنہ ۹۷۳ھ، سنہ ۹۷۴ھ
سنہ ۹۷۵ھ، سنہ ۹۷۶ھ، سنہ ۹۷۷ھ، سنہ
۹۷۸ھ، سنہ ۹۷۹ھ، سنہ ۹۸۰ھ، سنہ ۹۸۱ھ
سنہ ۹۸۴ھ، سنہ ۹۸۵ھ، (مربّع) سنہ ۹۸۸ھ
سنہ ۹۸۹ھ -

حصار فیروزہ: سنہ ۹۶۳ھ، سنہ ۹۶۶ھ،
سنہ ۹۷۰ھ -

دہلی: سنہ ۹۶۵ھ، سنہ ۹۶۷ھ، سنہ ۹۶۸ھ
سنہ ۹۷۰ھ، سنہ ۹۷۴ھ، سنہ ۹۷۵ھ، سنہ ۹۷۶ھ
سنہ ۹۸۳ھ، سنہ ۹۸۴ھ، سنہ ۹۸۵ھ، (مربّع)
شہریور سنہ ۳۵، آذر سنہ ۴۰، خورداد، آبان، بہمن
اسفندارمذ سنہ ۴۱، فروردی، تیر سنہ ۴۲، اردی
آذر سنہ ۴۳، آبان سنہ ۴۴ -

سری نگر: تیر سنہ ۴۷، امرداد، تیر سنہ ۴۸،
فروردین سنہ ۵۰ -

سیت پور: مہر سنہ ۴۷، مہر سنہ ۴۸ -

سیمور: سنہ ۴۷، (معلوم ہوتا ہے کہ سیمور کوئی
علیحدہ ٹکسال نہیں ہے بلکہ یہی سیتپور جس کو غلطی
سے سیمور لکھا گیا ہے - سیمور کے اس مجموعے میں

دو سکّے ہیں اور دونوں بہت اچھی حالت میں ہیں۔

فتح پور: سنہ ۹۸۶ھ، سنہ ۹۸۷ھ، سنہ ۹۸۸ھ، سنہ ۹۸۹ھ۔

کابل: آذر سنہ ۴۴، بہمن سنہ ۴۸ و سنہ ۴۹ (کابل کا روپیہ ہندوستان کے روپیہ کا نصف ہے)

کالپی: سنہ ۹۶۸ھ۔

لاہور: سنہ ۹۷۴ھ، سنہ ۹۷۵ھ، سنہ ۹۷۹ھ، سنہ ۹۸۰ھ، سنہ ۹۸۲ھ، سنہ ۹۸۳ھ، سنہ ۹۸۵ھ، سنہ ۹۸۶ھ، (مربع) سنہ ۹۸۷ھ، سنہ ۹۸۸ھ، سنہ ۹۸۹ھ، (مدوّر) اسفندار سنہ ۳۶، نصف مہر سنہ ۳۶، تیر، آبان، امرداد سنہ ۳۷، (مربع) آذر، مہر، شہریور سنہ ۳۸، (مدوّر) اردی، شہریور، آبان، آذر، اسفندارمز سنہ ۳۹، تیر، دی سنہ ۴۰، نصف سنہ ۴۰، فروردین، تیر، امرداد، بہمن، اسفندارمز سنہ ۴۱، مہر، آبان، بہمن سنہ ۴۲، خورداد، تیر سنہ ۴۳، فروردی، اردی، شہریور، امرداد سنہ ۴۴، تیر، خورداد، شہریور، امرداد سنہ ۴۵، فروردین، اردی، تیر، خورداد، شہریور سنہ ۴۶، (نصف) آذر، دی سنہ ۴۶، اردی، خورداد، امرداد سنہ ۴۷، اردی، فروردین، خورداد، امرداد، شہریور سنہ ۴۸، (نصف) دی سنہ ۴۸، (ربع) آبان سنہ ۴۸، فروردین، خورداد، امرداد، بہمن سنہ ۴۹، فروردین، تیر، امرداد سنہ ۵۰، (ہشتم حصّہ) اسفندار۔

لکھنؤ: سنہ ۹۷۳ھ۔ اب تک یہ خیال کیا جاتا تھا کہ لکھنؤ میں چاندی کا سکّہ اکبر کے عہد میں نہیں لگا لیکن یہ سکّہ اسی ٹکسال سے تعلق رکھتا ہے اور نہایت اچھی حالت میں ہے۔

مالپور: سنہ ۹۸۴ھ، ایضاً بوضع دیگر) مالپور کے تانبے کے سکّے بکثرت ملتے ہیں لیکن یہ خبر نہیں تھی کہ وہاں چاندی کا سکّہ بھی لگایا گیا ہے۔

ملتان: امرداد سنہ ۳۸، اردی سنہ ۴۰۔

بے ٹکسال کے: سنہ ۳۰، سنہ ۳۲، سنہ ۳۳، سنہ ۳۴، (ربع) سنہ ۳۴، سنہ ۳۴، (ربع)، سنہ ۳۴، سنہ ۳۴، (ربع)، سنہ ۳۴، اردی، فروردی، شہریور، تیر، امرداد، آبان، دی سنہ ۳۵، (نصف) بہمن سنہ ۳۵ (مربع) اسفندار سنہ ۳۸ (بالکل الٹا چھپا ہے)، شہریور، امرداد سنہ ۳۶، (ربع) اردی، خورداد سنہ ۳۶، اردی، خورداد، اسفندار سنہ ۳۷، اسفندار سنہ ۴۱، اردی، دی سنہ ۴۲، (ربع) اسفندارمز۔

جہانگیر

جہانگیر کی ٹکسالیں اکبر کی طرح افراط سے نہیں ہیں

اور نہ اس کے سکے کثرت سے ملتے ہیں لیکن فن کے اعتبار سے یہ سکے نہایت اعلیٰ مثالیں مانے جا سکتے ہیں خصوصاً آگرہ، اجمیر اور احمد آباد کے بعض سکے۔

اجمیر: اللّٰہ اکبر یا معین سنہ ۱۰۳۲ھ۔ جہانگیر کی "یا معینی اشرفی" یعنی جس پر "یا معین" درج ہوتا ہے، سکہ شناسوں میں مشہور ہے لیکن یہ روپیہ اب تک نامعلوم رہا ہے اور پہلی مرتبہ شائع ہوتا ہے

نور افشاں سنہ ۱۱۔

آگرہ: فروردین سنہ ۱۰۲۲ھ، شہریور سنہ ۱۰۲۲ھ، مہر سنہ ۱۰۲۲ھ، آذر سنہ ۱۰۲۳ھ، فروردین، آبان، مہر سنہ ۱۰۲۴ھ، دی، تیر، خورداد، اسفندار سنہ ۱۰۲۵ھ، سنہ ۱۰۲۵ھ، تیر سنہ ۶، تیر سنہ ۱۰۲۷ھ (مربع)۔

احمد آباد: آذر، بہمن، اسفندار سنہ ۵۰، تیر سنہ ۲، فروردین، آذر سنہ ۲۰، تیر، مہر، آبان، خورداد، آذر، بہمن سنہ ۱۰۲۱ھ، آبان، آذر، دی سنہ ۱۰۲۲ھ، امرداد سنہ ۱۰۲۵ھ۔

باشعر سکہ زد در احمد آباد ..... الخ سنہ ۱۰۱۷ھ، سنہ ۱۰۲۷ھ، سنہ ۱۰۲۹ھ، سنہ ۱۰۳۰ھ، سنہ ۱۰۳۱ھ، باشعر مزین باد ضرب احمد آباد... الخ۔

احمد نگر، سنہ ۱۰۳۲ھ۔

اکبر نگر، فروردین سنہ ۱۲، مہر سنہ ۱۰۲۵ھ، دی سنہ ۱۸، اسفندار سنہ ۱۸، بہمن سنہ ۱۹، اسفندار مذ سنہ ۲۰۔

الہ آباد: باشعر ہمیشہ نور زر سکۂ الہ آباد... الخ۔

برہان پور: باشعر سکہ زد در شہر برہان پور شاہ دیں پناہ ... الخ سنہ ۱۰۱۷ھ، آبان ۱۰۲۰ھ خورداد، دے، بہمن، اسفندار سنہ ۱۰۲۱ھ، دے سنہ ۸، مہر، دے سنہ ۹، مرداد سنہ ؟۔

پٹنہ: بہمن سنہ ۱۰۲۰ھ، سنہ ۱۰۲۵ھ۔

تتہ: خورداد سنہ ۱۰۲۱ھ، تیر سنہ ۱۰۲۲ھ، تیر سنہ ۱۰۲۴ھ، آذر، مہر سنہ ۱۰۲۵ھ، امرداد سنہ ۱۱، خورداد سنہ ۱۰۲۶ھ، خورداد سنہ ۱۰۲۷ھ، تیر سنہ ۱۰۲۸ھ، دی سنہ ۱۶، خورداد سنہ ۱۸، اردی سنہ ۱۹، اردی سنہ ۱۰۳۵ھ، دی سنہ ۱۰۳۶ھ آبان سنہ ۱۰۳۷ھ، خورداد ؟۔

جالنہ پور: دو عدد۔

دہلی: سنہ ۱۰۲۰ھ، اردی، مہر، امرداد سنہ ۱۰۲۱ھ، خورداد، امرداد، آبان، دی، بہمن سنہ ۱۰۲۲ھ، فروردین، شہریور، امرداد سنہ ۱۰۲۳ھ، اردی،

بہمن سنہ ۱۰۲۴ھ، مرداد، خورداد سنہ ۱۰۲۵ھ، سنہ ۱۰۲۷ھ، دی سنہ ۱۰۲۹ھ، اردی سنہ ۱۰۳۲ھ، اردی، فروردی، آبان، اسفندار سنہ ۱۰۳۳ھ، فروردی سنہ ۱۰۳۴ھ، امرداد سنہ ۱۰۳۵ھ، مہر، آبان سنہ ۱۰۳۷ھ۔

قندھار: خورداد سنہ ۲، فروردی، اسفندار سنہ ۸، خورداد، شہریور، مہر، آبان، تیر سنہ ۹، آبان، مرداد، بہمن، دے سنہ ۱۰، سنہ ۱۰۲۶ھ، باشعر، سنہ ۱۲، سنہ ۱۳، سنہ ۱۴، سنہ ۱۵، سنہ ۱۶۔

کابل: تیر سنہ ۱۰۲۳ھ، اردی بہشت سنہ ۱۰۲۶ھ، اردی سنہ ۱۰۲۷ھ۔

کشمیر: اردی سنہ ۴، آذر سنہ ۷، اردی سنہ ۸، تیر سنہ ۱۱، بہمن سنہ ۱۴، امرداد سنہ ۲۰۔

لاہور: سنہ ۱۰۱۶ھ، سنہ ۱۰۱۷ھ، باشعر ماہ بہمن سنہ ۱۰۱۹ھ، امرداد، مہر، دے سنہ ۶، فروردین، تیر، اسفندار سنہ ۷، شہریور، مہر، آبان، آذر سنہ ۸، دے سنہ ۹، فروردین، مہر، آبان، بہمن، بمن (کذا) سنہ ۱۰، فروردین، اردی بہشت، تیر سنہ ۱۱۔

شعر: ہمیشہ باد ابر روئے سکہ لاہور... الخ سنہ ۱۲، سنہ ۱۳، سنہ ۱۴، سنہ ۱۶، سنہ ۱۷، سنہ ۱۸، سنہ ۱۹، سنہ ۲۱، سنہ ۲۲۔

نورافشاں سنہ ۱۰۲۴

بے ٹکسالی باشعر: روی زر را ساخت نورانی برنگ مہر و ماہ... الخ۔

نور جہانی سکے

اس مجموعے میں ان سکوں کی تعداد چونتیس ہے۔ یہ سکے بہت کم یاب ہیں اور ان کی تلاش بھی بہت رہتی ہے۔ یہ سکے احمد آباد، آگرہ، سورت اور لاہور کی ٹکسالوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

احمد آباد: سنہ ۱۰۲۴ھ (سنہ ۱۹)، سنہ ۱۰۳۷ (سنہ ۲۲) اور یہ شعر مرقوم ہے:

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور
بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر

آگرہ: سنہ ۱۰۳۵ھ (سنہ ۲۰)، سنہ ۱۰۳۶ھ (سنہ ۲۱)، سنہ ۱۰۳۷ھ (سنہ ۲۲)، باشعر بالا۔

سورت: سنہ ۱۰۳۳ھ (سنہ ۹۱) ۔ ۹۱ سے مراد ۱۹ ہے، جس کے دونوں ہندسے غلطی سے مقدم موخر ہو گئے ہیں۔ یہ سکہ نایاب ہے۔

سنہ ۱۰۳۴ھ (سنہ ۱۹)، سنہ ۱۰۳۵ھ (سنہ ۲۰)، سنہ ۱۰۳۶ھ باشعر بالا۔

لاہور: سنہ ۱۰۳۴ھ، سنہ ۱۰۳۵ھ باشعر بالا۔

اس کے علاوہ سنہ ۱۰۳۵ھ (سنہ ۲۱) کا ایک اور سکّہ ہے جس پر ایک جدید شعر مرقوم ہے (فزودہ نورجہاں ... الخ) یہ سکّہ بہت نایاب ہے۔

شاہجہان (سنہ ۱۰۳۷ – ۱۰۶۸ھ)

اجین: سنہ ۵، سنہ ۱۰۴۱ھ۔

احمد آباد: سنہ ۱۰۳۷ھ (احد) سنہ ۱۰۴۰ھ، اردی سنہ ۱۰۴۱ھ، ۱۰۴۶ھ، ۱۰۵۵ھ، سنہ ۱۰۵۸ھ، سنہ ۱۰۶۷ھ، فروردی سنہ ۹ –

احمد نگر: سنہ ۱۰۳۸ھ (سنہ ۲)۔

اکبر نگر: آبان سنہ ۲، آذر سنہ ۱۰۳۹ھ (سنہ ۲)، سنہ ۱۰۴۲ھ (سنہ ۶) سنہ ۱۰۴۴ھ (سنہ ۸)، سنہ ۱۰۴۵ھ (سنہ ۸) سنہ ۱۰۴۵ھ (سنہ ۱۰) سنہ ۱۰۴۸ھ (سنہ ۱۱) سنہ ۱۰۵۴ھ (سنہ ۱۷)، سنہ ۱۰۵۷ھ (سنہ ۲۱) –

آگرہ: سنہ ۱۰۳۷ھ (احد) ضرب آگرہ، دارالخلافہ آگرہ سنہ ۱۰۳۷ھ (احد)، اکبر آباد تیر سنہ ۲، سنہ ۲، سنہ ۳، سنہ ۱۰۴۲ھ تیر، دارالخلافہ اکبر آباد سنہ ۲، سنہ ۱۰۴۱ھ (سنہ ۴)، سنہ ۱۰۴۲ھ، (سنہ ۶)، سنہ ۱۰۵۴ھ (سنہ ۱۴)، سنہ ۱۰۵۷ھ (سنہ ۲۱) –

الہ آباد: سنہ ۱۰۳۸ھ (احد)، مہر سنہ ۱۰۳۹ھ (سنہ ۲)، سنہ ۶، سنہ ۱۰۵۲ھ۔

برہان پور: سنہ ۱۰۳۷ھ (احد) سنہ ۱۰۳۸ھ (احد)، سنہ ۲، سنہ ۱۰۴۳ھ، سنہ ۱۰۴۶ھ۔

بھکر: ۱۰۳۷ھ (سنہ ۷)، سنہ ۲۶۔

بھیلسہ: سنہ ۱۷۔

بیرات: یک۔

پٹن دیو: سنہ ۱۰۴۷ھ۔

پٹنہ: دی سنہ ۱۰۳۹ھ (سنہ ۲)، اسفندار سنہ ۱۰۴۱ھ (سنہ ۴)، سنہ ۱۰۴۲ھ، سنہ ۱۰۴۵ھ (سنہ ۸)، سنہ ۱۰۴۶ھ (سنہ ۹)، سنہ ۱۲، سنہ ۲۱، سنہ ۲۲، بہمن سنہ ۹۔

تتہ: سنہ ۱۰۴۱ھ (سنہ ۴)، آذر سنہ ۶، آبان سنہ ۱۰۴۵ھ (سنہ ۸)، مہر سنہ ۱۰۴۶ھ (سنہ ۹)، دی سنہ ۱۰، دی سنہ ۱۰۴۹ھ (سنہ ۱۳)، اردی سنہ ۱۹، سنہ ۱۰۵۶ھ (سنہ ۱۹)، مرداد سنہ ۱۰۵۶ھ (سنہ ۲۰) اسفندارمز سنہ ۱۰۶۶ھ (سنہ ۲۹)۔

جوناگڈھ: سنہ ۱۰۵۱ھ، سنہ ۱۰۵۹ھ۔

جہانگیر نگر: سنہ ۱۰۴۳ھ (سنہ ۷)، سنہ ۱۰۴۵ھ (سنہ ۸)۔

دولت آباد: سنہ ۱۰۶۶ھ۔

دہلی: اسفندارمز سنہ ۱۰۴۰ھ (سنہ ۳)،

سنہ ۴۳ ۱۰۴۳ھ۔

سورت: سنہ ۳۸ ۱۰۳۸ھ، سنہ ۴۱ ۱۰۴۱ھ (سنہ ۵)، سنہ ۱۰، سنہ ۴۷ ۱۰۴۷ھ (سنہ ۱۱) سنہ ۱۶، سنہ ۱۰۵۶ھ (سنہ ۲۰) سنہ ۱۰۵۷ھ (سنہ ۲۰)، سنہ ۱۰۵۷ھ (سنہ ۲۱)، سنہ ۱۰۵۹ھ (سنہ ۲۳)، سنہ ۲۶، سنہ ۲۸، سنہ ۳۱۔

قندھار: سنہ ۱۰۴۱ھ (سنہ ۵) سنہ ۱۰۴۲ھ (سنہ ۵)، سنہ ۱۱، سنہ ۱۲، سنہ ۱۰۵۶ھ (سنہ ۱۹)۔

کشمیر: سنہ ۱۰۳۷ھ (احد)۔

کھمبایت: یک۔

لاہور: تیر ماہ سنہ ۱۰۳۸ھ (سنہ ۲)، سنہ ۱۰۴۰ھ (سنہ ۳)، سنہ ۱۰۴۱ھ (سنہ ۵)، سنہ ۶، سنہ ۷، سنہ ۱۰۴۴ھ (سنہ ۷)، سنہ ۸، سنہ ۱۰۴۵ھ (سنہ ۸) سنہ ۱۰۵۵ھ (سنہ ۱۹)، سنہ ۱۰۵۸ھ (سنہ ۲۲)، سنہ ۲۴، سنہ ۱۰۶۷ھ (سنہ ۳۱)۔

نثار صاحب قرآن ثانی: جہانگیر کی ایجاد خیز طبیعت نے یہ سکہ بنایا تھا، جو بالعموم بادشاہ پر سے نثار کے وقت نچھاور کیا جاتا تھا۔ یہ سکے روپے کے برابر کم ملتے ہیں۔ اٹھنی اور چونی کے وزن میں زیادہ ملتے ہیں۔

ملتان: امرداد سنہ ۱۰۳۸ (سنہ ۲)، اسفندار سنہ ۱۰۳۹ھ، ۱۰۴۰ھ (سنہ ۳)، سنہ ۱۰۴۰ھ، سنہ ۱۰۴۲ھ (سنہ ۵)، سنہ ۱۰۴۲ھ (سنہ ۶)، سنہ ۱۰۴۴ھ (سنہ ۷)، سنہ ۱۰۴۵ھ (سنہ ۸)، سنہ ۱۰۴۷ھ (سنہ ۱۱)، سنہ ۱۰۴۸ھ (سنہ ۱۲)۔

نیم روپیہ: چہار عدد۔

(مربع): یک۔

محمد مراد بخش (سنہ ۱۰۶۸ھ)

احمد آباد: سنہ ۱۰۶۸ھ (احد)

سورت: سنہ ۱۰۶۸ھ (احد) دو عدد۔

اورنگ زیب عالمگیر (سنہ ۱۰۶۸-۱۱۱۸ھ)

اس مجموعے میں عالم گیری سکے تیس مختلف ٹکسالوں کے ہیں۔

اٹاوہ: سنہ ۱۰۹۸ھ (سنہ ۳۱)، سنہ ۱۰۹۹ھ (سنہ ۳۲)، سنہ ۱۱۰۰ھ (سنہ ۳۲)، سنہ ۱۱۰۲ھ (سنہ ۳۴)، سنہ ۱۱۰۲ھ (سنہ ۳۵) سنہ ۱۱۰۳ھ (سنہ ۳۵)، سنہ ۱۱۰۴ھ (سنہ ۳۶)، سنہ ۱۱۰۵ھ (سنہ ۳۷)، سنہ ۱۱۰۶ھ (سنہ ۳۹)، سنہ ۱۱۰۷ھ (سنہ ۳۹)، سنہ ۱۱۰۷ھ (سنہ ۴۰)، سنہ ۱۱۰۸ھ (سنہ ۴۰)، سنہ ۱۱۰۸ھ (سنہ ۴۱)

سنہ ۱۱۰۹ھ میں عالمگیر ایک فرمان جاری کرتا ہے کہ چونکہ ہندی کے ایسے اسماء میں، جو فارسی

ہیں "ہ" پر ختم ہوتے ہیں، دراصل "الف" ہے۔ اس لئے آئندہ اہلِ دیوان ان کو "الف" سے لکھیں مثلاً "بنگالہ و بنگالانہ وغیرہ۔ اس فرمان کی تعمیل میں "آمادہ" بھی "آماد" لکھا جانے لگا۔ چنانچہ:

آماوا: سنہ ۱۱۰۹ھ (سنہ ۴۲)، سنہ ۱۱۱۱ھ (سنہ ۴۳)، سنہ ۱۱۱۲ھ (سنہ ۴۴)، سنہ ۱۱۱۲ھ (سنہ ۴۵)، سنہ ۱۱۱۳ھ (سنہ ۴۵)، سنہ ۱۱۱۳ھ (سنہ ۴۶)، سنہ ۱۱۱۵ھ (سنہ ۴۷)، سنہ ۱۱۱۶ھ (سنہ ۴۸)، سنہ ۱۱۱۶ھ (سنہ ۴۹)، سنہ ۱۱۱۷ھ (سنہ ۴۹)، سنہ ۱۱۱۸ھ (سنہ ۵۰)، سنہ ۱۱۱۸ھ (سنہ ۵۱)۔

اجمیر: سنہ ۱۱۰۶ھ (سنہ ۳۸)، سنہ ۱۱۰۶ھ (سنہ ۳۹)، سنہ ۱۱۱۰ھ (سنہ ۴۲)، سنہ ۱۱۱۱ھ (سنہ ۴۳)، سنہ ۱۱۱۲ھ (سنہ ۴۴)، سنہ ۱۱۱۴ھ (سنہ ۴۶)، سنہ ۱۱۱۵ھ (سنہ ۴۷)، سنہ ۱۱۱۶ھ (سنہ ۴۹)۔

احمد آباد: سنہ ـ۱۰۷ھ (سنہ ۶)، سنہ ۱۰۸۶ھ (سنہ ۱۹)، سنہ ـ۱۰۸ ھ (سنہ ۲۰)۔

اسلام آباد: سنہ ۱۱۰۷ھ (سنہ ۳۹)، سنہ ۱۱۱۱ھ (سنہ ۴۲)۔

اکبر آباد: محی الدین ٹائپ سنہ ۵، سنہ ۱۰۲۸ھ (سنہ ۱۱)، سنہ ۹ محی الدین ٹائپ، سنہ ۳۹، سنہ ۴۰، سنہ ۴۳، سنہ ۴۵، سنہ ۴۸، سنہ ۴۹۔

اکبر نگر: سنہ ۳، سنہ ۲۷، با مہر منیر بجائے بدر منیر سنہ ۲۷، سنہ ۳۳، سنہ ۳۶، سنہ ۴۸۔

اورنگ آباد: بطرز محی الدین سنہ ۱۰۷۱ھ۔

برہان پور: سنہ ۲، سنہ ۴۴، سنہ ۴۸، سنہ ۴۹ (سنہ ۱۱۱۷ھ)۔

بریلی: سنہ ۱۰۹۹ھ (سنہ ۳۱)، سنہ ۴۸، سنہ ۱۱۱۷ھ (سنہ ۴۹)۔

بیجاپور: سنہ ۱۱۰۶ھ (سنہ ۳۸)، سنہ ۴۳، سنہ ۱۱۱۲ھ۔

پٹنہ: محی الدین بہادر ٹائپ سنہ ۱۰۷۱ھ (سنہ ۲)۔

تتہ: محی الدین بہادر ٹائپ سنہ ۱۰۷۱ھ (سنہ ۳)، سنہ ۱۰۸۹ھ، سنہ ۱۰۹۳ھ، سنہ ۱۱۰۰ھ۔

جوناگڈھ: سنہ ۱۰۹۶ھ (سنہ ۲۸)، سنہ ۱۱۱۳ھ (سنہ ۴۵)۔

خجستہ بنیاد: سنہ ۱۱۰۰ھ (سنہ ۳۲)، سنہ ۱۱۱۵ھ۔

سورت: سنہ ۱۷، سنہ ۲۱، نیم روپیہ سنہ ۲۲، سنہ ۱۰۹۱ھ (سنہ ۲۳)، سنہ ۱۰۹۳ھ (سنہ ۲۵)، سنہ ۱۰۹۳ھ (سنہ ۲۵)، سنہ ۱۰۹۳ھ (سنہ ۲۶)، سنہ ۱۰۹۴ھ (سنہ ۲۷)، سنہ ۱۰۹۵ھ (سنہ ۲۷)،

سنہ ۱۰۹۶ھ (سنہ ۲۸)، سنہ ۱۱۰۵ھ (سنہ ۳۷)، سنہ ۱۱۰۶ھ (سنہ ۳۸)، سنہ ۱۱۱۰ھ (۴۲)، سنہ ۱۱۱۱ھ، سنہ ۱۱۱۲ھ (سنہ ۴۴)، سنہ ۱۱۱۳ھ (سنہ ۴۵)، سنہ ۱۱۱۴ھ (سنہ ۴۶)، سنہ ۱۱۱۷ھ (سنہ ۵۰) سنہ ۱۱۱۸ھ (سنہ ۵۰)۔

سہرند: ۱۱۰۳ھ (سنہ ۳۴)، سنہ ۱۱۰۴ھ (سنہ ۳۶)، سنہ ۱۱۰۴ھ (سنہ ۳۷)، سنہ ۱۱۰۷ھ (سنہ ۴۰)، سنہ ۱۱۰۸ھ (سنہ ۴۱)، سنہ ۱۱۱۱ھ (سنہ ۴۳)، سنہ ۱۱۱۴ھ (سنہ ۴۶)۔

شاہجہان آباد: سنہ ۱۰۹۳ھ (سنہ ۲۵)، سنہ ۱۰۹۶ھ، سنہ ۱۰۹۸ھ (سنہ ۳۰)، سنہ ۱۰۹۹ھ (سنہ ۳۱)، سنہ ۱۱۰۲ھ (سنہ ۳۵)، سنہ ۱۱۰۷ھ (سنہ ۴۰)، سنہ ۱۱۰۹ھ (سنہ ۴۱)، سنہ ۱۱۱۵ھ (سنہ ۴۸)، سنہ ۱۱۱۷ھ (سنہ ۴۹)۔

شولاپور: سنہ ۱۰۹۸ھ۔

ظفرآباد: سنہ ۱۴۔

عالمگیرپور: سنہ ۱۱۰۳ھ۔

کابل: یک۔

کٹک: سنہ ۴۳، سنہ ۴۶۔

کنبایت: سنہ ۲، سنہ ۱۰۸۶ھ (سنہ ۱۸)، سنہ ۱۰۸۸ھ (سنہ ۲۱)، سنہ ۱۰۹۱ھ (سنہ ۲۴)، سنہ ۱۱۰۳ھ (سنہ ۳۵)۔

گوالیار: سنہ ۱۰۱۷ھ (سنہ ۳۰)۔

گلکنڈہ: سنہ ۱۰۷۶ھ (سنہ ۱۱-کذا)، سنہ ۱۰۷۶ھ (سنہ ۱۱-کذا)۔ سنین ہجری و جلوسی میں یہ فرق ناقابل تشریح ہے۔ سنہ ۱۰۹۸ھ (سنہ ۳۱)۔

لاہور: سنہ ۱۸، سنہ ۲۱، سنہ ۱۰۹۸ھ (سنہ ۳۰)، سنہ ۱۱۰۰ھ (سنہ ۳۳)، سنہ ۱۱۰۲ھ (سنہ ۳۴)، سنہ ۱۱۰۳ھ (سنہ ۳۵) سنہ ۱۱۰۵ھ (سنہ ۳۸)، سنہ ۱۱۰۶ھ (سنہ ۳۸)، سنہ ۱۱۰۷ھ (سنہ ۳۹)، سنہ ۱۱۰۸ھ (سنہ ۴۰)، سنہ ۱۱۰۸ھ (سنہ ۴۱)، سنہ ۱۱۱۰ھ (سنہ ۴۲)، سنہ ۴۳، سنہ ۴۴، سنہ ۴۵، سنہ ۴۶، سنہ ۱۱۱۲ھ (سنہ ۴۵)، سنہ ۱۱۱۳ھ (سنہ ۴۶)، سنہ ۱۱۱۴ھ (سنہ ۴۷)، سنہ ۱۱۱۵ھ (سنہ ۴۸)، سنہ ۱۱۱۶ھ (سنہ ۴۹)، سنہ ۱۱۱۸ھ (سنہ ۵۱)، درہم شرعی سنہ ۴۶۔

لکھنؤ: سنہ ۴۲، سنہ ۴۹۔

ملتان: سنہ ۱۰۹۳ھ (سنہ ۲۵)، سنہ ۱۰۹۶ھ (سنہ ۲۸)، سنہ ۱۰۹۸ھ (سنہ ۳۰)، سنہ ۱۱۰۷ھ (سنہ ۴۰)، سنہ ۱۱۰۸ھ (سنہ ۴۱)، سنہ ۱۱۱۸ھ۔

نارنول: سنہ ۱۰۹۸ھ، سنہ ۱۱۰۱ھ (سنہ ۳۴)، سنہ ۱۱۱۴ھ۔

اعظم شاہ (سنہ ۱۱۱۸ھ)

سورت: سنہ احد۔

شاہ عالم بہادر (سنہ ۱۱۱۹-۱۱۲۴ھ)

اٹاوا: سنہ ۱۱۲۲ھ (احد-کذا)، سنہ ۲،
سنہ ۴، سنہ ۱۱۲۳ھ (سنہ ۶)۔

اجمیر: سنہ ۱۱۱۹ھ (سنہ احد)۔

ارکاٹ: سنہ ۱۱۲۰ھ (سنہ ۲)۔

اکبرآباد: سنہ ۲، سنہ ۳، سنہ ۴۔

برہان پور: سنہ احد۔

بریلی: سنہ ۱۱۱۹ھ (سنہ ۲)، سنہ ۱۱۲۰ھ
(سنہ ۲)، سنہ ۳، سنہ ۴۔

سورت: سنہ ۲، سنہ ۴، یک دیگر۔

سہارنپور: سنہ احد۔

شاہجہان آباد: سنہ ۱۱۱۹ھ (سنہ احد)،
سنہ ۱۱۲۰ھ (سنہ ۲)، سنہ ۱۱۲۱ھ (سنہ ۳)۔

عالمگیر پور: سنہ ۱۱۲۰ھ (سنہ ۲)۔

کنبایت: یک۔

لاہور: سنہ ۱۱۱۹ھ (سنہ احد) سنہ ۱۱۲۰ھ
(سنہ ۲)، سنہ ۱۱۲۱ھ (سنہ ۳)، سنہ ۱۱۲۱ھ (سنہ ۴)۔

جہاندار شاہ (۱۱۲۴ھ)

اکبرآباد (مستقر الملک) سنہ ۱۱۲۴ھ (سنہ احد)

برہانپور: سنہ احد۔

سورت: یک۔

شاہجہان آباد: سنہ احد مبارک۔

لاہور: سنہ احد۔

فرخ سیر

اکبرآباد (مستقر الملک): سنہ احد، سنہ ۱۱۲۵ھ
(سنہ ۲)، سنہ ۳، سنہ ۴، سنہ ۵۔

(مستقر الخلافہ): سنہ ۲، سنہ ۱۱۲۹ھ (سنہ ۶)،
سنہ ۱۱۳۰ھ (سنہ ۷)

برہانپور: سنہ ۱۱۲۵ھ (سنہ احد) سنہ ۱۱۲۸ھ
(سنہ ۴)۔

بریلی: سنہ ۱۱۲۵ھ (سنہ ۲)، سنہ ۱۱۲۸ھ (سنہ ۵)،
سنہ ۶، سنہ ۷۔

خجستہ بنیاد: سنہ ۷۔

سورت: سنہ ۲، سنہ ۳، سنہ ۱۱۲۹ھ (سنہ ۶)،
نصف سنہ ۷۔

سہرند: سنہ ۱۱۲۵ھ (سنہ ۲)، سنہ ۱۱۳۰ھ
(سنہ ۷)۔

شاہجہان آباد: سنہ ۲، سنہ ۳، سنہ ۴، سنہ ۵،
سنہ ۶، سنہ ۱۱۲۹ھ (سنہ ۶) بطرز دیگر، سنہ ۷،
سنہ ۱۱۳۰ھ (سنہ ۷) بطرز دیگر۔

عظیم آباد: سنہ احد، سنہ ۱۱۲۵ھ (سنہ ۲)۔

فرخ آباد: سنہ ۸۔

گوالیار: سنہ ۳۔

لاہور: سنہ ۲، سنہ ۱۱۲۶ھ (سنہ ۳)، سنہ ۱۱۲۷ھ (سنہ ۴)، سنہ ۱۱۲۹ھ (سنہ ۶)، سنہ ۱۱۳۰ھ (سنہ ۷)۔

لکھنؤ: سنہ ۵۔

مرشد آباد: سنہ ۵۔

ملتان: سنہ ۱۱۳۱ھ (سنہ ۷)

رفیع الدرجات (۱۱۳۱ھ)

اکبر آباد (مستقر الخلافہ): سنہ احد۔

خجستہ بنیاد: سنہ ۱۱۳۱ھ (سنہ احد)۔

شاہجہان آباد: سنہ احد۔

لاہور: سنہ احد۔

شاہجہان ثانی (سنہ ۱۱۳۱ھ)

اٹاوا: سنہ ۱۱۳۱ھ (سنہ احد)۔

سورت: سنہ احد۔

عظیم آباد: سنہ احد۔

لاہور: سنہ احد۔

لکھنؤ: سنہ احد۔

محمد شاہ (سنہ ۱۱۳۱ - ۱۱۶۱ھ)

اٹاوا: سنہ ۳، سنہ ۴، سنہ ۸، سنہ ۹، سنہ ۱۰، سنہ ۱۳، سنہ ۱۶، سنہ ۱۸، سنہ ۲۰، سنہ ۲۱، سنہ ۲۲، سنہ ۲۵، سنہ ۲۶۔

اجمیر: سنہ ۳، سنہ ۹، ۱۱۴۲ھ (سنہ ۱۲)، سنہ ۳۰۔

اجین: سنہ ۳۔

اختر نگر: سنہ ۱۱۴۴ھ (سنہ ۱۴)، سنہ ۱۵۔

اسلام آباد: سنہ ۹۔

اکبر آباد: سنہ ۱۱۳۱ھ (سنہ احد)، سنہ ۲، سنہ ۷، سنہ ۱۱۳۹ھ (سنہ ۹)، سنہ ۱۱۴۱ھ (سنہ ۱۰)، سنہ ۱۱۴۴ھ (سنہ ۱۳)، سنہ ۱۳، سنہ ۱۶، سنہ ۲۰، سنہ ۲۲، سنہ ۲۹، سنہ ۳۰۔

الہ آباد: سنہ ۱۹۔

سنہ ۷۔

بلونت نگر: سنہ ۳۰۔

سوائی جے پور: سنہ ۲۳، سنہ ۲۴، سنہ ۲۵، سنہ ۲۶، سنہ ۲۷، سنہ ۲۸، سنہ ۲۹، سنہ ۳۰، سنہ ۳۱
نیم روپیہ سنہ ۱۱۶۱ھ (سنہ ۳۱)۔

نذری: سنہ ۱۱۵۸ھ (سنہ ۲۸) سنہ ۱۱۶۱ھ (سنہ ۳۱)۔

یہ سکہ صرف شاہی نذر وغیرہ کے واسطے بنایا

جاتا تھا اور بلحاظ حسن خط و تکمیل عبارت و جسامت
رواجی سکے سے اعلیٰ و بہتر ہوتا تھا اور داد و ستد
کے لیے استعمال میں نہیں آتا تھا اگرچہ وزن میں
برابر تھا۔

سورت: سنہ احد، سنہ ۶۔

سہرند: سنہ ۱۶، سنہ ۳۰۔

شاہ آباد قنوج: سنہ ۴، سنہ ۲۰، سنہ ۱۱۵۷ھ
(سنہ ۲۶)۔

شاہجہان آباد: سنہ ۱۱۳۲ھ (سنہ احد)،
سنہ ۵، سنہ ۸، سنہ ۹، سنہ ۱۱۴۰ھ، سنہ ۱۱۴۲ھ
(سنہ ۱۲)، سنہ ۱۳، سنہ ۱۱۴۴ھ (سنہ ۱۴)، سنہ ۱۵،
سنہ ۱۱۴۶ھ (سنہ ۱۶)، سنہ ۱۱۴۷ھ (سنہ ۱۷)،
سنہ ۱۸، سنہ ۱۹، سنہ ۲۰، سنہ ۲۱، سنہ ۱۱۵۲ھ
(سنہ ۲۲)، سنہ ۲۳، سنہ ۲۴، سنہ ۲۵، سنہ ۲۶،
سنہ ۲۸، سنہ ۲۹، سنہ ۳۰، سنہ ۳۱۔

فرخ آباد: سنہ ۱۱۵۵ھ (سنہ ۲۵)، سنہ
۲۸، سنہ ۱۱۶۱ھ (سنہ ۳۰)۔

کشمیر: سنہ ۳۰۔

کورا: سنہ ۱۱۳۴ھ (سنہ ۴)، سنہ ۱۰، سنہ
۱۱، سنہ ۱۲ مکرر، سنہ ۱۳، سنہ ۱۴، سنہ ۱۵، سنہ ۱۶،
سنہ ۱۷، سنہ ۱۸، سنہ ۱۱۴۹ھ (سنہ ۱۹)، سنہ ۲۰،
سنہ ۲۴، سنہ ۲۸، سنہ ۲۹، سنہ ۳۰۔

گوالیار: سنہ ۱۱۳۲ھ، سنہ ۳، سنہ ۱۱۴۴ھ
(سنہ ۱۴)، سنہ ۱۱۴۸ھ (سنہ ۱۸)۔

لاہور: سنہ ۳، سنہ ۴، سنہ ۵، سنہ ۶، سنہ ۸،
سنہ ۹، سنہ ۱۱۴۲ھ، سنہ ۱۵، سنہ ۱۶ مکرر، سنہ ۲۲،
سنہ ۲۴، سنہ ۲۷، سنہ ۲۹، سنہ ۳۰۔

لکھنؤ: سنہ ۱۱۳۲ھ (سنہ ۲)، سنہ ۱۱۳۴ھ (سنہ ۴)۔

محمد آباد بنارس: سنہ ۱۸، سنہ ۳۱۔

مرشد آباد: سنہ ۱۸، سنہ ۱۹۔

ملتان: سنہ ۱۱۴۰ھ (سنہ ۹)، سنہ ۱۱۴۰ھ
(سنہ ۱۰)، سنہ ۱۱۴۶ھ (سنہ ۱۵)، سنہ ۱۱۵۷ھ
(سنہ ۲۷)، سنہ ۱۱۵۹ھ (سنہ ۲۹)۔

احمد شاہ بہادر (۱۱۶۱–۱۱۶۷ھ)

اٹاوہ: سنہ ۶۔

اکبر آباد (مستقر الخلافہ): سنہ ۳، سنہ ۱۱۶۴ھ
(سنہ ۵)، سنہ ۶۔

بریلی: سنہ ۱۱۶۶ھ (سنہ ۶)۔

بلونت نگر: سنہ ۵۔

دیرہ: سنہ ۱۱۶۲ھ۔

سوائی جے پور: سنہ ۱۱۶۱ھ (سنہ احد)، سنہ ۲،
سنہ ۷، نذری سنہ ۱۱۶۱ھ (سنہ احد)۔

سہرند : سنہ ۴ ۱۱۶۴ھ (سنہ ۴) -

شاہجہان آباد : سنہ ۲ ۱۱۶۲ھ (سنہ ۲) ، سنہ

۱۱۶۳ھ (سنہ ۳) ، سنہ ۴ ۱۱۶۴ھ (سنہ ۴) ، سنہ ۵ -

کتک : سنہ احد -

کورا : سنہ احد ، سنہ ۲ ، سنہ ۳ ۱۱۶۳ھ (سنہ ۳)

مکرر ، سنہ ۴ مکرر ، سنہ ۵ -

گوالیار : سنہ ۴ ، سنہ ۵ ، سنہ ۶ -

لاہور : سنہ احد ، سنہ ۱۱۶۲ھ (سنہ ۲) -

محمد آباد بنارس : سنہ ۱۱۶۱ھ (سنہ احد) -

عزیز الدین عالمگیر (سنہ ۱۱۶۷-۱۱۷۳ھ)

اٹاوا : سنہ ۷ -

اجمیر : سنہ ۲ -

احمد نگر فرخ آباد : سنہ ۵ -

ارکاٹ : سنہ ۹ -

اکبر آباد : سنہ احد ، سنہ ۳ -

بلونت نگر : سنہ ۲ ، نیم روپیہ سنہ ۲ -

سوائی جے پور : سنہ احد ، سنہ ۳ ، سنہ ۴ ،

سنہ ۵ ، سنہ ۶ ، نذری سنہ ۱۱۶۷ھ (سنہ احد) -

شاہ آباد قنوج : سنہ احد -

شاہجہان آباد : سنہ احد ، سنہ ۱۱۶۸ھ

(سنہ ۲) ، طرز دیگر سنہ ۲ ، سنہ ۳ ، سنہ ۱۱۶۹ھ -

فرخ آباد : سنہ احد -

کالپی : سنہ ۴ -

کشمیر : سنہ ۱۱۷۲ھ -

کورا : سنہ احد ، سنہ ۲ ، طرز دیگر سنہ ۲ -

گوالیار : سنہ ۳ ، سنہ ۶ -

لاہور : سنہ احد ، سنہ ۳ ، سنہ ۱۱۷۲ھ (سنہ ۵) ،

سنہ ۱۱۷۲ھ (سنہ ۶) -

محمد آباد بنارس : سنہ احد ، سنہ ۲ ، سنہ ۱۱۷۱ھ

(سنہ ۵) -

مراد آباد : سنہ ۱۱۶۸ھ (سنہ احد) ، سنہ ۲ ،

سنہ ۶ ، نذری : سنہ ۱۱۶۸ھ -

ناگور : بزرزد سکہ چون صاحب قرآنی ... الخ

سنہ ۶ مکرر -

نجیب آباد : سنہ ۲ ، سنہ ۶ -

نرور : سنہ ۱۱۷۳ھ (سنہ ۶) -

شاہجہان ثالث (سنہ ۱۱۷۳-۱۱۷۴ھ)

اکبر آباد (مستقر الخلافہ) : سنہ احد -

شاہ عالم ثانی (۱۱۷۳-۱۲۲۱ھ)

اٹاوا : سنہ ۲۱ -

اجمیر : سنہ ۱۱۸۶ھ (سنہ ۱۴) -

احمد آباد : سنہ ۴ ، سنہ ۱۲۱۳ھ -

احمد نگر فرخ آباد : سنہ ۱۱۷۵ھ (سنہ ۳)، سنہ ۲۲ (سنہ ۱۱۹۶ھ)، سنہ ۲۳ (سنہ ۱۱۹۷ھ)، سنہ ۲۴ (سنہ ۱۱۹۷ھ)، سنہ ۲۴ (سنہ ۱۱۹۸ھ)، سنہ ۳۱، سنہ ۳۱، سنہ ۳۹، سنہ ۳۹، سنہ ۲۰ (سنہ ۱۱۹۲ھ)۔

ارکاٹ : سنہ ۳۰۔

اسلام آباد متھرا : سنہ ۲۵، سنہ ۲۶، سنہ ۲۷، سنہ ۳۴، سنہ ۳۹، سنہ ۴۳۔

اکبر آباد : سنہ ۱۱۷۸ھ (سنہ ۵)، سنہ ۱۱۸۱ھ (سنہ ۹)، سنہ ۱۱۹۹ھ (سنہ ۲۷)۔

الہ آباد : سنہ ۱۱۹۰ھ (سنہ ۱۸)۔

اندور : یک۔

قطعہ بریلی : سنہ ۱۲۱۷ھ، ۱۲۲۰ھ۔

بلونت نگر : سنہ ۵، سنہ ۶، سنہ ۷۔

بوسی : سنہ ۴۹۔

جودھ پور : سنہ ۱۰، سنہ ۲۳ بکمند، سنہ ۱۲۰۶ھ، سنہ ۱۲۱۸ھ۔

جے پور : سنہ ۱۳، سنہ ۱۶، سنہ ۲۴، سنہ ۲۸، سنہ ۳۴، سنہ ۴۵، نصف روپیہ سنہ ۳۶۔

نذری : سنہ ۱۱۷۹ھ (سنہ ۷)، سنہ ۱۱۸۶ھ (سنہ ۱۳)، سنہ ۱۲۰۶ھ (سنہ ۳۲)، سنہ ۱۲۱۰ھ (سنہ ۳۶)، سنہ ۱۲۱۱ھ (سنہ ۳۷)، سنہ ۱۲۱۳ھ (سنہ ۳۹)، سنہ ۱۲۱۴ھ (سنہ ۴۰)، سنہ ۱۲۱۵ھ (سنہ ۴۱)، سنہ ۱۲۱۶ھ (سنہ ۴۲)، سنہ ۱۲۱۸ھ (سنہ ۴۴)، سنہ ۱۲۱۹ھ (سنہ ۴۵) نصف، سنہ ۱۲۰۲ھ (سنہ ۲۸)، سنہ ۴۰۔

دلیپ نگر : سنہ ۱۱۷۸ھ (سنہ ۶)۔

روس نگر : سنہ ۳۳، سنہ ۳۹۔

سورت : سنہ ۱۲۱۵ھ (سنہ ۴۶)۔

سہارنپور : سنہ احد، سنہ ۱۲۱۱ھ (سنہ ۳۸)۔

شاہجہان آباد : سنہ ۱۱۹۲ھ (سنہ ۱۹)، سنہ ۴۸۔

کچامن : سنہ ۱۲۰۳ھ (سنہ ۳۱)، طرز دیگر با شمشیر سنہ ۱۲۰۳ھ (سنہ ۳۱)، نصف آں سنہ ۱۲۰۳ھ (سنہ ۳۱)۔

کشن گڈھ : سنہ ۲۴، سنہ ۲۵۔

کورا : سنہ ۱۲۰۲ھ۔

گوالیار : سنہ ۱۱۷۷ھ (سنہ ۴)، سنہ ۱۱۷۷ھ (سنہ ۵)۔

گوہد : ۱۱۹۶ھ (سنہ ۲۴)۔

مادھوپور : سنہ ۱۲، سنہ ۲۷، سنہ ۴۶۔

محمد آباد بنارس : سنہ ۱۷، سنہ ۱۷، سنہ ۱۷، سنہ ۱۷، سنہ ۱۱۷۵ھ، سنہ ۱۱۷۹ھ، سنہ ۱۱۹۹ھ،

سنہ ۱۲۱۳ھ -

مراد آباد: سنہ ۱۱۷۹ھ (سنہ ۳)، سنہ ۱۷-

مرشد آباد: سنہ ۱۰، سنہ ۱۱-

مظفر گڈھ: سنہ ۱۲۱۱ھ (سنہ ۳۹)، سنہ ۱۲۱۲ھ (سنہ ۴۰)، سنہ ۴۴-

مومن آباد بندرابن: سنہ ۲۳، سنہ ۲۴ مکرر، سنہ ۲۵، سنہ ۲۶، سنہ ۲۷، سنہ ۴۴ -

مہر اندر پور: سنہ ۱۱۸۲ھ (سنہ ۹)، سنہ ۱۳، سنہ ۱۱۸۶ھ (سنہ ۱۴) مکرر، سنہ ۱۱۸۷ھ (سنہ ۱۴)-

ناگور: سنہ ۱۱۹۲ھ (سنہ ۱۸)، سنہ ۱۲۱۵ھ، سنہ ۱۲۱۸ھ (سنہ ۴۵) -

نجیب آباد: سنہ ۳۷، سنہ ۴۱، سنہ ۴۳ -

ہاتھرس: سنہ ۲۹، سنہ ۳۰ -

اکبر شاہ ثانی (سنہ ۱۲۲۱—۱۲۵۳ھ)

احمد آباد: یک، وضع دیگر یک -

برج اندر پور: سنہ ۱۲۳۵ھ (سنہ ۱۵)، سنہ ۱۲۳۶ھ (سنہ ۱۶) -

بندی: سنہ ۸ -

بوندی: سنہ ۱۰، سنہ ۱۱، سنہ ۱۲، سنہ ۱۲۴۸ھ (سنہ ۲۷) -

جے پور: سنہ ۲، سنہ ۷، سنہ ۹، سنہ ۱۳، نصف روپیہ سنہ ۸، ربع سنہ ۲۰، ہشتم حصہ سنہ ۲۶، نذری: سنہ ۱۲۲۳ھ (سنہ ۲)، سنہ ۱۲۲۴ھ (سنہ ۴)، سنہ ۱۲۲۵ھ (سنہ ۴)، سنہ ۱۲۲۷ھ (سنہ ۶)، سنہ ۱۲۴۶ھ (سنہ ۲۵) -

حیدر آباد: سنہ ۱۲۳۲ھ، سنہ ۱۲۴۹ھ فرخندہ -

شاہجہان آباد: سنہ ۱۲۲۱ھ (سنہ احد)، سنہ ۲، سنہ ۱۲۲۳ھ (سنہ ۳) -

شیوپور: سنہ ۱۲۲۸ھ (سنہ ۸)، سنہ ۱۲۲۸ھ (سنہ ۹)، سنہ ۱۲۲۸ھ (سنہ ۱۰)، سنہ ۱۲۲۸ھ (سنہ ۱۱)، سنہ ۱۲۲۸ھ (سنہ ۱۵) -

مادھوپور: سنہ احد، سنہ ۳، سنہ ۴، سنہ ۶، سنہ ۱۲۲۱ھ (سنہ ۹) مکرر، سنہ ۱۲۳۵ھ (سنہ ۱۳) مکرر، ربع سنہ ۲، سنہ ۲۲ -

مظفر گڈھ: سنہ ۲، سنہ ۳ -

مہ اندر پور: یک -

ناگور: سنہ ۶ -

نرور: سنہ ۲۷ -

؟ : سنہ ۴ ضرب خوجا (کذا)

؟ : سنہ ۱۳ -

محمد بہادر شاہ (۱۲۵۳-۱۲۷۴ھ)

جھالاواڑ: نذری سنہ ۴ و سنہ ۶ -

جے پور : سنہ احد، ربع سنہ احد، نیم سنہ احد و سنہ ۸، سنہ ۱۲۵۹ھ (سنہ ۶)، سنہ ۱۰، سنہ ۱۵، ہشتم حصّہ سنہ ۱۷، سنہ ۱۸، سنہ ۱۹۔

نذری، سنہ ۱۲۶۳ھ (سنہ ۱۰)، سنہ ۱۲۶۶ھ (سنہ ۱۳)، سنہ ۱۲۷۰ھ (سنہ ۱۷)، سنہ ۱۲۵۹ھ (سنہ ۵)

راج گڑھ : سنہ ۲۔

مادھوپور : سنہ ۱۲۵۵ھ (سنہ ۲) مکرّر، سنہ ۳ مکرّر، سنہ ۴، سنہ ۵، سنہ ۶، سنہ ۷، سنہ ۸، سنہ ۹، سنہ ۱۰، سنہ ۱۴ مکرّر، سنہ ۱۵ مکرّر، سنہ ۱۶، سنہ ۱۸۔

بالعام خضر خان شاد گردش   پس آنکه نام خضر آباد کردش
(P. 67, دول رانی خضر خان)

(b) The name of Siwana (now belonging to Jodpur State) after the conquest was changed into Khairabad (خیر آباد). Amir Khusrow in his history the 'Khazain-ul Futuh', which celebrates the conquests of Ala-uddin, writting the accounts of Siwana, says :

حدیث فتح سوانه که گشت خیر آباد   ز تیغ شد که همیشه بخیر باقی باد
(P. 73, خزائن الفتوح)

(c) There is yet another town, on the way to Deccan, nine stages from Delhi, whose name was changed into Masudpur (مسعود پور) after the name of his son Prince Mas'ud. Khusrow describing the first expedition of Malik Kafur to Deccan records :

"اختر فرخندهٔ ملک ملوک الوزرائی به طالع سعد در مسعود پور رسید و در آن مقام که از پور مسعود بادشاه نامی گشت است دو روز پای علم بر سر مسعود پور بود ـ"
(P. 80, خزائن الفتوح)

(d) Another town mentioned by Khusrow in his تغلق نامه is علا پور presumably named after the king's own name :

چو آمد نیک نزدیک علا پور   علا پور از مهابت شد بلا پور
(P. 89, تغلق نامه)

With this preliminary remark I beg to add that when Ala-uddin led his expedition to Ranthambhor and conqured the fort, he renamed it as Dar-ul Islam. Amir Khusrow has twice mentioned this point in his above quoted history the 'Khazain-ul-Futuh'. At the conclusion of his account of Ranthambhor he says :

«درین تاریخ فرخ آن چنان حصن حصین بردن رای متین مستخلص گشت و در باب آن دارالکفر خطاب دارالاسلام از آسمان نزول یافت» .

(P. 58, "خزائن الفتوح")

(17) Coin Nos. 720 and 721 :—دارالملک دہلی/فیروزشاہ سلطانی. You state this coin as Malwa type which I admit. But I am puzzled at the idea that you did not include it in the posthumous coins of Firoz Shah, as it should naturally be done, because the Malwa type did not come in vogue before the reign of Hoshang Shah Ghori (A. H 808-36=A. C. 1405-32) and Firoz Shah died in 790 A. H., i.e., eighteen years before Hoshang. In the circumstances we can only look upon it as a posthumous coin.

(18) Coin No. 36 :—Your reading is Ujjain (اجین) which cannot be entertained by any means. I believe the word شمس is deteriorated in this form ; firstly it is in a rayed circle ; secondly it has three dots on top and three at the bottom. The top dots indicate the ش and bottom dots indicate the س. It has been a custom to place three dots at the bottom of س=S to differentiate it from the ش=sh.

THE MINT DAR-UL ISLAM

In the I.M.C. you expressed the opinion that the mint دارالاسلام is presumably a synonym for Delhi (P. 8). In the book under review you state, "It has been suggested by Mr. Nevill (J.A.S.B., N. S. 35, Art. 219) that the sultan gave the College known as Dar-ul Islam in Old Delhi the right to strike coins, while the Hazrat Delhi coins were minted at Siri. The view that Dar-ul Islam stands for Old Delhi is a reasonable one, though confirmation from any historical source is so far lacking". (P. 106)

I believe no historical evidence is forthcoming to uphold Mr. Nevill's assertion that Ala-uddin gave the royal prerogative of striking coins to a College at Delhi called Dar-ul Islam. He (Ala-uddin), being an illiterate man, cared very little for education and schools. But I would like to know the source of Mr. Nevill's information, as I do not find it mentioned in the current books on history.

I also beg to differ from you in the belief that Dar-ul Islam was another name for Delhi History is silent on this point. On a careful perusal of Ala-uddin's history we learn that he was in the habit of giving new names to the towns conquered by him. I cite a few instances here :

(a) When he captured Chitor, the old capital of Udaipur State, he renamed it after the name of his son Khizr Khan to whom the territory was given in fief and called it Khizrabad (خضرآباد). Khusrow, the famous poet of this period in his poem the 'Dawal Rani Khizr Khan', writes :

wrote کدھا as کدھہ , چوہا as چوہہ , کھورا as کھورہ , سونا as سولہ and روپا as روپہ , تھوڑا as تھورہ and طوطا as آولہ.

(12) Coin No. 242 A :—The mint of this is read by you as خطہ الور. I possess a similar coin, but I read the mint as ناگور. The initial ن and the dot of ن can be traced. Nagaur and Sawalak were in the jagir of Balban during the reign of Nasir-uddin Mahmud. It is not surprising, therefore, that on the death of Mahmud when Balban ascended the throne he struck coins at Nagaur. This coin is dated 665 A.H. (See impression No. 8).

(13) Coin No. 225 C :—You read the marginal date خمس و خمسین و ستمایہ but I believe the unit is not خمس as there is no room for the three strokes of س between the م and the دائرہ of س. I, therefore, suggest ثمان as a reasonable alternative.

(14) Coin No. 1075 :—You read the bottom margin of reverse as علاالدین (see plate XIII). But علاالدین is unthinkable here. In my opinion the ر of فر got mixed with ید of فرید hence فرید الدین assumed the appearence of علاالدین.

(15) Coin No. 137 A :—ضرب بلاھور. This, perhaps, you write on the authority of Rodgers. This is supposed to be the coin of Iltutmish. My objection is on the ground of Orthography. For during the days of Iltutmish and his sons the word لاھور was written as لوھور, which is nearer to the indigenous pronunciation. Even today we hear the Panjabis generally pronouncing it as لھور. It is strange, therefore, to think that a coin of that period the name of the town should be spelt as لاھور (with الف). This spelling belongs to a later period. On this orthographical ground, I beg to submit that this coin does not deserve to be included in the Iltutmish coins. The famous Tabqat-i-Nasiri, composed in the reign of Iltutmish's son Nasir-uddin Mahmud, always spells the name of Lahore as لوھور (see pages 25, 26, 117, 135, 140 and 141).

(16) Coin No. 134 :—عدل سلطان المعظم/ضرب بحضرت دھلی. You have attributed this coin to Iltutmish. But this attribution does not carry the weight of conviction. The smoth formation of characters and the use of the popular phraseology بحضرت دھلی which is not even found on the silver coins of Iltutmish, point out to a later period The کشش and the دائرہ of letters indicate boldly that this coin belongs to either Nasir-uddin Mahmud's or Ghiyas-uddin Balban's period.

come across constantly in ancient books and manuscripts. My reading, therefore, is در دهار the circular (جزم) in fact belongs to the ر of دره.

(9) Coin No. 219 :—You mention small circles over مستعصم ، عهد دلیا ، عظم and محمود. Similarly in No. 221 you point small circles over عظم and محمود. This circle is nothing but جزم which may be jotted down or dropped at the sweet will of the writer On coin No. 222 you say there is no mark over عهد as well as over عظم and محمود. This only confirms my point that the جزم can be put down or dropped down according to the wishes of the writer.

(10) Coin No. 1069 :—You give its mint (?) دارلضرب قلع تاتره. I believe it is the same Coin as No. 654 of the I.M.C. I have a Coin similar to this which reads دار ضرب قلع رالسی and I agree with Mr. Nevill in reading the disputed mint as قلع رایسین. The word رالسی on my Coin is written in a form similar to Islam Shah's Coin No. 1286, where the mint is wanting. But I possess a better coin which bears the mint قلع رالسی clearly visible, I, therefore, submit that when we read رالسی in Islam Shah's coin, why not read the same in Sher Shah's Coin. I enclose facsimile of both of these coins (see impressions Nos. 5 and 6).

On a minute study of Coin No. 1069 and my own coin, I find that the two coins differ slightly. This coin has after دارلضرب m.m. 45, after this there is an ornamental mark *q* ; than there is رالسی i. e. رایسین ; next there is the same ornamental form *p* (running in the reverse direction) followed by m. m. 45. Now comes a letter which crosses the first الف of ابابکر and appears like a ب, which I am unable to explain. This much, however, is certain that the two coins are very similar to each other and must belong to the same mint. I do not share the view that this is the same mint of Islam Shah's copper coins known as بودهاندیه.

(11) Coin No. 1365:—You read the mint as Budhandeh (بودهاندیه). To my mind the letter following بو is ر = r, and not the د = d. If we look carefully at the د of عادل and the letter in question, we find there is a vast difference in their shape and size. I subjoin the impression (No. 7). The last word of this mint is read by you as 'deh' (دیه), but to give some sort of meaning to it we have to read it as بزرهاندیه, that is 'given by old people'. The Persian writers of this period often wrote the final Hindi الف in the form of a ه, so much so that they

suggested by Gibbs,[1] Rodgers[2] and yourself. From my point of view both حبیب and خبیر are not appropriate. There is a feasible possibility for امیر, which, I believe, fits in admirably. Therefore we should either agree with Mr. Gibbs or suggest words like عبیر or لصیر or نصیر, which are certainly more fitting than خبیر.

(5) Coin No. 690 (Billon)—ضربت بساحت سند—it looks more like بساحات (plural) than بساحت (singular), though I admit the word ساحت suits the context better. I possess a duplicate (see impression No. 2).

(6) With reference to coin No. 306, gold, square of Ala'ud-Din Mohammad Shah, I beg to inform you that I possess a curious square silver piece, with the same legened on obverse and reverse, viz. سکندر الثانی ، یمین الخلافہ ناصر ، امیر المومنین (vide impression No. 3)

(7) Permit me to refer to your catalogue of Indian Museum, Calcutta, Vol. 2. In the collection of Malwa coins, you read the reverse of coin 45 of Ghiyas Shah and coin No 72 of Nasir Shah as ? اکبر باللہ, but the reading, to my mind, requires modification. I read the legend as الکبریاء للہ. What you read the با of باللہ is in fact the یا of کبریا. In coin No. 72, Plate XI, we notice three parallel lines running from top to bottom ; the first line is ا ; the second ل ; and the third comprises the lower portion of a ک ; and on the top of it is the مرکز of ک. الکبریاء للہ is a famous Arabic motto and means 'greatness belongs to God only'. I own a clear piece of Ghiyas Shah (see impression No. 4).

(8) Coin No. 589-590 :—Following the traditional reading of the numismatists you have read the mint as دره دهار and have translated as 'Pass of Dhar' (I.M.C., P. 59). I do not consider the ه of دره as a separate letter, I take it to be the old form of circular (جزم), which we

---

۱۔ جیمز گبز (۱۸۲۵ء-۱۸۸۶ء) آئی۔سی۔ایس، ۱۸۴۶ء میں بمبئی آیا۔ ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کا صدر رہا اور بمبئی یونیورسٹی کا وائس چانسلر بھی۔ (مرتب)

۲۔ چارلس جیمز راجرس (۱۸۳۶ء-۱۸۹۸ء) اردو اور فارسی زبانوں کا ماہر تھا۔ اس نے ہندوستانی مسکوکات کا خصوصی مطالعہ کیا تھا۔ اس کے مضامین ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے مجلہ میں شائع ہوئے تھے۔ اس نے لاہور اور کلکتہ کے مجموعہ ہائے مسکوکات کی فہرستیں بھی تیار کیں۔ ۲۰۔ نومبر ۱۸۹۸ء کو لاہور میں فوت ہوا۔ (مرتب)

There is another passage in which the word لکور again occurs in the Tabqat :

و هر دو لشکر (Sic.) بلاد لکهنوتی یکی را رال گویند که برطرف لکور است و دوم را برند نام که برطرف دیو کوٹ است او را مسلم شد ۔

(Tabqat, P. 243)

I, therefore, hold that this coin belongs to لکور.

Coin No. 49F, identical with No. 59 of Thomas' Chronicle, and read by Thomas as لا گور etc., I suggest, should also be ascribed to the same mint لکور—You describe the mint as GAUR, but as far as I know, the name of Gaur is not found at that early period. Gaur comes in prominence at a later date.

(2) Coin No. 745—Your reading جل الله ظلال جلاله is certainly an improvement upon Thomas, who read coin No. 240 of the Chronicle as جل الله ظلاله و جلاله, hence his remark, "While the Arabic invocation is altogether wild in its tenor" (Chronicle, P. 298). I must point out that the Arabic invocation appeared funny to Thomas because his reading was faulty. There is still, I believe room for improvement in this reading. I would suggest that we should read it as مدالله ظلال جلاله (May God extend the shadow of his gradeur). Please have a look at plate IX of your work and see coins Nos. 745 and 758 on which مد is clearly visible and not the traditional جل as commonly maintained by numismatics. This mistake occurs in all the Nos. given under Fath Khan's name, pages 186-188, also I.M.C. Page 67.

(3) Coin No. 750 is read by you as جل الله ظلال جلاله, once again but on looking at plate IX, I find the wording is مد ظلال جلا[له] i.e. there is no الله in the sentence. I possess coins of both of these types that is with الله and without الله. I submit an impression of the latter type (See impression No. 1).

(4) Coin No. 745 B :—Your reading is جل الله جلاله and corrected (in Addenda and Corriganda Plate XX as جل الله ظلاله, but I would read it as مد ظلال جلا(له). As to the upper portion of its legend خیر and الشرق و الغرب there is a stroke of a letter between خیر and الشرق which shows that a word like اقلیم or ممالک intervenes between the two. On page 222 you give the various readings حبیب ، امیر and خیر as

days of Thomas.[1] It is an exhaustive work on the Sultans of Delhi which, I believe, would enjoy a lasting reputation as an authoritative work. It is rich in information mainly on Iltutmish, the Tughlaks and the Suri Sultans. Your copious notes at the end of each dynasty's coinage are full of original information and spares one of reading the lengthy and laborious discussions of Edward Thomas. I earnestly wish that you may produce a similar work on the Moghuls.

The esteem and admiration in which I hold your work has occasioned me to make a few remarks by way of review and criticism. On certain points I hold different views and have to offer divergent interpretations, which I humbly request, and sincerely hope, you would receive in a spirit of scholarship. I also crave your indulgence if you find I am at fault. I am certainly open to correction ;

(1) Coin No 52-A is stated by you as of Laknauti (?), but the actual inscription is ضرب هذه الشرفه بلکور. It is the same as coin No. 38 of the I.M.C.[2] on which you placed a querry (?) after بلکور. I submit that the true name is لکور which is the name of a town near Laknauti, as evidenced from a passage of Tabqa't-i-Na'siri, Persian Text, edited by Capt. W. Nassaw Lees,[3] which runs as follows :

«جماعت کفار که از سرحد ولایت جاج نگر بیرون آمدند اول لکور را بگرفتند و فخرالملک کریم الدین لاغری را که مقطع لکور بود با جماعت مسلمانان شهید کردند و بعد ازان بدر لکهنوتی آمدند»

(Tabq'at-i-Na'siri of Minhaj-i-Siraj, Calcutta, 1864, P. 245)

۱- ایڈورڈ تھامس (۱۸۱۲ء - ۱۸۸۶ء) آئی-سی-ایس، ماہر مسکوکات ہند، ۱۸۳۲ء میں ہندوستان آیا - ایران اور ہندوستان کے آثار قدیمہ، مسکوکات اور نظام اوزان و پیمائش پر اس کے متعدد مضامین رائل ایشیاٹک سوسائٹی اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالوں وغیرہ میں شائع ہوئے - پچیس سال تک رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا خازن رہا - اس کے مضامین کا مجموعہ ۱۸۷۱ء میں لندن سے "Chronicles of the Pathan Kings of Delhi" کے نام سے شائع ہوا - (مرتب)

۲- 'انڈین میوزیم کلکتہ' مراد ہے - (مرتب)

۳- ولیم نساؤلیز (۱۸۲۵ء - ۱۸۸۹ء) مشہور مستشرق، فوج میں ملازم تھا - ۱۸۸۵ء میں میجر جنرل ہوگیا تھا - چند سال تک کلکتہ مدرسہ کا پروفیسر اور پرنسپل رہا - عربی، فارسی اور اردو کی متعدد کتابیں مرتب کیں - اس کے بہت سے مضامین رائل ایشیاٹک سوسائٹی اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالوں میں شائع ہوئے - (مرتب)

A LETTER TO MR. NELSON WRIGHT

18 Fleming Road,[1]
Lahore.
10th July, 1937[2]

To

H. Nelson Wright Esqr.,
F.R.N.S., I.C.S. (Retd.)

Sir,

Permit me, an entire stranger, to address you the following few lines. Though personally not known to you, being a student of Muslim History and numismatics, I am well acquainted with your works on the subject.

Lately through the courtsey of the librarian of the Punjab University Library, I borrowed for a few days your latest work "The Coinage and Metrology of the Sultans of Delhi", which I have read with great interest. It is, indeed, a monumental work full of valuable information which corrects several fallacies current since the

---

۱۔ نیلسن رائٹ کے نام اس خط کے سات ٹائپ کیے ہوئے صفحات مجھے دست یاب ہوئے ہیں۔ خط نامکمل ہے۔ (مرتب)

۲۔ گو خط پر سنہ ۳۷ء ٹائپ کیا گیا ہے تاہم میرا خیال ہے کہ یہ ۱۹۳۶ء ہونا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خط لکھتے وقت وہ نیلسن رائٹ سے مطلقاً متعارف نہ تھے جیسا کہ خط کے پہلے فقرے سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ خط وصول کرنے کے بعد نیلسن نے اپنی جو کتابیں انہیں تحفتاً بھیجی تھیں ان میں سے ایک یعنی "The Coinage of the Sultans of Malwa" میرے پاس محفوظ ہے اس پر نیلسن نے اپنے قلم سے لکھا ہے:

"H.M Shairani with the author's Compliments.

August 1936

H. Nelson Wright"

اس سے میں یہی نتیجہ نکالتا ہوں کہ یہ خط دس جولائی ۱۹۳۶ء کو لکھا گیا ہے۔ (مرتب)

اشاریہ

مرتبہ

مظہر محمود شیرانی

علامات: "م" = عرضِ مرتب، "ح" = حاشیہ

اشخاص

الف

ب

پ

ت

ٹ

ث

ج

ش

۲۔ اقوام و طبقات

الف

ب

پ

ت

چ

خ

۳- بلاد و اماکن

الف

۳۔ بلاد و اماکن

الف

ی

۴۔ ادارہ جات

۵ - کتب و جرائد

الف

ب

۶ - مطابع

۷۔ السنہ

ف

ک

گ

ل

م

ہ

ی

۸ - رسم الخط

۹ - ادوار و اوقات

الف

ب

ت

ج

خ

د

س

ش

۱۰۔ اصطلاحاتِ عروض

ت

و

ہ

۱۱ - اصطلاحاتِ سکّہ شناسی

۱۲۔ اصطلاحاتِ عمومی

مجلس ترقی ادب کی چند نئی کتابیں

اظہر سنز پرنٹرز ، لاہور